موسمِ گُل
فرحت اشتیاق

فہرست

-1	تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے	5
-2	"الٹی ہو گئی سب تقدیریں"	27
-3	چلو توڑو قسم، اقرار کریں!	62
-4	صرف محبت	104
-5	ہم خواب کیوں دیکھیں	149
-6	موسم گل	179

تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

روحیل رضوان عرف پیلو سے ہم بھائی بہن کی دشمنی قدیم تھی۔ ایک شخص کا ہر وقت نام لے لے کر اور ہمہ وقت اس کی مثالیں دے دے کر آپ کو چڑایا جائے تو بندہ دشمنی نہ پالے تو کیا دوستی پالے؟ اور مثالیں بھی کس کی اس پیلو کی؟ پورا کا پورا مامازبوائے۔

وہ تو لگتا تھا نہاتا، کھاتا اور سوتا بھی اپنی ممی سے پوچھ کر تھا۔ کم از کم مجھے اور بلال کو تو اس عجوبے جیسا بننے کا ہرگز کوئی شوق نہ تھا مگر کیا کیجئے کہ ہماری امی اور بھائی میاں کا وہ ہمیشہ سے فیورٹ رہا ہے۔ پتا نہیں ان دونوں کو اس منحوس سے اس قدر عشق کیوں تھا۔ بچپن سے اس کی تعریفیں اور اس جیسا بننے کی نصیحتیں سنتے سنتے ہم بھائی بہن کے کان پک چکے ہیں۔ یہ ہمارا دائیں طرف والا برابر کا مکان پیلو صاحب کا تھا سو ان کے ہر کارنامے کی اطلاع ان کی شوبازممی کی زبانی ہماری والدہ ماجدہ تک بروقت اور سب سے پہلے پہنچا کرتی تھی۔

''پیلو کلاس میں فرسٹ آیا ہے، اس نے اسکول میں ٹاپ کیا ہے۔'' چلو جی شامت ہماری آگئی۔ اب اگر سب بچے فرسٹ آنے لگیں گے تو 10th, 11th, 12th, 13th رینک کن بچوں کا آئے گا؟ اور کلاس میں پہلی پوزیشن لے لینا کیا ذہانت کی علامت ہوتا ہے؟ ہر وقت کتابوں میں سر دے کر اور رٹے مار مار کر تو کوئی بھی فرسٹ آسکتا ہے۔ وہ نہ ہمارا کلاس فیلو کبھی رہا تھا اور نہ ہمارا اسکول بھی کبھی ایک رہا تھا۔ وہ ہم سے دو کلاسز سینئر تھا مگر اس کی مثالیں دیئے جانا اور اس جیسا بننے کی نصیحتیں کیے جانا جیسے امی اور بھائی میاں کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا تھا۔ ان سب باتوں سے ہمیں کوئی پرابلم نہ ہوتی اگر ہماری امی اور بڑے بھائی صاحب اس گھونچو کی مثالیں دے دے کر ہمیں چڑایا نہ کرتے۔

جب سے انجینئرنگ یونیورسٹی میں پہنچا تھا اس کی اماں نے اسے پیلو کے بجائے روحیل کہنا شروع کر دیا تھا مگر اس کا کیا کیجئے کہ قرب و جوار میں وہ پیلو کے نام سے اس قدر شہرت پا چکا تھا کہ اب اس کے اپنے گھر والوں کے سوا باہر والے سب اس کو پیلو ہی کے نام سے جانا کرتے تھے۔ خاص کر اس کے رشتے دار اور پڑوسی۔ پچھلے دنوں تو مزے کی سچویشن ہوئی تھی جب ان کے گھر کی تزئین و آرائش کا کچھ کام ہو رہا تھا۔ ٹھیکیدار ان کا پرانا جاننے والا تھا اور اس سے سن کر تمام مزدور اسے بڑے احترام سے پیلو صاحب کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ ایک بار تو چھت پہ واک کرتے میری اور بلال کی ہنسی چھوٹ گئی جب ان کے گیٹ پر کارپنٹر نے بیل بجا کر اس کی چھوٹی بہن سے کہا۔

''پیلو صاحب ہیں؟''

اس نام پہ پیلو کی شکل دیکھنے والی تھی۔ صاف نظر آتا تھا اپنی اماں کے بچپن کے رکھے اس مشہور زمانہ اور زبانِ زدعام نام سے وہ کس قدر چڑتا ہے۔ تب سے تو ہم بھائی بہن نے جیسے ضد باندھ لی تھی۔ اس سے جب ملاقات ہوتی اسے پیلو ہی کے نام سے مخاطب کرتے۔

ہماری امی کو حفظ مراتب کا بڑا خیال رہتا ہے۔ سو اس کی دو سال کی بڑائی کے احترام کے پیشِ نظر ہم اسے پیلو بھائی کہا کرتے تھے اور اندر ہی اندر اس نام پر وہ جس طرح پیچ وتاب کھاتا تھا اتنا ہی اسے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا پٹپٹا کر دیکھا کرتے تھے۔ ویسے سچ بات ہے ہماری اس سے دشمنی اور خار سے وہ لاعلم تھا۔

ہم اس سے کس قدر چڑتے بلکہ خار کھاتے ہیں یہ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہ ہوگا۔ میں اور بلال جڑواں بھائی بہن ہیں۔ ہمیشہ سے ایک ہی اسکول، ایک ہی کلاس اور مشترکہ دوست۔ شرارتیں اور ہنگامے کیا ہماری تو لڑائیاں بھی مشترکہ ہوا کرتی تھیں۔ اگر کسی سے میری لڑائی ہوگئی ہے تو بلال کی اس سے خود بخود لڑائی ہو جائے گی۔ جویریہ جواد اور بلال جواد ہم ایک ٹیم تھے۔ ہمارا ایکا، ہمارا اتحاد مثالی تھا مگر ہمارے اس اتحاد اس یگانگت کے سب سے بڑے دشمن ہمارے اپنے ہی گھر میں موجود تھے یعنی ہمارے بھائی میاں۔ ہمارے آٹھ سال بڑے بھائی جنہیں اپنے ان معصوم چھوٹے بھائی بہن سے دنیا زمانے کی تمام شکایتیں تھیں۔

میں بلال اور اس کے دوستوں کے ساتھ رہ رہ کر آوارہ لڑکوں والی زبان بولتی ہوں، جو طور طریقے، سبھاؤ، نزاکت میری عمر کی لڑکیوں میں ہونی چاہیے وہ مجھ میں مفقود ہے، بلال میرے اور میری سہیلیوں کے درمیان گھس گھس کر بیٹھتا ہے لڑکیوں میں بیٹھ بیٹھ کر اس میں زنانہ پن آجائے گا۔ ہر وقت کا ہنگامہ اور دھما چوکڑی مچائے رکھنے کے سبب ہم دونوں اپنی پڑھائی سے لاپرواہ رہتے ہیں جبکہ یہ ہمارا ایف ایس سی پری انجینئر نگ کا دوسرا سال ہے، ہمارے کیریئر کا اہم ترین سال۔ مگر ہم دونوں زندگی کے کسی بھی معاملے میں سیریس ہیں ہی نہیں۔ پتا نہیں اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ہم دونوں کو کتنا سیریس دیکھنا چاہتے تھے۔ شاید اپنے فیورٹ پیلو کی طرح سیریس جو کئی مہینوں بعد مسکرایا کرتا تھا۔ عجیب افلاطونی، پروفیسرانہ پن بلکہ ہونق پن ہر وقت اس کے چہرے پر چھایا رہتا تھا۔ خود کو نیوٹن یا آئن اسٹائن سمجھتا وہ ہر وقت کائنات کے سربستہ رازوں کی دریافت میں مگن رہا کرتا تھا۔

بچپن میں ہم محلے کے سارے بچے بارش کو انجوائے کرتے اپنی اپنی چھتوں اور لانز میں نہا رہے ہوتے اور وہ اندر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا آسمان کو ہونق پن سے دیکھتا بارش کے ہونے کی وجوہات تلاش کر رہا ہوتا تھا۔ بارش میں تو وہ ماما زبوائے کبھی بچپن میں بھی نہایا ہی نہیں تھا۔ ممی منع جو کرتی تھیں کہ پیلو کو ٹھنڈ بیٹھ جائے گی، زکام ہو جائے گا۔ بچپن میں ''ممی منع کرتی ہیں۔'' ہر بات پر اس کا تکیہ کلام ہوتا تھا۔ بڑے ہونے پر ''ممی منع کرتی ہیں'' تو ختم ہوگیا تھا مگر افلاطونی ہونق پن اپنی جگہ برقرار تھا۔

دیکھیں اس سے مجھے کوئی پرخاش نہ ہوتی، مجھے اس کے ہونق پن سے بھی کچھ لینا دینا نہ ہوتا اگر ممی اور بھائی میاں مجھے اور بلال کو چوبیس گھنٹے اس جیسا بننے کی نصیحتیں نہ کیا کرتے۔ ایک تو وہ لگتا برا تھا اوپر سے حرکتیں بھی ایسی کرتا کہ بندے کا خون کھول جائے۔ میں اور بلال اچھے خاصے فزکس، کیمسٹری اور میتھس کی ٹیوشن کے لیے

کوچنگ سینٹر جارہے تھے کہ بھائی میاں کو نجانے اچانک ہی کوچنگ سینٹرز کے ماحول اور وہاں کے تعلیمی طریقۂ کار سے شکایتیں پیدا ہوگئیں۔

''بھائی میاں! فرسٹ ایئر میں بھی تو ہم لوگ کوچنگ سینٹر ہی گئے تھے۔'' بلال بھائی میاں کے آگے منمنایا تھا۔

ہم دونوں بھائی بہن پر امی، ابا کا اتنا رعب نہ تھا جتنا بھائی میاں کا۔ ہم دونوں کو وہ شیر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ پیٹھ پیچھے ہم انہیں چنگیز خان کہا کرتے تھے۔

''ہاں بہت اچھی پرسنٹیج لائے ہو فرسٹ ایئر میں جو فخریہ اس کا ذکر ہو رہا ہے۔'' B64% گریڈ کوئی برا تو نہیں ہوتا، اچھا خاصا ہی ہوتا ہے جبکہ ہم دونوں ہی کا آگے انجینئر نگ کی طرف جانے کا کوئی ارادہ بھی نہ تھا تو پھر اس پرسنٹیج میں کیا برائی تھی؟ ہاں اس میں برائی ہی برائی تھی اگر اس کا موازنہ 88% مارکس +A گریڈ کے ساتھ کیا جاتا۔ جب پیلو انٹر میں 88% لا سکتا ہے تو ہم دونوں کیوں نہیں؟

ایک تو بڑے پن کا ایسا خوفناک اور خونخوار رعب قائم کر رکھا تھا بھائی میاں نے ورنہ کہہ تو میں بھی سکتی تھی کہ۔

''بھائی میاں! 88% تو آپ کے بھی نہیں آئے تھے۔'' ہاں +A گریڈ ضرور تھا مگر 88% تو نہیں۔ پھر ہم معصوم چھوٹے بھائی بہن ہی پر ستم کیوں؟

''یہ کوچنگ سینٹرز ڈیٹنگ پوائنٹس بن کر رہ گئے ہیں، کوئی پڑھائی وڑھائی نہیں ہوتی اب ان میں۔''

ہم دونوں کو نظر انداز کر کے وہ امی سے مخاطب ہوئے جو ٹی وی پر کوئی کوکنگ شو دیکھ رہی تھیں۔ زلفیں بکھرائے شیف صاحبہ کوئی عجوبہ سے ڈش پکا رہی تھیں۔ ساتھ کوئی کالر بھی تھیں۔

''اچھا میری امی سے بھی بات کرلیں۔''

''آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔''

''میری پھوپھی کو (ویو) Wave کر دیں۔''

''ہاں انہوں نے Wave کر دیا تو پھوپھی اماں کی زندگی سنور جائے گی۔''

بلال نے بھائی میاں پر آتا غصہ کوکنگ شو کی شیف اور کالر پر نکالا۔ بھائی میاں کو سنجیدہ موڈ میں دیکھ کر امی نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر توجہ ان پر مبذول کی۔

''روحیل سے ملاقات ہوگئی تو میں اور سنجیدہ ہوا ورنہ تو میں خود بہت دنوں سے یہی دیکھ رہا ہوں کہ دونوں صبح کالج گئے۔ واپس آکر ہنگامہ، اچھل کود، شام میں کوچنگ سینٹر، وہاں سے آکے بستے بند رات میں ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل، مجال ہے جو دونوں میں سے کسی کو کبھی میں نے رات میں پڑھتے دیکھا ہو۔ روحیل سے آج میری ملاقات ہوئی ان دونوں کی فکر میں ہی کوچنگ سینٹرز کے ماحول اور وہاں کے تعلیمی طریقۂ کار پہ بات ہونے لگی تو وہ مجھ سے اتفاق کرتا کہنے لگا۔

''یہ تمام کوچنگ سینٹرز ایک جیسے ہیں۔ اسٹوڈنٹس کو آج جو پڑھا رہے ہیں اس کا Next day ٹیسٹ لیں، تب تو بچہ گھر جا کر پڑھے گا، یہ تو تفریح ہوگئی کہ گئے کلاس لی، لیکچر نوٹ کیا، گھر آکر سب بند کر کے رکھ دیا۔''

ہمارے خلاف کہیں کوئی بات ہو رہی ہو اور وہاں پیلو نہ ہو ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ بھائی میاں کو کوچنگ سینٹرز

کے خلاف بھڑکانے اور ہمارے لیے مصیبت لانے والا ہمارے دیرینہ دشمن کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ بڑے ہونے کے بعد سے جب سے وہ پپلو کے نام سے مخاطب کیے جانے کو پسند نہیں کرتا تھا تب سے اپنے فیوریٹ کو بھائی میاں بڑی لگاوٹ اور محبت سے روحیل کہنے لگے تھے۔

شکر تھا امی، ابا اسے آج بھی پپلو ہی کہا کرتے تھے۔ میں تو اس کی شادی ہو جائے، بچے ہو جائیں تب بھی اسے پپلو ہی کہا کروں گی۔

''یہ پپلو کا بچہ!'' بلال نے دانت کچکچائے۔

''بلال جواد اور جویریہ جواد کے خلاف کہیں کوئی سازش ہو اور وہاں پپلو صاحب نہ موجود ہوں ایسا ہو سکتا ہے؟'' بھائی میاں کے اٹھنے کے بعد بلال غصے سے بولا۔

''بجائے احسان مند ہونے کے، شکر گزاری کے بدتمیزی کر رہے ہو۔ وہ اپنی پڑھائی کے اتنے قیمتی وقت میں سے تم لوگوں کے لیے وقت نکالے گا، آج کل کوئی یوں بے لوثی سے کسی کے کام آتا ہے۔'' بلال کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھنے اور جھاڑ پلانے کے بعد امی دوبارہ ''خالہ کو Wave کر دیں۔''

''چچی کو پہی بر تھڑے بول دیں۔'' سننے لگی تھیں۔

بلال منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ بری طرح کھول تو میں بھی رہی تھی مگر بلال کی طرح منہ پھلا کر وہاں سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ تمیز اور تہذیب سکھائے جانے کے معاملے میں امی بیٹے اور بیٹی میں بڑا مثالی فرق رکھتی تھیں۔

''یہ نخرے لڑکیوں میں اچھے نہیں لگتے، کل کو اگلے گھر جانا ہے۔ یہاں ماں، باپ، بھائی کی بات برداشت نہیں ہو رہی، وہاں جب بہت کچھ جھیلنا پڑے گا پھر پتا چلے گا۔ تب ماں کی نصیحتیں یاد آئیں گی۔''

اگلے گھر کا خوفناک نقشہ مجھے دن میں کئی کئی بار دکھایا جاتا تھا۔ بلال کی طرح پیر پٹختی میں واک آؤٹ نہ کر سکتی تھی سو سیل فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بھائی میاں کے خطرناک لیکچر اور شاہی فرمان کے دوران کئی دوستوں کے میسجز آ گئے تھے۔ اب باری باری سب کو reply کر رہی تھی۔ زرین نے نظم بھیجی تھی اسے کوئی اچھی سی نظم بھیجنی تھی، سعدیہ نے بش پر لطیفہ بھیجا تھا اسے بش، کرزئی یا پھر اوباما پر کوئی لطیفہ بھیجنا تھا اور سدرہ نے دوستی پر فلسفیانہ سا میسج بھیجا تھا اسے کوئی ایسا ہی اعلیٰ پائے کا میسج بھیجنا تھا۔ Inbox میں سہیلیوں کو بھیجنے کے لیے مناسب Messages تلاش کر رہی تھی کہ امی نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر مجھے دوبارہ گھورا۔

''رکھو اس عذاب کو، چوبیس گھنٹے گلے کا ہار بنا رہتا ہے۔ جا کر رات کے کھانے کے لیے سلاد بناؤ۔''

''وہ کال نہیں کرتا تو کیا ہوا، میں کر لوں گی، جلدی کس بات کی ہے، بات ختم ہو گئی تو فون رکھ دوں گی، الگ الگ کال کرنے کے لیے ہم کیوں بدلوں؟''

برا ہو اس ایڈ کو بھی ابھی آنا تھا۔ موبائل امی کو عذاب لگتا تھا اور میرے اور بلال کے ہاتھوں میں اسے دیکھ کر تو وہ ہمیشہ چڑتی تھیں۔ میں بغیر چوں چرا کے فوراً صوفے پر سے اٹھ گئی تھی۔ اب اس سے پہلے کہ اگلا ایڈ اٹھلاتی بل کھاتی ماڈل کے ''بس ایک نیا کنکشن چاہیے'' کا آتا، میرا کچن میں گھس جانا ہی بہتر تھا ورنہ امی کے ان بے ہودہ اشتہارات پر آتا

سارا غصہ مجھ پر ہی نکلنا تھا۔

سلاد رائتہ بنا کر فارغ ہوئی تو کھانا لگانا، کھانا، برتن سمیٹنا، سب کو چائے بنا کر پلانا ان سارے کاموں میں کافی دیر لگ گئی۔ ابا نے امی کو ہمیشہ ان کی مدد کے لیے صبح سے رات تک کے لیے ماسی رکھ کر دی تھی جو جھاڑو، پوچھے، ڈسٹنگ وغیرہ کے لیے آنے والی ماسی کے علاوہ ہوتی تھی مگر امی کو پھر بھی اپنی اکلوتی بیٹی کو ماسی بنانے کا از حد شوق تھا۔ اکثر تو ان مہارانی ثریا صاحبہ کو کھانا اور چائے بھی میں پیش کیا کرتی تھی کہ امی کو ''بے چاری صبح سے کام کر کر کے تھک گئی ہے۔'' کہتے اس پر ترس بہت آتا تھا۔

سب کاموں سے جان چھوٹی تب ہی میں بلال کے کمرے میں آ پائی وہ اپنا غصہ دور کرنے کے لیے نیٹ اور موبائل دونوں پر بیک وقت دوستوں سے چیٹ کر رہا تھا مگر منہ ہنوز پھولا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بھی اس کے منہ کے زاویے درست نہ ہوئے تھے۔

''مجھے بھرم دکھانے کی نہیں ہو رہی ہے۔ خود تو گھر سے باہر مزے سے دوستوں میں بیٹھ کر آ گئے اب بھی آرام سے چیٹ شیٹ ہو رہی ہے اور میں جب سے کچن میں سڑ رہی ہوں۔ تمہاری طرح اپنا غصہ بھی نہیں نکال سکتی کہ جویریہ جواد نے اگلے گھر جانا ہے۔'' اس کے بگڑے منہ پر میں فوراً بگڑی تھی۔ ''اگلے گھر'' پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔ اس گھسے پٹے لفظ پر اب چڑنے سے بھی زیادہ ہم دونوں ہنسا کرتے تھے۔ اس نے گود میں پڑا Lays کا بڑا والا پیکٹ اور پیپسی کی چھوٹی بوتل میری طرف اچھالی۔ چپس کا پیکٹ آدھا خالی تھا اور پیپسی کی بوتل بھی آدھی خالی تھی۔ اس نے باہر دوستوں کے ساتھ چپس اور پیپسی کھائے تھے اور دونوں چیزیں آدھی میرے لیے بچا کر لے آیا تھا۔ وہ باہر دوستوں میں بیٹھ کر جو کچھ بھی کھاتا چاہے وہ ایک معمولی چیونگم یا ٹافی ہی کیوں نہ ہوتی وہ اس چیونگم کو بھی توڑ کر آدھا کھاتا اور باقی کی آدھی ریپر میں لپیٹ کر میرے لیے لے آتا۔ مجھے اپنے سات منٹ بڑے بھائی پر بے اختیار بہت پیار آیا تھا، دھڑا دھڑ چپس کھاتے میں نے اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے تھے۔

''دور ہٹ کر بیٹھو موٹی! دیکھ رہی ہو میں کتنا امپورٹنٹ کام کر رہا ہوں۔''

اس نے اپنی گود میں رکھے لیپ ٹاپ اور ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی جانب اشارہ کیا۔ ہم دونوں میں قدرے صحت مند میں اور بانس کی طرح سوکھا اور لمبا وہ تھا۔ اول میں موٹی تھی نہیں، دوسرے بلال پر اس پل پیار آ رہا تھا اس لیے حسبِ عادت موٹی کہنے پر بگڑی نہیں بلکہ چپس کا پیکٹ خالی کرتے ہوئے اس سے بولی۔

''بلال! اب کیا ہو گا؟ چنگیز خان تو اپنا فیصلہ سنا چکے۔''

''مجھے لگتا ہے جب ہم دونوں پیدا ہوئے تھے بھائی میاں نے اسی دن عہد کر لیا تھا کہ انہیں گینز بک میں دنیا کے سب سے ظالم بڑے بھائی کی حیثیت میں اپنا نام درج کروانا ہے۔'' وہ کھٹ کھٹ Keys پریس کرتا بولا۔

''میں تمہیں بتا رہی ہوں میں نے اس پپلو کے بچے سے نہیں پڑھنا، اب ہمارے اوپر اتنا برا وقت آ گیا ہے کہ ہمیں پپلو سے پڑھنا پڑے گا۔''

میں نے اٹھ کر چپس کا خالی ریپر کھڑکی سے اچھال کر پپلو کی بالکونی میں پھینکا۔ بلال کے کمرے کے عین سامنے والا کمرہ اس منحوس کا تھا اور میں اکثر مختلف کھانے پینے کی چیزوں کے خالی ریپرز اس کی بالکونی میں اچھال

دیا کرتی تھی۔

''اچھا خاصا ہم کوچنگ سینٹر جا رہے ہیں۔ پاس ہونے کے لیے، اچھے مارکس لانے کے لیے جتنا پڑھنا چاہیے پڑھ ہی رہے ہیں پھر خدا جانے بھائی میاں پر یہ ہمیں پیلو جیسا بنانے کا کیا جنون سوار ہوا ہے؟''

''اس منحوس کو بھی تو دیکھو، خدمتِ خلق کا اتنا شوق ہے کہیں اور جائے، جن پہ احسان کیا جا رہا ہے وہ احسان اٹھانے کے لیے تیار بھی تو ہوں۔''

بلال اس نئے ایشو پر بلاشبہ مجھ سے زیادہ غصے میں تھا۔

''صبح بتاتا ہوں اس عبدالستار ایدھی کے سچے جانشین کو۔''

صبح پیلو کی گاڑی کے تمام ٹائر پنکچر تھے، اب پیلو صاحب یونیورسٹی جائیں تو کیسے جائیں؟ بلال میرے اٹھنے سے بھی پہلے یہ کارروائی کر کے آ چکا تھا۔ کارروائی کر کے آنے کے بعد اس نے مجھے اٹھایا تھا۔ ہم دونوں کالج کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ صبح جاتے ہوئے بلال کو ابا اور مجھے بھائی میاں کالج ڈراپ کر دیا کرتے تھے کہ ہمارے کالجز ان کے دفاتر کے راستے میں پڑتے تھے۔ واپسی میں بلال بس سے آ جاتا تھا جبکہ میں نے واپسی کے لیے وین لگوائی ہوئی تھی۔ ہم لوگ اپنے گیٹ سے نکل رہے تھے اور برابر والے گیٹ سے......

''ممی! اب میں یونیورسٹی ٹائم پر کیسے پہنچوں گا۔''

''بس میں جاؤں گا تو میری کلاس مس ہو جائے گی۔''

''بس میں مت جاؤ بیٹا! آج گرمی بھی بہت ہے، رکشہ پہ چلے جاؤ۔'' کی پیلو اور اس کی ماما کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''ہاں بس میں وہ نازک حسینہ کہاں بیٹھ سکیں گی۔'' بلال بڑبڑایا۔ گیٹ سے باہر نکل کر ہم لوگوں کی پیلو اور ان کی اماں سے ملاقات ہو گئی تھی۔ صبح صبح اس ہونق کو دیکھ لیا تھا پتا نہیں اب سارا دن کیسا گزرنا تھا۔

اس کی گاڑی کی بپتا سن کر بھائی میاں نے جھٹ اسے اس کی یونیورسٹی ڈراپ کرنے کی آفر کی تھی۔ اس آفر کو قبول کرتا وہ ہماری گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ جتنی دیر وہ گاڑی میں بیٹھا رہا میں منہ سے خاموش بیٹھی رہی۔ بھائی میاں کی اس سے لگاوٹ بھری باتوں پر اندر ہی اندر کھولتی رہی، ہم سے بات کرتے کیسے انگارے چباتے ہیں اور اس منحوس سے بات کرتے کیسا شہد ٹپک رہا ہے ایک ایک لفظ سے۔

''تم دونوں کی تو کوئی کارستانی نہیں ہے نا روحیل کی گاڑی کے پیچھے؟''

اسے یونیورسٹی ڈراپ کرنے کے بعد بھائی میاں مجھ سے بولے۔ یہاں تو چلو ہماری کارستانی تھی مگر جہاں ہم نے کچھ نہ کیا ہوتا بھائی میاں تو وہاں بھی ہم دونوں ہی پر شک کیا کرتے تھے۔

''بھائی میاں! آپ نے مجھے اور بلال کو کیا پاکستان سمجھ کر ٹریٹ کرنا شروع کر دیا ہے؟ دنیا میں جہاں کہیں بھی کچھ ہوا ہو، ہم ہی نے کیا ہوتا ہے۔ اب آپ یہ مت کہہ دیجئے گا کہ اجمل قصاب میرا اور بلال کا مشترکہ دوست ہے، بش پر جوتا پھینکنے والا عراقی صحافی ہمارا واقف کار تھا اور پرناب مکھر جی اپنی کال سے بلال اور میرے کہنے پر مکر گیا تھا۔ ٹھیک ہے بش، کرزئی، اوباما ان سب سے ہماری دعا سلام ہے مگر یہ بھی کیا کہ دنیا میں جہاں کہیں کچھ ہو آپ فٹ سے الزام اپنے معصوم چھوٹے بھائی بہن کے سر ڈال دیں۔''

میری طویل تقریر بے مثال تھی مگر بھائی میاں اس سے ذرا متاثر نہ ہوئے تھے۔

''خوب سمجھتا ہوں میں تم دونوں کی معصومیت کو۔ جب تم دونوں کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ معصومیت آ جائے تو سمجھ جاؤ کوئی نئی شرارت بلکہ بدتمیزی تشکیل پا رہی ہے۔'' انہوں نے گاڑی میرے کالج کی سڑک پر ڈالی۔

''خیر......آج شام سے روحیل تم دونوں کو پڑھانے آ رہا ہے۔ کوئی شکایت نہ سنوں میں تم دونوں کی۔''

سارے فساد کی جڑ یہی بات تو تھی کہ وہ منحوس آ کیوں رہا تھا، اسے کس نے کہا تھا اس خدمتِ خلق کے لیے۔

آج کے خود غرض دور میں جبکہ سب کو اپنی اپنی پڑی ہے کوئی کسی کے لیے یوں اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔ تم دونوں کو روحیل کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ میں نے تو اس سے یونہی تم دونوں کی اسٹڈیز کی طرف سے اپنی فکر اور کوچنگ سینٹر کی پڑھائی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا اور اس نے انتہائی خلوص سے تم دونوں کو روز شام میں کچھ وقت پڑھا دینے کی پیش کش کر دی تھی۔ اس کی اپنی انتہائی مشکل پڑھائی، انتہائی ٹف شیڈول پھر یہ آفر۔ میں تو اس کے خلوص پر حیران رہ گیا تھا۔ اس زمانے میں ایسے مخلص لوگ اب ہیں کہاں؟''

امی ہی کی طرح بھائی میاں نے بھی احسان کی گٹھڑی اٹھا کر ہم دونوں کے سر پر رکھنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے ہم دونوں پر جتنا رعب ڈال رکھا تھا، ایسے میں کسی اور معاملے پر تو میں بول بھی سکتی تھی، پڑھائی کے معاملے میں ہرگز نہیں۔ بھائی میاں کا بس نہ چلتا تھا ہم دونوں کو پڑھا پڑھا کر پیلو جیسا ہی ہونق بنا دیں۔ بھائی میاں کے سامنے تو دال گلتی نہ تھی مگر کالج سے گھر واپسی کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے میں نے امی سے بڑی سنجیدگی سے بھائی میاں کی شادی کی بات کی تھی۔ بھائی میاں کی شادی ہو جائے تو کچھ تو ان کی توجہ ہم دونوں چھوٹے بھائی بہن پر سے ہٹے گی۔ اچھی خاصی جاب کر رہے تھے، اچھی سیلری، سیٹلڈ لائف پھر شادی میں کیا مضائقہ تھا؟

''میرا تو کب سے ارمان ہے مگر وہ راضی بھی تو ہو نا۔ جب شادی کی بات کرو منع کر دیتا ہے۔ بھئی یا اپنی پسند بتا دو یا ہماری پسند سے شادی کر لو مگر نہیں ابھی چند سال شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ بیچلر لائف کے مزے لینے ہیں، عجیب نرالی منطق ہے۔''

''آپ سارے زمانے کی شادیاں کراتی ہیں اپنے بیٹے کی نہیں کرا پا رہیں امی! سو سیڈ۔''

بلال اسی وقت کالج سے آیا تھا اور وہ بغیر یونیفارم بدلے، بغیر منہ ہاتھ دھوئے کھانے کی میز پر بیٹھ گیا تھا۔

''ماں! پیاری ماں روٹی کھلا دے ماں، تیرا لال بھوکا پیاسا گھر آیا ہے، یوں گھور کر نہ دیکھ ماں، پیار سے دیکھ اپنے لال کو۔''

امی نے ابھی صرف اسے گھورا ہی تھا، منہ سے کچھ کہا نہ تھا کہ وہ فلمی ٹون میں جھٹ بولا بلکہ پلیٹ میں خوب سارے مٹر قیمے کا سالن ڈال کے وہ کھانا شروع کر چکا تھا۔ بلال کی اپنی لن ترانیاں تھیں مگر میں تو امی سے سنجیدگی سے بھائی میاں کی شادی کی بات کر رہی تھی۔ ہم دونوں پر انہوں نے جتنی توجہ مرکوز کر رکھی تھی اس کے خاتمے کا سبب شادی ہی بن سکتی تھی۔ خالہ امی بڑی پھوپھو سے جب ملاقات ہوتی شادی کے بعد اپنے بیٹوں کے بدل جانے، زن مرید، بیوی کا غلام، ماں باپ بھائی بہن کو پوچھتا تک نہیں کے قصے سننے کو ملا کرتے تھے۔

ہم بھائی بہن تینوں بڑے ہو چکے تھے، امی کی گھر پہ اب اتنی زیادہ مصروفیات نہ تھیں ہاں گزشتہ چند سالوں

سے انہوں نے فی سبیل اللہ رشتے کرانے کا کام شروع کر رکھا تھا۔ ان کا حلقۂ احباب تھا بھی وسیع۔ اپنے جاننے والوں اور جاننے والوں کے جاننے والوں کے ہاں وہ اب تک کئی کامیاب شادیاں کرا چکی تھیں۔

''امی! ابا سے کہیں نا، وہ بھائی میاں سے کہیں گے۔ مجھے بڑا شوق ہے لڑکے والا بن کے لڑکیوں کے گھر جانے کا، خوب اچھا سارا ریفریشمنٹ، وی آئی پی ٹریٹمنٹ۔''

''اللہ نہ کرے جو میں گھر گھر لڑکیاں جھانکتی پھروں، لوگوں کے دل دکھاؤں بد دعائیں سمیٹوں۔ شعیب نے اپنی پسند بتا دی تو بہت اچھا ہے ورنہ جاننے والوں میں سے کسی لڑکی کا انتخاب کروں گی۔''

امی میری بات کے جواب میں قدرے سنجیدگی سے بولیں۔

''کیوں امی! آپ کو آنٹی حسن آراء کی طرح لمبی، گوری، دبلی پتلی، پڑھی لکھی، کم عمر، امیر بہو نہیں چاہیے؟''

بلال نے چاول اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے امی کو چھیڑا۔ امی یہ کام گھر پہ ہی کرتی تھیں، انہوں نے ہمارے گھر کے گراؤنڈ فلور پر ایک بڑے سے کمرے کو باقاعدہ اپنے آفس جیسی شکل دے رکھی تھی۔ وہ کسی سے لیتی کچھ نہ تھیں مگر ان کا رشتے کرانے کا سارا کام بڑا منظم طریقے سے ہوتا تھا۔

آنٹی حسن آرا کا قصہ بھی اپنی جگہ خوب مزے دار تھا۔ وہ چھوٹی خالہ کی نند کی خاص سہیلی تھیں۔ بقول امی کے جیسی چھوٹی خالہ کی نند تھیں ویسی ہی شاندار ان کی سہیلی تھیں۔ ان کے چار بیٹے تھے، بیٹے اور وہ بھی چار۔ پہلے تو وہ اسی بات پر زمین پر پاؤں نہ رکھتی تھیں پھر سارے بیٹے اچھا پڑھ لکھ بھی گئے تھے، بڑے دو کی جابز بھی اچھی جگہوں پر ہو گئی تھیں، غرور کا بہت سامان تھا ان کے پاس۔ انہیں اپنے سب سے بڑے بیٹے کے لیے جو خیر سے ایم بی اے تھا، بینک میں جاب کر رہا تھا لڑکی کی تلاش تھی۔ پچھلے دو سالوں سے وہ لڑکیاں دیکھ رہی تھیں اور کوئی لڑکی ان کی بہو بننے کے معیار پر پوری نہ اتر پا رہی تھی۔ چھوٹی خالہ کی نند انہیں امی کے پاس لے آئی تھیں کہ شاید ان کی مطلوبہ خوبیوں کی حامل لڑکی امی انہیں تلاش کر کے دے سکیں۔ امی نے تو وہ خصوصیات سن کر ان کے چلے جانے کے بعد اگلے کئی گھنٹے انہیں غائبانہ باتیں سنائی تھیں۔ اگر وہ چھوٹی خالہ کی نند کے حوالے سے اور ان کے ساتھ نہ آئی ہوتیں تو امی نے انہیں ان کے منہ پر خوب ٹھیک ٹھاک سنانا تھیں۔

آنٹی حسن آرا کی ہونے والی بہو میں کیا کیا خصوصیات ہونی چاہئیں۔ آپ بھی سن لیں۔

بے تحاشا گوری، بہت لمبے گھنے بال، دبلی پتلی نازک، ساڑھے پانچ فٹ سے کچھ نکلتا قد، عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہ ہو، تعلیم کم از کم ماسٹرز ہو۔ کسی اونچے اسٹیٹس والے سائنس کے Subject میں کوئی پروفیشنل ڈگری ہو تو بہت ہی اچھا ہے، گھر اچھے علاقے میں ہو، ابا، بھائی اچھی پوسٹوں پر ہوں، سگھڑ ہو، پاکستانی کھانوں کے ساتھ چائنیز، تھائی، جاپانی کھانے بنانا بھی جانتی ہو، اضافی خوبیاں جو انہیں چاہیے تھیں وہ یہ تھیں کہ دبلی پتلی نازک تو ہو ساتھ ہی اس کے شادی کے بعد میں موٹا ہونے کا کوئی امکان نہ ہو، اس کے لیے لڑکی کی ماں اور شادی شدہ بہنوں کا بغور جائزہ لیا جانا تھا۔

دوسری اضافی شرط یہ تھی کہ لڑکی کسی کونوینٹ اسکول کی پڑھی ہوئی ہو، شاندار انگریزی بولتی ہو، انگریزی میں گٹ پٹ کرے گی تب ہی تو ان کے آفیسر بیٹے کے ساتھ چلتی اچھی لگے گی۔

''بس بہن! زیادہ کوئی فرمائش نہیں میری، زیادہ نہیں چاہتی میں سیدھی سادی سی عورت ہوں، سیدھی سادی سی بہو اپنے گھر کے لیے لانا چاہتی ہوں۔''

امی ان کی شرائط پر اتنا خار میں نہ آئی تھیں جتنا اس ''سیدھی سادی'' عورت اور ''زیادہ کوئی فرمائش نہیں'' پر آئی تھیں۔ یوں امی کسی کی شکل صورت کو کچھ کہتی نہ تھیں مگر ان کے جانے کے بعد امی نے ان کو برا بھلا کہتے کافی کچھ کہا تھا۔

''خود کو کبھی آئینے میں نہیں دیکھتیں، ماں باپ نے نام حسن آرا رکھ دیا حسن چاہے کہیں دکھائی نہ دے، نام حسن آرا۔''

بہرحال کچھ بھی ہو آنٹی حسن آرا نے ہمارے گھر میں ہم بہن بھائیوں کے لیے اچھی خاصی تفریح کا سامان پیدا کر دیا تھا۔ ہمارے وقتاً فوقتاً ہونے والے اس ہنسی مذاق پر بھائی میاں جیسے جلاد تک مسکرا دیا کرتے تھے۔ آنٹی حسن آرا کی ایک مشہور زمانہ ڈائری بھی تھی جس میں وہ رشتے کرانے والیوں سے حاصل کردہ مختلف لڑکیوں کے گھروں کے فون نمبر نوٹ کیا کرتی تھیں۔ ہر فون نمبر کے ساتھ اس لڑکی کی چیدہ چیدہ خصوصیات بھی لکھی ہوتیں، جن لڑکیوں کے گھروں پر وہ ہو آتیں اور لازمی بات ہے لڑکی کو ناپسند بھی کر آتیں اس فون نمبر کو سرخ قلم سے کاٹ دیتیں۔ ان دو سالوں کی پیہم جدوجہد اور مشقت کے نتیجے میں ان کی ڈائری تقریباً بھر چکی تھی۔ آدھی سے زیادہ سرخ روشنائی سے قلم زد ہوئی اور باقی بچی ان کی توجہ کی منتظر۔ درجن بھر لڑکیاں تو اب تک امی بھی انہیں بتا چکی تھیں مگر کوئی ان کے مطلوبہ معیار پر پوری نہ اتر رہی تھی۔ بلال نے آنٹی حسن آرا کا قصہ شروع کر دیا تھا اور میری بات بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔ بھائی میاں کی شادی کی بات اب کسی اور وقت امی سے اکیلے ہی میں ہو سکتی تھی۔

☆

''چلیے جناب! وہ ماما زبوائے ہمیں پڑھانے کے لیے تشریف لا چکے ہیں۔''

بلال نے آ کر مجھے اطلاع دی، میں اس وقت موبائل پر F.M سنتی ذرا کمر ٹکا کر ستا رہی تھی۔ ابھی ابھی تو ہم دونوں کوچنگ سینٹر سے واپس آئے تھے۔ بلال دانت پیس رہا تھا، مٹھیاں بھینچتے وہ کافی غصے میں تھا۔

''بری بات ہے بلال! اس طرح نہیں کہتے۔ اس بے لوث خدمت پر ہمیں محترم پیلو صاحب کا مشکور اور احسان مند ہونا چاہیے۔ اس خودغرض زمانے میں اب ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں؟''

میں نے کچھ امی اور کچھ بھائی میاں کا لہجہ و الفاظ مستعار لے کر طنزیہ انداز میں اپنی بھڑاس نکالی۔ کوچنگ سینٹر سے آنے کے بعد کا ہمارا یہ وقت اپنے اپنے انداز میں ریلیکس کرنے کا ہوتا تھا، بلال عموماً اپنے دوستوں کی طرف نکل جاتا تھا جبکہ میں ٹی وی یا کمپیوٹر سنبھال لیتی تھی۔ پر ہمارے ریلیکس کرنے کا یہ ٹائم اس منحوس سے برداشت نہ ہو سکا تھا۔

بچپن سے ہی وہ ہماری ہر تفریح، ہر خوشی کا دشمن ہو رہا تھا۔ چاہے اپنے ہونق پن کی وجہ سے کرتا انجانے میں تھا مگر بچپن میں بھی اس احمق کی وجہ سے میں نے اور بلال نے بھائی میاں سے بہت ڈانٹیں کھائی تھیں۔ اپنے چغد پنے کی وجہ سے وہ وہ بات جو ہم محلے کے بچوں نے اپنے اپنے گھر والوں سے چھپا کر کی ہوتی تھی بیچ چوراہے میں اس کا بھانڈا بھائی میاں کے آگے ہی پھوڑا کرتا تھا، خود تو کبھی کسی تفریح ہنگامے میں حصہ نہ لیتا تھا مگر ہمارے مزے کا بھی سارا مزہ

بھائی میاں کے آگے ساری داستان بیان کر کے کرکرا کر کے رکھ دیا کرتا تھا۔

If you obey all the rules you miss all the fun ہمارا موٹو تھا اور اس آئن اسٹائن کے جانشین کا Fun سے لینا دینا کیا تھا۔ وہ تو ٹائم ٹیبل کے حساب سے گھڑی ملا کر ہر کام کرتا تھا۔ بھوک لگی ہے یا نہیں، وقت ہو گیا تو کھانا کھا لو، نیند آ رہی ہے یا نہیں ٹائم ہو گیا ہے تو سو جاؤ۔ بلال تو چڑ کر کبھی کبھی اسے مسٹر ٹائم ٹیبل کہا کرتا تھا۔ اب ایک مرتبہ اس نے پھر ہمارے مزے کا مزا کرکرا کرنے والی اپنی پرانی حرکت دہرائی تھی۔ بھائی میاں سے کوچنگ سینٹرز کے خلاف زہر اگل کے اور پھر ہمیں خود بنفسِ نفیس آ کر پڑھانے کی اپنی خدمات پیش کر کے۔ منحوس وقت کا بھی اس قدر پابند تھا کہ گھڑی ملا لو۔

''اس خبیث کو اس خدمتِ خلق کا ایسا مزہ چکھاؤں گی۔ ایک ہفتے میں نہ بھگا دوں تو میرا نام جویریہ جواد نہیں۔''
میں نے شدید طیش کے عالم میں منہ پر ہاتھ پھیرا۔

ہم دونوں اسٹڈی میں آ گئے جہاں وہ رائٹنگ ٹیبل کے آگے ہم دونوں کا منتظر بیٹھا تھا۔ بلال سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی، اسے یہاں لا کر بٹھایا ہی بلال نے تھا جبکہ مجھ سے اب ملاقات ہو رہی تھی۔ میں بغیر سلام دعا کے خاصی رکھائی سے میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو جویریہ؟ گلاسز آنکھوں پر سیٹ کرتے اس نے مسکرا کر بہت سوبر بنتے ہوئے یوں پوچھا جیسے مجھ سے کئی سال بڑا ہو۔

''اللہ کا شکر ہے پیلو بھائی! آپ کیسے ہیں؟'' اس کے مصنوعی طاری کردہ مدبرانہ انداز کے جواب میں میں نے بظاہر مسکرا کر کہا۔ پیلو کہے جانے پر اس نے پہلو بدلا مگر اپنی ناگواری چہرے سے ظاہر نہ ہونے دی اور بظاہر مسکراتا فوراً پڑھائی کی بات پر آ گیا۔ وہ اس نام سے چڑتا ہے اپنی یہ چڑ وہ لوگوں پہ ظاہر نہ کرتا تھا۔ پر میرے اور بلال جیسے زیرک و ذہین لوگوں سے یہ چڑ مخفی رہ سکتی تھی؟

''چلو اب بکس نکالو تم دونوں، شعیب بھائی بتا رہے تھے تم دونوں کو آج کل اسٹڈیز میں کافی پرابلمز ہیں۔''

''اب آپ آ گئے ہیں ناں پیلو بھائی! اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے بظاہر بڑی لگاوٹ سے کہا۔ ہمارا بزرگ اور استاد بننے کی جو ناکام کوشش یہ افلاطون کر رہا تھا اس کوشش کی ایسی کی تیسی تو میں چند دنوں میں کر کے رکھ دوں گی۔ اس کا تو میں نے پکا فیصلہ کیا تھا۔

بلال نے فزکس، کیمسٹری اور میتھس کی کتابیں اس کے سامنے رکھ دی تھیں۔

''ہم ہفتے کے دن بانٹ لیتے ہیں، کس دن فزکس، کس دن میتھس اور کس دن کیمسٹری پڑھیں گے۔ اور ویسے تو خیر میں تم دونوں کو صرف یہی تین Subject پڑھانے آ رہا ہوں لیکن اگر کبھی تم لوگوں کو اپنے کمپلیسری سبجیکٹس میں بھی کوئی پرابلم ہو تو پوچھ سکتے ہو۔ اس کے علاوہ بھی کبھی کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ سکتے ہو۔'' ہم دونوں نے چہرے پر شکر گزاری کے تاثرات یوں سجائے جیسے اس بے مثال آفر پر تشکر سے سرشار ہو گئے ہوں۔

(ہفتے کے دن بانٹ لیتے ہیں، منحوس کہیں کے، ایک ہفتے بھی اگر اسے میں نے یہاں آنے دیا تو بڑی بات ہے۔) وہ ہمیں بڑی جانفشانی سے فزکس پڑھانا شروع کر چکا تھا۔

''Time بھی ایک Dimension (ڈائمنشن) ہے۔'' آئن اسٹائن کے فرمودات بڑی جانفشانی سے وہ ہمیں سمجھا رہا تھا۔

''پیلو بھائی! آئن اسٹائن نے اپنی پہلی بیوی کو کیوں چھوڑا تھا؟'' فزکس کی موٹی موٹی خطرناک اصطلاحات کے درمیان میرے اس سوال نے پیلو تو پیلو بلال کو بھی ایک پل کے لیے ہکا بکا کر دیا تھا۔ جمائیاں لے لے کر اس کی بک بک سنتے بلال کے چہرے پر یک دم ہی مسکراہٹ بکھری تھی جسے اس نے سر نیچے جھکا کر فوراً ہی کنٹرول کیا تھا۔ قلم روک کر عینک کے پیچھے چھپی زبردستی طاری کردہ بڑے پن والی نگاہوں سے اس نے مجھے بغور دیکھا۔

''آپ نے ابھی تو کہا تھا پیلو بھائی! کچھ بھی پوچھ سکتے ہیں۔ میں اصل میں آئن اسٹائن کی نفسیاتی کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں، کوئی تو وجہ ہو گی انسان کی پرسنل لائف میں جو وہ اتنی ہونق پنے کی باتیں کرتا ہو گا۔''

میں نے کمال معصومیت اور سادگی سے پوچھا۔ ہنسی ضبط کرتے بلال کی حالت غیر تھی جبکہ میں انتہا درجہ سنجیدہ۔

''ویسے میں نے ایک جگہ پڑھا تھا اس کی پہلی بیوی تیز مزاج اور جھگڑالو ہو گئی تھی اسی وجہ سے تنگ آ کر آئن اسٹائن نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ ویسے مجھے اس بات کی سچائی پر شبہ ہے۔ تیز مزاج نہیں ہوئی تھی وہ بے چاری پاگل ہو گئی ہو گی۔ صحبت کا اثر خیر آپ پڑھائیں...... کیا پڑھا رہے تھے؟''

میں نے معصومیت کے تمام عالمی ریکارڈ توڑتے اسے پھر کتاب، رجسٹر اور کیلکولیٹر کی طرف متوجہ کرایا۔ چہرے پر پھیلتی ناگواری کو چھپاتے اس نے ہمیں پھر پڑھانا شروع کر دیا تھا مگر اس کا ارتکاز میں توڑ چکی تھی۔ وہ کیا بول رہا تھا، کیا پڑھا رہا تھا، کیا سمجھا رہا تھا سب کا خطرناک اور خوفناک تاثر ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

رات کھانا کھاتے بھائی میاں ہم دونوں سے ''ہم نے آج پیلو سے کیا کیا پڑھا؟'' کی روداد سننا چاہ رہے تھے اپنے مخصوص چنگیزی انداز میں۔ اچھی بھلی امی کے ہاتھوں کی مزے دار دہلی والی نہاری اور نان اس خوفناک سوال جواب میں بدمزہ معلوم ہونے لگی تھی۔

''بھائی میاں! اپنے معصوم بھائی بہن کو کھانا کھانے تو دیں۔'' بلال منمنایا تھا مگر بھائی میاں اس کی منمناہٹ نظر انداز کر کے تفصیل سنتے ہمیں یہ باور کرانا چاہ رہے تھے کہ ہمیں پیلو صاحب سے انتہائی شرافت سے پڑھنا ہے اور روزانہ وہ ہماری پڑھائی کی تفصیلات یونہی پولیس والے تفتیشی انداز میں ہم سے پوچھا کریں گے۔ اسی دوران ابا کے موبائل پر کوئی کال آنے لگی تھی۔

ابا نے نوالہ منہ میں ڈالتے میز پر پاس رکھا موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا اور پھر کچھ خوف کچھ بے بسی سے امی کی طرف۔ ان خوفناک نگاہوں ہی سے ہم سمجھ گئے تھے کہ یہ صالح چچا کا فون تھا۔ ابا کے بچپن کے سب سے عزیز دوست جو بہ سلسلۂ روزگار عرصہ دراز سے سعودیہ میں مقیم تھے۔ ان کی فون کالز سے ابا کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بے چارے کال انتہائی فرصت سے کیا کرتے تھے۔ خیر خیریت اور ابتدائی گفتگو کے بعد ان کے یہ پوچھنے پر کہ کیا ہو رہا تھا اگر انہیں یہ تک بتا دیا جائے کہ ہم کہیں جا رہے ہیں یا مصروف ہیں وہ تب بھی بات کیے جاتے، بیچ بیچ میں تسلی دینے کے لیے یہ ضرور کہتے۔

''زیادہ لمبی بات نہیں کریں گے، تم کہیں جا رہے تھے نا۔''

بات تب بھی ہمیشہ ڈیڑھ دو گھنٹہ ہی کیا کرتے۔ کسی وقت شدید مصروفیت کے سبب ابا موبائل پر ان کی کال کو Avoid کرتے، سیل سائیلنٹ پر کر دیتے یا ان کی کال آجانے کے خوف سے پہلے ہی آف کر رکھا ہوتا تو وہ Ptcl پر فون کر ڈالتے اور Ptcl پر آنے والی کال ہمیشہ سیل پہ آنے والی کال سے دگنی لمبائی والی ہوتی تھی۔ بلال اکثر مذاق میں ابا کو اس وقت جب وہ صالح چچا کی کال اٹھانے کو Aviod کر رہے ہوتے کہا کرتا۔

''ابا! اٹھالیں، نہیں تو صالح چچا Ptcl پہ فون کریں گے اور اگر آپ نے اس پر بھی کال ریسیو نہ کی تو وہ گھر آجائیں گے۔''

ابا نے کافی بیلیں ہونے دیں مگر کال تو آخر کار انہیں ریسیو کرنی ہی تھی ورنہ انہیں کھانے کی میز سے اٹھ کے Ptcl پہ آنے والی کال ریسیو کرنے کو تو جانا ہی پڑتا۔

صالح چچا وہاں تنہا رہ رہے تھے، وہ اپنا اکیلا پن مٹانے کے لیے اتنی لمبی کالز کیا کرتے تھے مگر جسے کال کرتے وہ بے چارا ان کی کال اٹینڈ کرنے کے بعد دنیا کا کوئی کام کرنے کے لائق نہ رہتا تھا۔ وہ دو گھنٹے تک صرف اپنی کہتے تھے اور انتہائی بے تکی کہتے تھے۔

''تم سناؤ کیسے ہو؟''

ابا نے قصداً نوالہ زور زور سے چبایا۔ ہم سب ہنسی دبا رہے تھے چونکہ جانتے تھے نوالے چبانے کی یہ آوازیں صالح چچا پر مطلق اثر نہیں ڈالنے والی، انہیں جتنی لمبی گفتگو کرنی ہے وہ ہر حال میں کریں گے۔ ابا کو بھوک شدت کی لگ رہی تھی۔ آج آفس میں انہوں نے لنچ بھی نہ کیا تھا اور کھانے میں تھی بھی ان کی فیورٹ دلی کی نہاری مگر کھانے اور ان کی راہ میں ظالم سماج تھے صالح چچا۔

''ہاں کھانا کھا رہا ہوں، نہاری بنائی ہے تمہاری بھابھی نے، بھئی تمہاری بھابھی کھانا بناتی ہی اتنا مزے دار ہیں ہاتھ ہی نہیں رکتا۔ لو بات کرو گے بھابھی سے؟''

امی اشاروں سے منع کر رہی تھیں مگر ابا نے صالح چچا کا جواب موصول ہونے سے قبل ہی موبائل امی کو تھما دیا تھا۔ ہم ٹین ایجرز کی زبان میں صالح چچا ''پکاؤ آدمی'' تھے، بندے کا بھیجہ پلپلا کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ ساری گفتگو میں کام کی بات ایک بھی نہیں ہوتی تھی۔ ابا امی کو پھنسا چکے تھے، ہم سب ہنسی ضبط کرتے ابا اور امی کو دیکھ رہے تھے۔ موبائل امی کو تھما کر ابا سکون سے کھانا کھانے لگے تھے اور امی اب صالح چچا سے اپنا بھیجہ پکوا رہی تھیں۔ بھائی میاں مجھ سے اور بلال سے کیے جانے والے اپنے سوالات کو بھلائے اب بتیسی کی نمائش کرتے آواز مدھم رکھتے ہنس رہے تھے۔ ابا نے جس طرح اپنی جان چھڑا کر موبائل امی کو سونپا تھا۔ امی اس سے بری طرح تپ رہی تھیں مزید کسر بھائی میاں کی ہنسی نے پوری کر دی تھی۔

صالح چچا مخاطب کو تو بولنے کا زیادہ موقع دیا نہیں کرتے تھے سو امی ابھی تک صرف ہوں، ہاں، اچھا اور نہیں ہی کر رہی تھیں۔ بھائی میاں کے دانتوں کی نمائش پر انہوں نے پہلے غصے سے ابا کو اور پھر انہیں دیکھا۔

''ہاں شعیب کئی دنوں سے آپ کو یاد کر رہا تھا، کہہ رہا تھا صالح چچا کا اتنے دنوں سے فون نہیں آیا ان سے بات کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ یہ لیں بات کریں شعیب سے۔''

امی بھی آخر ہماری امی تھیں، انہوں نے اپنے برابر بیٹھے استاد یعنی ابا کا داؤ بھائی میاں پر چلا دیا۔ چلو کوئی تو ہو بھائی میاں کی بھی ٹانگ کھینچنے والا۔ میں نے اور بلال نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میں اور بلال تو بچوں میں آتے تھے اور فی الحال ہم پانچ افراد کے سوا میز پر اور کوئی موجود نہ تھا۔ سو مرتے کیا نہ کرتے۔ بھائی میاں ہی کو اب دو ڈھائی گھنٹے صالح چچا سے باتیں کرنا سوری، ان کی باتیں سننا تھیں۔ پھر جناب ہم کھانا کھا کے اٹھ چکے تھے اور بھائی میاں موبائل کان سے لگائے، رونے والی شکل بنائے ہوں، ہاں اور اچھا کہتے اپنے سامنے رکھی نہاری اور نانوں کو حسرتوں سے دیکھتے رہے تھے۔

صالح چچا کا مسئلہ یہ تھا کہ انہیں صرف ایک سامع درکار ہوتا تھا وہ ابا ہوں، امی ہوں یا بھائی میاں چنداں فرق نہ پڑتا تھا انہیں۔ وہ اخلاقاً مخاطب کی خیر خیریت پوچھتے مگر جواب سننے کی زحمت گوارا نہ کرتے مثلاً انہوں نے ابا سے بھابھی اور بچوں کی خیریت پوچھی۔

''اور بھابھی، بچے سب ٹھیک ہیں؟''

ابھی ابا بے چارے جواب دینے کے لیے منہ کھول ہی رہے ہوتے کہ وہ اپنی کسی بیماری کا احوال، کسی کولیگ کی برائی یا کسی پڑوسی کا قصہ بیان کرنا شروع کر دیتے۔ ان کا دوست فون پہ بات کر رہا ہے تو اس کے بیوی اور بچے بھی ٹھیک ہی ہوں گے۔ دورانِ گفتگو پھر کچھ خیال آتا کہ دوست سے اس کے بچوں کے بارے میں تو کچھ پوچھا ہی نہیں، تب سوال کرتے۔

''اور شعیب کی جاب ٹھیک چل رہی ہے؟ جویریہ اور بلال کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

ابا پھر جواب دینے کے لیے منہ کھولتے مگر صالح چچا کا۔

''یزدانی بڑا خبیث آدمی ہے، ویسے میرے ساتھ بیٹھے گا، کھائے گا، پیئے گا اور پیٹھ پیچھے میرے خلاف سازشیں کرے گا۔'' جیسا کوئی تازہ قصہ شروع ہو جاتا۔

سوال پوچھ کے انہوں نے اخلاقی تقاضہ نبھا دیا، جواب انہیں سننے کی ضرورت کیا ہے۔ سب ٹھیک ہی چل رہا ہوگا، بہر حال جو بھی ہو۔ امی کے بھائی میاں کے ساتھ سلوک نے ہم دونوں بھائی بہن کے کلیجوں میں ٹھنڈ ڈال دی تھی۔ ظالم کا گریبان پکڑنے والا کوئی تو تھا۔

☆

''پیلو بھائی! Logarithm کا استعمال سب سے پہلے کس مسلمان Mathematician نے شروع کیا تھا؟''

Log کے ذریعے سوال حل کرتے پیلو نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

بڑا علامہ بنتا ہے ذرا اس کا جواب تو بتائے۔'' آج جو جو چیزیں اس نے پڑھائی تھیں ان سے متعلق کافی سارے غیر متعلقہ اور مخاطب کو تپا کر رکھ دینے والے سوال اور ان کے جواب جنرل نالج کی ایک بک سے رٹ کر آئی تھی۔ آج میرا ارادہ اس افلاطون کو ان غیر متعلقہ سوالات کے ذریعے چڑانے کا تھا۔

''آپ کو نہیں پتا؟'' اس کی تپی ہوئی شکل کا مزہ لیتے میں نے افسوس سے گردن ہلائی۔

''ابن یونس مصری نے، میرا تو یہ ماننا ہے کہ بندہ جو چیز بھی پڑھے یا پڑھائے اس کے متعلق تمام تر معلومات اسے حاصل ہوں۔''

میرا لہجہ اسے مکمل طور پر شرمندہ کرنے والا تھا۔ جواب چونکہ اسے واقعی نہیں معلوم تھا اس لیے چہرے پر کھسیاہٹ اور ناگواری پھیل گئی تھی جسے وہ چھپا رہا تھا۔ آج دن تو کیمسٹری پڑھنے کا تھا میتھس کا یہ سوال تو اس نے ہمیں ہوم ورک کے طور پر دیا تھا اور چونکہ ہم نے اسے Solve کرنا نہ چاہا تھا لہٰذا کیمسٹری پڑھانے سے پہلے اس نے ہمیں وہ سمجھایا تھا۔ اب وہ بڑی عرق ریزی سے ہمیں کیمسٹری پڑھا رہا تھا۔

''پیلو بھائی! کلورین کس نے دریافت کی تھی؟'' وہ کلورین کا Iron کے ساتھ Reaction سمجھا رہا تھا اور میں نے پھر اس کا ارتکاز توڑا تھا۔

''آپ کو واقعی نہیں پتا پیلو بھائی؟'' بلال نے مصنوعی حیرت کو حقیقی ظاہر کرنے کے چکر میں آنکھیں ضرورت سے زیادہ پھاڑیں۔

''تم بتاؤ جویریہ! یہ جویریہ ہے نا، اسے سب پتا ہوتا ہے پیلو بھائی!''

''سویڈن کے کیمیا دان شیلے نے۔'' میں نے رٹو طوطے کی طرح فٹ جواب دیا۔ اپنا ارتکاز توڑے جانے پر اس کی کوفت زدہ شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

وہ اپنی کوفت اور ناگواری بمشکل چھپا رہا تھا۔ پھر میں اپنے سوال جواب سے اسے سارا وقت یونہی زچ کرتی رہی۔ اپنے رٹے مارے فضول اور بے تکے سوال اس سے پوچھتی، جن کے جواب اسے ظاہری بات ہے معلوم نہ تھے۔

''انسان نے Iron کا استعمال کب شروع کیا؟''

''نہیں پتا پیلو بھائی؟ 1200 ق م میں۔''

''Oxygen کس زبان کا لفظ ہے؟''

''اف اللہ! یہ بھی نہیں پتا؟ یونانی زبان کا۔''

پڑھائی کا ایک گھنٹہ پورا ہونے تک اس کی شکل دیکھنے والی تھی۔ چہرے پر پھیلی کھسیاہٹ، ناگواری، غصہ جسے وہ ہزار جتن کر کر کے ہم دونوں سے چھپا رہا تھا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں اور بلال ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کے کافی دیر تک ہنستے رہے تھے۔

امید تو یہ تھی کہ میری آج کی بدتمیزی کے بعد اب وہ کل سے نہیں آئے گا مگر جناب وہ ڈھیٹ اگلی شام پھر موجود تھا، ہمارا ماسٹر صاحب بنا، چہرے پر مدبرانہ انداز میں گلاسز سیٹ کرتا۔

آج فزکس کا دن تھا اور وہ بغیر ادھر ادھر کی کسی اضافی گفتگو کے فزکس پڑھانا شروع کر چکا تھا۔

''روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات سب سے پہلے البیرونی نے بتائی تھی۔'' روشنی کی رفتار پر بات کرتے اس نے میرے پوچھنے سے قبل خود غیر متعلقہ سوال کا جواب دے دیا۔

''سورج زمین سے 9 کروڑ 30 لاکھ میل کی دوری پر ہے۔''

وہ ایک Numerical میں سورج اور زمین سے متعلق چند گیسوں کا ذکر کرتے فوراً بولا، ساتھ فاتحانہ

نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

''اچھا تو یہ بات ہے بچو! ابھی یہ مسکراہٹ کھسیاہٹ میں نہ بدل دوں تو نام بدل دینا۔''

وہ اب ایک اور Numerical حل کرتے کہہ رہا تھا۔

''Milky way یعنی کہکشاں گلیلیو نے دریافت کی تھی۔''

''پیلو بھائی! کیا ہماری کہکشاں کے علاوہ اور بھی کہکشائیں ہیں؟'' میں نے معصومانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں ہزاروں ہیں اور ہر ایک میں لاکھوں ستارے ہیں۔''

''لیکن میں تو ہماری کہکشاں آپی کی بات کر رہی تھی۔'' میں نے دانتوں کی نمائش کرتے اس کی بڑی بہن کا نام لیا۔

''آپ بھی نا پیلو بھائی! اب اگر میں آپ سے پوچھوں ثریا یا پروین کسے کہتے ہیں؟ تو کہیں گے چھ ستاروں کے جھرمٹ کو جبکہ......''

''جبکہ ثریا ہماری اور پروین آپ کی ماسی کو کہتے ہیں۔''

بلال نے میری بات کاٹ کر خود مکمل کر دی۔ ہم دونوں قہقہہ لگا کر یوں ہنس رہے تھے جیسے بہت عظیم مذاق کیا ہو اور وہ پہلو بدلتا اپنا غصہ ضبط کر رہا تھا۔ اس کے رٹا مار کر آئے تمام سوالوں کا میں نے نہ صرف یہ کہ بیڑا غرق کر دیا تھا بلکہ پڑھائی کا سارا ماحول بھی درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

''تمہیں میٹر کو سینٹی میٹر میں کنورٹ کرنا بھی نہیں آتا جویریہ؟ میں نے Numerical غلط کر کے اس کے سامنے رکھا تھا۔

''یہ تو روزمرہ استعمال کی بات ہے، تم بازار کپڑا خریدنے جاتی ہو تو میٹر کے حساب سے کپڑا نہیں خریدتیں؟'' اس نے مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کی۔

''اب تو سارا مہنگا کپڑا گز کے حساب سے بکتا ہے پیلو بھائی! یہ میٹر ویٹر تو کب کا لد گیا۔ آپ رابی سینٹر جا کر دیکھ لیں سارا مہنگا اور اچھا کپڑا گز میں بکتا ہے اور آپ کو تو پتا ہی ہے امی ابا مجھے یعنی اپنی اکلوتی بیٹی کو کبھی کوئی سستی چیز دلاتے ہی نہیں ہیں۔''

میں نے فخریہ گردن اکڑائی۔

امی نے ثریا کے ہاتھ پیلو کے لیے چائے اور کٹلٹس بھجوائے تھے۔ اسے دیکھتے ہی میں اور بلال سنجیدہ شکلیں بنا کر بیٹھ گئے تھے۔ شکل بھولی تھی مگر تھی ایک نمبر کی چغل خور یہ ہماری ثریا بیگم۔ خیر سے اپنے بچپن کے دنوں سے ہمارے گھر آ رہی تھیں۔ لگ بھگ بھائی میاں ہی کی عمر کی تھی۔

شادی سے پہلے اپنی اماں کے ساتھ ہمارے گھر آتی تھی اور اب شادی کے بعد بھی ہمارے ہی پاس پورا دن کام کرتی تھی۔ پڑھ پڑھا کر اس امید پر فارغ ہوئے کہ آج جتنا تنگ کیا ہے خیر سے اتنی بدتمیزی کے بعد کل سے پیلو صاحب اپنی خدمتِ خلق سے کان پکڑ کر توبہ کر لیں گے۔ اسٹڈی سے نکل کر لاؤنج میں آئے تو امی اور ثریا ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

''شعیب تو پتا نہیں کب آئے گا، تمہیں جلدی ہے یہ بلال چھوڑ آئے گا تمہیں۔'' 21 ویں گریڈ کی ثریا صاحبہ کو ہماری امی اکثر و بیشتر بذریعہ کار ان کے گھر چھڑوایا کرتی تھیں۔

''نہیں بلال کے ساتھ میں نہیں جارہی۔ یہ تو لگتا ہے کہیں آگ بجھانے جارہا ہے۔ میں انکل آجائیں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' اس نے بلال کی تیز رفتار ڈرائیونگ کو آگ بجھانے کے لیے جاتی فائر بریگیڈ سے تشبیہ دی تو امی کے ساتھ مجھے بھی ہنسی آگئی۔ بلال سے اس کی ایک سیکنڈ نہ بنتی تھی۔

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تم حسینہ کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھانے کا۔''

ہمارے اس بحث مباحثے کے دوران گیٹ پہ بیل بجی تھی۔ ثریا نے امی کے کہنے پر جاکے گیٹ کھولا۔ واپس آئی تو ساتھ آنٹی حسن آرا تھیں۔ چونکہ چھوٹی خالہ کی نند کا حوالہ تھا اس لیے امی کے آفس کے بجائے وہ انہیں لاؤنج ہی میں لے آئی تھی۔ امی نے بڑے تپاک سے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا مگر وہ امی کا ہاتھ جھٹکتی غصے میں بھری سامنے والے صوفے پر جابیٹھیں۔

''کیا ہوا بہن؟'' امی ان کی بداخلاقی نظرانداز کرتے ہوئے دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''کیسے کیسے بدتمیز لوگوں کے آپ مجھے نمبر دے دیتی ہیں طلعت؟''

انہوں نے امی کو ناراضی سے دیکھا۔ میرے اور بلال کے ساتھ ساتھ ثریا بھی ایک نظر حیران پریشان کھڑی امی کو اور ایک نظر غصے سے بھری آنٹی حسن آرا کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ مسز خان جن کا فون نمبر آپ نے مجھے پچھلے مہینے دیا تھا۔ میں پچھلے مہینے ان کے گھر سے آنے کے بعد ڈائری میں ان کا نمبر کاٹنا بھول گئی۔ اب نمبر کٹا ہوا نہیں تھا میں سمجھی شاید یہاں اب تک گئی نہیں ہوں، میں نے وہاں پھر فون کرلیا۔'' آنٹی حسن آرا نے دونوں کان پکڑ کر استغفار پڑھی۔

''لڑکی کی ماں، یہ گز بھر کی زبان، توبہ اس قدر بدتمیز، میری آواز اور نام سن کر پہچان گئی کہ میں اس کے گھر جاچکی ہوں، پھر اس میں اتنا لڑنے اور باتیں سنانے کی کوئی بات تھی؟ میں نے یہ سمجھ کر کہ ان سے آج پہلی بار بات ہو رہی ہے اپنے معمول کے سوال دہرائے کہ بھئی۔

''آپ کی بیٹی گوری ہے؟'' فٹ سے بدتمیز، زبان دراز عورت کیا بولتی ہے۔

''افریقن دیکھے ہیں؟ بالکل ویسی ہے میری بیٹی۔ کبھی ملو تو میرے، بجائے اوباما کی بیٹی سمجھو گی۔''

آنٹی حسن آرا نے لڑکی کی والدہ مسز خان کے الفاظ دہرائے پھر امی کی طرف دیکھتے مزید بولیں۔

''اس قدر بداخلاق، بدتمیز عورت۔ میں نے صرف اتنا ہی تو پوچھا تھا کہ کیا آپ کی بیٹی گوری ہے، کوئی گالی تو نہیں دے دی تھی۔ صرف اتنے پر بس نہیں کیا زبان دراز عورت نے آگے سے کیا سناتی ہے۔

''حسن آرا صاحبہ! گورے رنگ کے بجائے گوری سیرت والی لڑکی تلاش کریں آپ۔''

اپنی مظلومیت بھری داستان پر آنٹی حسن آرا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر چکی تھیں۔ MBA کیے، شاندار جاب والے بیٹے کی ماں کو کسی لڑکی کی ماں نے باتیں سنادی تھیں، دکھ سا دکھ تھا۔

''پھر آپ نے کیا کہا آنٹی؟'' بلال نے مزہ لینے والے انداز میں پوچھا۔

''ہر کوئی اپنے بیٹے کے لیے خوبصورت سے خوب صورت لڑکی ڈھونڈتا ہے میں نے ڈھونڈی تو کیا گناہ کیا۔ واہ..... یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی سب خوبصورت بہوئیں لائیں اور مجھے سیرت کی نصیحت کی جائے۔ سیرت کا میں نے کیا کرنا ہے۔''

آنسو بہاتی وہ کیا بول رہی تھیں انہیں خود نہیں پتا تھا۔ ثریا سر جھکائے دانت نکال رہی تھی جبکہ میں اور بلال سنجیدہ چہرے کے ساتھ آنٹی حسن آراء کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''بالکل آنٹی! سیرت کا آپ نے کیا اچار ڈالنا ہے۔''

امی نے بلال کو غصے سے گھورا تھا مگر آنٹی حسن آراء رومال سے آنکھیں اور ناک رگڑتی اپنے ہی شاندار فرمودات میں مشغول تھیں۔

''وہ میری جٹھانی، میں نے آپ کو ان سے ملوایا تھا ناں؟''

انہوں نے امی سے تصدیق چاہی پھر امی کے جواب سے پہلے ہی آگے بولیں۔

''کیسی گوری بھولائی ہیں وہ، اور بال یہ گھٹنوں سے بھی نیچے آرہے ہوتے ہیں۔ مانو چودھویں کا چاند، اوپر سے ڈاکٹر اور جہیز کتنا بھر کر لائی ہے۔ انہیں کسی نے کچھ نہ کہا مجھے سب سیرت سیرت کی نصیحتیں کرنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میرے بھی تو ارمان ہیں گوری بہو کے۔''

آنسو بہاتے انہیں خبر ہی نہیں تھی کہ وہ ہم سب کو ہنسی کا سامان بہم کررہی ہیں۔ ہم تینوں تو الگ امی تک لب بھینچے اپنی مسکراہٹ ضبط کررہی تھیں۔ نجانے کون جی دار خاتون تھیں یہ مسز خان، مجھے پتا تھا امی آنٹی حسن آراء کے جاتے ہی انہیں شاباشی بھرا فون ضرور کریں گی۔ نجانے کن دکھے ہوئے دلوں والی ماؤں اور ان کی بیٹیوں کی آہوں کا بدلہ آج انہوں نے آنٹی حسن آراء سے لے لیا تھا۔

مجھے یقین کامل تھا امی نے مسز خان کو ان کی بہادری و جی داری پر بے تحاشا تعریف و ستائش سے نوازنا تھا مسز خان کی بدتمیزی کا قصہ روتے دھوتے سنا لینے کے بعد آنسو صاف کرتی آنٹی حسن آراء کھڑی ہوئیں۔

''دو چار لڑکیاں اور بتائیں۔'' انہوں نے ناراضی بھرے لہجے میں امی سے فرمائش کی۔

''بہت گوری ناں آنٹی؟'' بلال نے پھر مزہ لیا۔

''ہاں، خوب گوری ہو۔'' وہ بلال کے مذاق اڑاتے انداز کو سمجھے بغیر سنجیدگی سے بولیں۔

''بس ایسی لڑکی بتادیں کہ میری جٹھانی دیکھیں تو دیکھتی رہ جائیں۔ ان کے کالے، موٹے بیٹے کو ایسی حور مل سکتی ہے تو میرا بیٹا تو لاکھوں میں ایک ہے۔''

''لیکن آنٹی! رنگ تو وجاہت بھائی کا بھی خاصا سانولا ہے۔''

امی بلال کو مسلسل گھور رہی تھیں۔ بڑوں اور وہ بھی عورتوں کی باتوں میں گھسنے پر۔

''نہیں کوئی ایسا بھی سانولا نہیں وجاہت اور پھر مردوں کی شکل صورت کون دیکھتا ہے۔ بس جلدی سے دو چار خوبصورت اور بہت گوری لڑکیوں کے گھروں کے فون نمبرز دے دیں۔''

بلال کو قدرے برا ماننے والے انداز میں جواب دے کر فارغ کرنے کے بعد انہوں نے امی سے پھر

فرمائش کی۔

''ابھی تو اور لڑکیوں کے نمبرز نہیں ہیں، آپ چند دنوں بعد کانٹیکٹ کیجیے گا۔''

امی نے انہیں ٹالا، جس رفتار سے وہ دھڑا دھڑ لڑکیوں کو ٹھکراتی آ رہی تھیں اس سے امی کو پہلے بھی ان لڑکیوں اور ان کے گھر والوں کی آہوں اور بددعاؤں کا خوف لاحق رہا کرتا تھا۔ اب تو شاید ان کا آئندہ آنٹی حسن آراء کو کوئی نمبر دینے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ بلال کہیں سے اٹھا کر ریڈ پین لے آیا تھا۔

''آنٹی! یہ پین رکھ لیں، جیسے ہی کسی کو فرسٹ ٹائم فون کریں اسی وقت اس نمبر کو کاٹ دیں تاکہ آئندہ اس طرح کی عزت افزائی سے...... میرا مطلب ہے ایسے بدتمیز لوگوں سے بچ سکیں۔''

آنٹی حسن آراء کے چلے جانے کے بعد بلال کی امی کے ہاتھوں خیر نہیں تھی۔ امی سمیت ہم سب نے مسز خان کے ہاتھوں ان کی عزت افزائی کو کس قدر انجوائے کیا ہے اس سے بے خبر آنٹی حسن آراء ہمارے گھر سے رخصت ہو گئی تھیں۔

☆

بھائی میاں اپنا ویکلی لیکچر مجھے اور بلال کو دے رہے تھے۔ وہی پڑھائی کو سنجیدگی سے لو'' پیلو اپنا قیمتی وقت نکال کر جو تم لوگوں کو پڑھانے آ رہا ہے اس کی قدر کرو، اس سے زیادہ سے زیادہ پڑھنے اور سیکھنے کی کوشش کرو۔''

''بھائی میاں! مجھے بھی پتا ہے میں نے پڑھنا ہے۔ پڑھوں گی تو اچھے مارکس آئیں گے۔ میں فرح ڈوگر تو ہوں نہیں کہ سفر کو'' تے'' کروا کر بھی میڈیکل کالج میں پہنچ سکوں۔''

میں نے جمائی روکتے شدید بوریت کے عالم میں بھائی میاں سے کہا۔

''بھائی میاں! میں ایک بات سوچ رہا تھا۔ یہ اوباما کی بیٹیاں اگر پاکستان میں ہوتیں تب تو بڑے ہونے پر انہیں رشتوں کا بڑا مسئلہ ہو جاتا۔'' بلال نے ایک ہفتے پہلے کا آنٹی حسن آراء کا قصہ پھر سے دہرا کر اس بورنگ لیکچر کا رخ تبدیل کرنا چاہا۔

''یہ فضول باتیں مجھے نہیں سننا۔ میں تم دونوں سے صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ روحیل جو تم دونوں کو پڑھانے آ رہا ہے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاؤ، اس سے زیادہ سے زیادہ سیکھو۔''

''کیا؟ ہونق پن؟'' میں نے کہا تو آہستہ سے تھا مگر بھائی میاں نے سن لیا تھا انہوں نے غصے سے مجھے گھور کر دیکھا تھا۔

''عالم پناہ! میری بہن کی جان بخش دیں، بچی ہے، نادان ہے، جانتی نہیں کہ کس شخصیت کے سامنے کس شخصیت کی شان میں گستاخی کر گئی ہے۔ بجائے مستقبل قریب کے انجینئر روحیل رضوان کے انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کی قدردان ہونے کے فضول ریمارکس دے رہی ہے یہ اس کے متعلق۔ اب ذرا آپ ہی بتائیں آج کل کے دور میں اب ایسے مخلص اور ہمدرد لوگ کہاں؟''

بھائی میاں کا پروموشن ہوا تھا، سیلری بڑھی تھی، وہ قدرے خوشگوار موڈ میں تھے، ہمیشہ کی طرح انگارے نہیں چبا رہے تھے تب ہی تو بلال نے اتنا کچھ بول دینے کی جرأت کی تھی۔ واقعی موڈ خوشگوار تھا چنگیز خان کا، تب ہی بجائے غصے

سے لال پیلے ہونے کے وہ مسکرائے تھے۔

''تم دونوں کے بھلے کو کہتا ہوں، بڑا بھائی ہوں تمہارا، کیا مجھے محبت نہیں ہے تم دونوں سے؟ اگر ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں تو تمہاری بہتری کے لیے۔''

اس اظہارِ محبت پر بلال بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کرتا غش کھا کے کارپٹ پر گر پڑا تھا جبکہ میں نے اس ایکٹنگ کو اوور ایکٹنگ میں بدلتے ''ہائے میرا بھائی'' کہتے اسے زور زور سے جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔

''ہائے میرا سات منٹ بڑا جڑواں بھائی! سوکھا سڑا، بانس کی طرح لمبا ہے تو کیا ہوا، ہے تو میرا بھائی۔ میری طرح خوبصورت نہیں، ذہین نہیں تو کیا ہوا، ہے تو میرا بھائی۔''

بلال کو جھنجھوڑتے میری اوور ایکٹنگ جاری تھی۔ بھائی میاں مسکراہٹ لبوں پہ روکتے بظاہر سر جھٹک کر وہاں سے جانے لگے تو بلال فوراً لیٹے لیٹے ہی آنکھیں کھول کے بولا۔

''بھائی میاں! We want treat! کسی بھی شاندار ہوٹل میں ہمیں شاندار ڈنر کرا کے لائیں اور آج ہی لائیں۔'' بھائی میاں سر اثبات میں ہلاتے لاؤنج سے چلے گئے تھے۔

''روحیل صاحب آ گئے ہیں۔''

اسی ثریا نے آ کر ہم دونوں کو اطلاع دی۔ جب وہ اپنے بچپن سے ہمارے گھر آ رہی تھی تو ظاہر ہے وہ بھی پیلو سے بچپن ہی سے واقف تھی۔ پہلے وہ بھی اسے ہم لوگوں کی طرح پیلو ہی کہا کرتی تھی مگر اب جب سے پیلو کی اماں نے اسے ایک بار آڑے ہاتھوں لیا تھا اپنے بیٹے کا یہ نام لینے پر تب سے وہ اسے روحیل صاحب کہنے لگی تھی۔ میں نے خود کو ایک ہفتے کا ٹائم دیا تھا اور یہاں تو ایک کیا ڈیڑھ دو ہفتے ہونے کو آ گئے تھے اور وہ منحوس اسی شد و مد سے روز اپنے مقررہ وقت پر نازل ہو رہا تھا۔

بلال کچھ کم، میں بہت زیادہ، ہم دونوں روز اسے جی بھر کر ستاتے، تپاتے، غصہ دلاتے، لگتا اب کل سے یہ ہمارے گھر آنے کا نام بھی نہیں لے گا مگر اگلے روز جب دیکھتے وہ لبوں پر ''استادانہ مسکراہٹ'' سجائے اسٹڈی میں ہمارا منتظر بیٹھا ہوتا۔

یہ آئن اسٹائن کا بچہ ہونق ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد ڈھیٹ بھی تھا۔ ہم دونوں اسٹڈی میں اٹھ کر آ گئے تھے۔ میں کوئی بھی اوٹ پٹانگ غیر متعلقہ سوال کر سکتی ہوں اس لیے اب وہ بڑی بھرپور تیاری کے ساتھ آتا تھا۔

وہ ہمیں Transition Elements پڑھا رہا تھا اور ہر دھات کے متعلق کیمیائی زبان کے استعمال کے ساتھ وہ بڑی تفصیل سے کون سی دھات کب دریافت ہوئی، کس کا استعمال کب شروع ہوا بتاتا جا رہا تھا۔ ساتھ فاتحانہ نگاہوں سے مجھے بھی یوں دیکھتا جا رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو فزکس اور کیمسٹری کے ساتھ تمہیں ہسٹری پڑھنے کا بھی بہت شوق ہے ناں، لو پڑھو ہسٹری۔

''پیلو بھائی! آپ نے بڈھا گجر دیکھ لی؟''

ثریا کے ہاتھ کی بنائی چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

''ویسے ہی پوچھ رہی ہوں، اچھی فلم ہے اس لیے۔''

''نہیں میں نے نہیں دیکھی۔'' سنجیدگی سے جواب دیتے وہ پھر تابنے سے متعلق Chemical equations رجسٹر پر لکھنے لگا۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرافسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

''پیلو!'' بلال نے بہت لہک کر شعر پڑھا تھا اور اس کا شعر ختم ہوتے ہی میں نے ''پیلو'' کہا تھا۔اس نے فوراً گھور کر مجھے دیکھا تھا۔

''پیلو میرا مطلب ہے پیلو بھائی! میں آپ کو مخاطب کررہی تھی۔آپ سے ایک بات پوچھنے کے لیے۔میں یہ پوچھ رہی تھی کہ آپ اس شعر کا مطلب سمجھا دیں۔آپ نے کہا تھا نا ہم دوسرے Subjects کی بات بھی پوچھ سکتے ہیں۔'' سمجھ تو ظاہر ہے وہ سب گیا تھا مگر غصہ ضبط کرتا شعر کا مطلب سمجھانے لگا تھا۔

چڑے گا، ناراض ہوگا، غصہ بھی آئے گا مگر منحوس اپنی خدمتِ خلق سے تائب پھر بھی نہ ہوگا۔اب تو مجھے شک ہونے لگا تھا کہ کہیں ہمارے گھر میں تیل یا کوئی اور خزانہ تو دفن نہیں۔ ہماری بدتمیزیوں کے باوجود اس شدّ ومد سے آنے کے پیچھے کچھ تو تھا۔کچھ تو تھا جس کی پردہ داری تھی۔

''اچھا اب میں آپ سے جلدی جلدی کچھ سوالات پوچھتا ہوں ان کے جواب دیجیے گا۔
سرہانے میر کے آہستہ بولنا کیوں ضروری تھا؟
ٹہنی پہ کسی شجر کی بلبل کیوں اداس بیٹھا تھا؟
نرگس ہزاروں سال تک کیوں روتی رہی تھی؟
اسد نے لڑکپن میں مجنوں پہ سنگ کیوں اٹھایا تھا؟
عندلیب کو کس کے ساتھ مل کے آہ وزاریاں کرنی تھیں؟
پتا پتا، بوٹا بوٹا کس کا حال جانتا ہے؟
بلال نے نجانے کتنے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنی بات مکمل کی۔

''میرا خیال ہے آج تم لوگوں کا مزید پڑھنے کا موڈ نہیں۔'' جواباً سنجیدگی سے بولتا وہ کتابیں بند کرنے لگا تھا۔

''لیکن ہمارا تو روز ہی پڑھنے کا موڈ نہیں ہوتا۔'' میں نے معصومانہ انداز میں کہا۔

''اب باقی پڑھائی کل کریں گے۔'' وہ کرسی پر سے اٹھنے لگا۔

''آپ کل بھی آئیں گے؟'' بولتے کے ساتھ ہی میں زبان کنٹرول کی۔ایسے ڈائریکٹلی ہم کبھی اسے کچھ نہیں کہا کرتے تھے۔

''میرا مطلب ہے کل تو سنڈے ہے نا پیلو بھائی!''

''کل سنڈے نہیں، سیٹر ڈے ہے اور ان شاءاللہ میں کل بھی آوں گا۔اب تم دونوں بھائی بہن آپس میں نرگس و عندلیب پر غور کرو۔ہوسکتا ہے نرگس کو فلموں میں اپنی پسند کا رول نہ مل رہا ہو وہ اس لیے رو رہی ہو اور عندلیب آہ وزاری کے لیے شان یا سعود کا انتظار کررہی ہو اور جہاں تک میرا خیال ہے اسد بچپن سے ہی بری صحبت میں پڑ گیا تھا۔گلی کے آوارہ

لڑکوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا تب ہی تو لوگوں کے پتھر وتھر مارنے لگا تھا اور میر صاحب کو چونکہ بے خوابی کا مرض لاحق تھا بڑی مشکلوں سے انہیں نیند آتی تھی تو ان کی نیند ٹوٹ جانے کے خیال سے ان کے سرہانے آہستہ بولنا ضروری تھا۔''

ہم دونوں ہونق بنے اس کو دیکھ رہے تھے۔

''اور ہاں جویریہ! ہماری بالکونی میں خالی ریپر پھینکتی ہو، پڑوسیوں کے بھی بہت حقوق ہوتے ہیں کبھی تو بھرا ہوا ریپر بھی پھینک دیا کرو۔''

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

وہ شعر سناتا، مجھے شرمندہ کرتا کب کا اسٹڈی سے جا چکا تھا۔ میں اور بلال ہکا بکا ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔وہ باؤلا اتنا باؤلا بھی نہ تھا، وہ ہونق اتنا ہونق بھی نہ تھا۔ہمیں ہمارے منہ پر کوئی لاجواب کر جائے، کوئی ہمارے سیر کے جواب میں سوا سیر ثابت ہو جائے۔ایسا کبھی ہوا ہی نہ تھا۔وہ ماماز بوائے ممی کے پردوں سے باہر نکل کر کب اتنا ہوشیار ہوا تھا کہ ہمیں لاجواب کر جائے ہمیں پڑوس میں رہتے پتا ہی نہیں چلا تھا۔وہ پیلو کا بچہ اتنا حاضر جواب بھی ہوسکتا تھا کہ ہماری بولتی بند کروا جائے میں اور بلال پیچ وتاب بھی کھا رہے تھے اور شدید حیرت کی لپیٹ میں بھی تھے۔

اس رات میں بلال کے کمرے میں تھی۔ہم دونوں Walls کی Feast کھاتے پیلو کی آج کی حاضر جوابی ہی کو ڈسکس کر رہے تھے۔میں عادتاً خالی ریپر اس کی بالکونی کی طرف اچھالتے اچھالتے رک گئی تھی، عین اسی وقت وہ منحوس اپنے کمرے کی کھڑکی میں آکر کھڑا ہوا تھا، موبائل پر غالباً اپنے کسی دوست سے بات کرتا وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بالکل مجھے کب انکار ہے اس بات کی سچائی سے۔ہم جاتے ہیں وہاں ایک بہانے سے۔تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے۔''

بولتے بولتے اس کی ہم دونوں پر نظر پڑی تو خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے ہم دونوں کو ہاتھ ہلایا۔ مجھے اس کی ریپر والی بات پہ غصہ تھا اس لیے بغیر ہاتھ ہلائے کھڑکی سے ہٹ گئی جبکہ بلال نے جواباً اسے ہاتھ ہلایا تھا۔میں بلال کے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھی۔وہاں سے امی ابا کی باتوں کی آواز آرہی تھی۔

''نجمہ کھل کے تو نہیں بولیں۔'' امی نے پیلو کی ممی نجمہ آنٹی کا ذکر کیا۔

''وہ صرف بات میرے کان میں ڈالنا چاہ رہی تھیں، ظاہر ہے ابھی تو پیلو کی انجینئرنگ کے بھی دو سال باقی ہیں اور جویریہ کی پڑھائی ختم ہونے میں بھی چار پانچ سال تو لگیں گے ہی۔''

بلال کس وقت میرے ساتھ وہاں آکر کھڑا ہو گیا تھا مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا میں تو ہونق بنی امی کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

''اچھا لڑکا ہے، ذہین، قابل، گھرانہ بھی ہمارا دیکھا بھالا ہے جب جویریہ کا رشتہ طے کرنے کا وقت آئے گا تو ان شاءاللہ اس کے متعلق ضرور سوچیں گے۔''

میرا دماغ تو بھک سے اڑ گیا تھا۔اس پیلو کے بچے کی یہ جرأت! بلال دانت نکالتا اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ رہا

تھا۔ امی ابا پر تو بس چل نہیں سکتا تھا سو غصے سے کھولتے میں نے اس کی گردن دبوچ لی۔ طیش کے مارے میرا برا حال تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا جا کر اس منحوس انسان کا سر پھاڑ آؤں۔ بلال میرے ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑاتا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے میرے کمرے میں لے آیا تھا۔

"اگر مستقبل قریب میں یہ رشتہ طے پا گیا تو تم کیا کہلاؤ گی جویریہ؟ مسز پیلو۔" وہ پیٹ پکڑ کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوتا بیڈ پر گرا تھا۔ میں کشنز تکیے سب اٹھاتی اسے مارنے کے ارادے سے اس کی طرف لپکی تھی۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے تیار ہوتا سیدھا ہوا مگر زبان بند نہ کی۔

بنا ہے پیلو جویریہ کے لیے ماسٹر صاحب
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

"تم تو صرف اس سے پڑھنے پر پیچ و تاب کھا رہی تھیں یہاں تو اسے تمہارے سر کا تاج بنایا جا رہا ہے۔ ویسے بھائی میاں اور امی کی بات غلط تھی، وہ بے غرضی سے اور بے مقصد نہیں بلکہ بڑا عظیم مقصد لے کر آتا ہے یہاں۔"

میں نے کئی کشنز دھڑا دھڑ اس کی طرف پھینکے، وہ ادھر سے ادھر بھاگتا میرا ہر وار بچا گیا۔ بلال کے ہنسنے اور مذاق اڑانے پر مجھے مزید طیش آ رہا تھا۔ وہ منحوس اتنے دنوں سے یہاں میری وجہ سے آ رہا تھا۔

اتنی استقامت کا مظاہرہ میرے دل میں گھر کرنے کے لیے کیا جا رہا تھا۔

"تم مسز پیلو بن کر کیسی لگو گی جویریہ؟ یاد رکھنا تم نے کیا عہد کر رکھا ہے یہی کہ اس کی شادی ہو جائے تم تب بھی اسے پیلو ہی کہو گی۔"

ہنس ہنس کر بے حال ہوتا بلال آگے آگے تھا اور غصے سے بھری ہانپتی کانپتی میں اس کے پیچھے۔

بلال سے تو بعد میں بھی نمٹا جا سکتا ہے پہلے مجھے جا کر اس منحوس انسان کی خبر لے کے آنی چاہیے جو رومیو بننے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ جس قدر غصے سے میرا برا حال تھا ایسے میں تشفی اس خبیث کو کھری کھری سنا کر ہی مل سکتی تھی۔ بلال کا پیچھا چھوڑ کے میں ایک دم ہی کمرے سے باہر جانے لگی۔

"ارے کہاں چلیں بہنا؟"

"اس ہیرو سے نمٹنے، سمجھتا کیا ہے منحوس خود کو۔" میں پیر پٹختی کمرے سے نکلنے لگی۔

"واپس بھی اسی کروفر سے آنا، اسے منحوس اور خبیث کے القاب سے نوازتی۔ یہ نہ ہو واپسی میں دوپٹے کا کونا مروڑتی روحیل یہ کہہ رہے تھے اور روحیل وہ کہہ رہے تھے، کہتی آؤ۔"

اس نے قہقہہ لگاتے مجھے پیچھے سے پکارا۔ میں نے گھور کر بلال کو دیکھا، اس سے تو میں آ کے پوچھوں گی پہلے اس پیلو کے بچے کی طبیعت صاف کر آؤں۔ غصے سے بھری میں ایک وقت میں دو دو سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ روحیل رضوان عرف پیلو کے گھر جاتی میں ایک بات تو ضرور سوچ رہی تھی کہ بھائی میاں اور امی کی یہ بات غلط ثابت ہو گئی کہ مسٹر ٹائم ٹیبل اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کے بہت بے غرضی اور بے لوثی سے خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہمیں پڑھانے آ رہے تھے۔ واقعی دنیا مطلبی ہے اور یہاں کوئی کسی کو بے مقصد کچھ نہیں دیتا، اپنا وقت اور علم بھی نہیں۔ ہائے مطلبی دنیا۔

❁......❁

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں

وہ تینوں علیا کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھی تھیں جب علی بن بلائے مہمان کی طرح اچانک نازل ہو گیا۔

"تمیز نہیں ہے تمہیں اس طرح بغیر ناک کیے کسی کے کمرے میں آنا انتہا درجے کی جہالت ہے۔"

زرین جو علیا کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی فکر مند تھی علی کی بے وقت کی آمد پر بری طرح چڑ گئی تھی۔

"سوری......" اس نے خلاف عادت فوراً معذرت کی تھی۔

"ویسے یہ میری پیاری اپیا منہ بسورے کیوں بیٹھی ہیں؟" وہ ان تینوں کے درمیان گردن لٹکائے بیٹھی ہوئی علیا کی طرف اشارہ کر کے بولا تو وہ کاٹ کھانے والے انداز میں چلائی۔

"تم سے مطلب......؟ میری مرضی میں جیسے چاہے بیٹھوں۔"

علی سے تو وہ ویسے بھی سخت چڑی ہوئی تھی۔ کل رات ہی تو اس نے اور دانش نے مل کر اس کے بنائے ہوئے لوکی کے کبابوں کا دل کھول کر مذاق اڑایا تھا۔ کتنی محنت سے اور بڑا دل لگا کر اس نے رات کے کھانے میں لوکی کے کباب بنائے تھے۔

"ارے آج پھر "بینا کا دستر خوان" کچن میں موجود ہے، لگتا ہے آج پھر ہمارے صبر کا امتحان لیا جانے والا ہے۔" دانش پانی پینے کچن میں آیا تو کچن ٹیبل پر رکھی کتاب دیکھ کر بڑبڑایا مگر یہ بڑبڑاہٹ اتنی بلند تھی کہ کوکنگ رینج کے پاس کھڑی علیا بھی سن لے۔ دانش سے اس کی یوں بھی ذرا کم ہی بنتی تھی۔ ایک تو وہ غصے کی تیز تھی اور دوسرے دانش بدتمیزی کی حد تک منہ پھٹ۔

"کون تمہارے ہاتھ پاؤں جوڑ رہا ہے کہ میرا پکایا ہوا کھاؤ۔" وہ غرائی تھی۔

"میں اپنے لیے کب فکر مند ہو رہا ہوں۔ اصل فکر تو مجھے جنت اور اس کے گھر والوں کی صحت کی ہے۔"

جنت ان کے گھر کام کرنے والی ماسی کا نام تھا۔

"سچی بات تو یہ ہے مائی ڈیئر کزن کہ اگر کتابیں پڑھ کر کھانا پکانا آ جایا کرتا تو تمہاری طرح کی تمام پھوہڑ لڑکیاں اپنے اپنے شوہروں کے دلوں پر راج کر رہی ہوتیں۔"

اور پھر صرف اس پر ہی اکتفا نہیں تھا، کھانے کی میز پر بیٹھ کر اس نے علی کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ٹھیک ہے

کباب زیادہ اچھے نہیں بنے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ لوکی میں دوسری سبزیوں کے مقابلے میں نمک مرچ ذرا کم ڈلتا ہے۔ تھوڑے سے مسالے تیز ہو گئے تھے اور تو کوئی خرابی نہیں تھی مگر وہ دونوں مل کر کباب ہاتھوں میں اٹھا کر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''واقعی یہ لوکی کے کباب ہیں؟ کیا لوکیوں پر اتنا برا وقت آچکا ہے۔ ویسے یہ لوکی کالے رنگ کی کب سے ہونے لگی؟''

داجی اور طیب انکل کھانے کی میز پر موجود نہیں تھے اسی لیے ان دونوں کا حوصلہ اور بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس وقت وہ علی کی شکل دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گئی تھی۔ چلو دانش تو تھا ہی سدا کا بدتمیز مگر یہ علی بڑی بہن کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے ذرا شرم نہ آئی تھی۔

''کیا کام ہے تمہیں، جلدی سے پھوٹو اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔'' شیریں نے علیا کے تیور بھانپتے ہوئے فوراً کہا تھا۔

''وہ شیریں آپی! مجھے دراصل آپ لوگوں سے تھوڑی سی ہیلپ چاہیے تھی۔'' وہ سر کھجاتے ہوئے مصالحانہ انداز میں بولا تھا۔

''اصل میں آج ہم لوگوں کی نیٹ پریکٹس ہے، کل فائنل ہے نا ہم لوگوں کا۔ آپ لوگوں کو تو پتا ہی ہے آپ کا بھائی ٹیم کا کیپٹن ہے اور اگر کیپٹن ہی نیٹ پریکٹس کے وقت موجود نہ ہو تو ٹیم کا مورال کون بڑھائے گا۔''

اس کی شکل پر ڈھیر ساری معصومیت اور اپنائیت جھلکنے لگی تھی۔ علیا کو اس کی معصوم شکل دیکھ دیکھ کر غصہ چڑھ رہا تھا جبکہ زرین کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ بات تو سب ہی کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ طاہرہ آنٹی بچوں کی پڑھائی کے معاملے میں جتنی سخت اور ظالم تھیں ان سے یہ توقع رکھی ہی نہیں جاسکتی تھی کہ وہ علی کے ٹیوشن پڑھنے کے ٹائم پر اسے کرکٹ کھیلنے کی اجازت دے دیتیں۔ کرکٹ کھیلنے کی اجازت بھی اسے داجی کی وجہ سے ملی ہوئی تھی جن کا خیال تھا کہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل کود بھی بچوں کی صحت کے لیے ضروری ہوتے ہیں ورنہ طاہرہ آنٹی کا بس چلتا تو وہ چوبیس گھنٹے علی کو کتابوں میں کھویا ہوا دیکھنا پسند کرتیں۔ جب سے وہ نائنتھ کلاس میں آیا تھا پڑھائی کے معاملے میں سختیاں اور بھی بڑھ گئی تھیں۔

''میٹرک اور انٹر کے چار سال کیریئر کے اہم ترین سال ہوتے ہیں۔ جنہیں کچھ بننا ہوتا ہے وہ ان چار سالوں میں دن رات ایک کر دیتے ہیں پڑھائی میں۔'' صبح شام یہ جملے علی کی سماعتوں کی نذر کیے جاتے۔

''میری پیاری بہنو! میں آپ لوگوں کی مدد کا طالب ہوں۔ مما تو کھانے کے بعد سونے لیٹ جائیں گی، آپ لوگ کچھ ایسا چکر نہیں چلا سکتیں کہ سر آج نہ آئیں۔ اگر وہ نہیں آئے تو میرا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔'' وہ باقاعدہ منت پر اتر آیا تھا۔

''کیا آپ لوگوں کا G-4 گروپ اتنا بے بس ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔''

وہ ان لوگوں کو خاموش بیٹھا دیکھ کر جذباتی بلیک میلنگ پر اتر آیا۔ ان لوگوں کا گروپ G-4 گروپ کہلاتا تھا اور یہ نام زرین کا تجویز کردہ تھا۔ G-4 دراصل Genius-4 کا مخفف تھا۔

''ٹھیک ہے، ہم تمہاری مدد کے لیے تیار ہیں لیکن اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا۔'' جویریہ نے فوراً کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی پر عمل کیا تھا۔

''جو آپ لوگ چاہیں گی میں کروں گا۔ بس پلیز میری مشکل آسان کروا دیں، میرا آج جانا بہت ضروری ہے۔''

اس کا منت بھرا انداز دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی علی ہے جو پرسوں شیریں کی فرینڈز کی آمد کے موقع پر سموسے لاکر دینے سے صاف انکار کر چکا تھا۔ اس کا ہمیشہ یہی انداز ہوا کرتا تھا مطلب کے وقت ہاتھ پاؤں جوڑنے کھڑا ہو جاتا اور مطلب پورا ہوتے ہی تم کون ہم کون۔ اس کی طوطا چشمی اور مطلب پرستی ان سب کی ہی جان جلاتی تھی۔

''ٹھیک ہے، لیکن اس بار ہم تمہارے وعدوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس لیے کہ اس سلسلے میں تمہارا ریکارڈ خاصا خراب ہے۔ ایک پاؤ املی، دو لیٹر گلو کی ونیلا آئس کریم اور آدھ درجن آلوؤں والے سموسے، بس یہ ہے ہم لوگوں کی ڈیمانڈ۔ اگر منظور ہے تو ٹھیک ہے، تمہارا کام ہو جائے گا۔''

زرین نے جلدی سے سوچتے ہوئے ان چاروں کی پسندیدہ چیزوں کے نام لیے تھے۔ اس کا فرمائشی پروگرام سن کر وہ اچھل پڑا تھا۔

''رحم کریں مجھ پر، اتنے پیسے کہاں ہیں میرے پاس۔''

''اچھا بیٹا ہمیں چلا رہے ہو، کل داجی نے علامہ اقبال کے شعر کا دوسرا مصرع صحیح سنانے پر تین سو روپے کسے دیئے تھے۔'' جویریہ نے ابرو اچکا کر کہا۔

داجی بچوں کا ادبی اور علمی ذوق بڑھانے کے لیے اکثر بیٹھے بیٹھے اس طرح کے سوال پوچھا کرتے تھے۔ کبھی کسی مشہور شعر کا ایک مصرع سنا کر کہتے کہ جو دوسرا مصرع سنائے گا اسے انعام ملے گا۔

کبھی ''شاہد نے زاہد کو سو روپے ادھار دیئے، زاہد نے اگلے ماہ ان میں سے تینتیس روپے لوٹا دیئے لیکن پندرہ روز بعد اسے دوبارہ پیسوں کی ضرورت پڑی تو اس نے شاہد سے تہتر روپے مزید ادھار لیے۔ ایک سیکنڈ میں جواب دو کہ زاہد نے کل کتنے روپے ادھار لیے ہوئے ہیں۔''

وہ چاروں شعر و شاعری اور حساب کتاب دونوں ہی سے بے پناہ مانگتی تھیں۔ اشعار ان کے سروں کے کئی فٹ اوپر سے گزر جایا کرتے تھے اور حساب کتاب کا یہ عالم تھا کہ کبھی طاہرہ آنٹی، شگفتہ آنٹی یا دلہن چچی کے بغیر بازار چلی جاتیں تو اس فکر میں کہ کہیں دکان دار چکمہ نہ دے دے فوراً بیگز میں سے کیلکولیٹر نکل آتا تھا۔ اب چاہے دکان دار انہیں جلدی جلدی کیلکولیٹر پر ہاتھ مارتا دیکھ کر زیر لب مسکرا رہا ہے ان کی بلا سے۔ کوئی حرام کا پیسہ تو آ نہیں رہا تھا جو بندہ آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ چاروں کبھی بھی انعام کی حقدار قرار نہیں پائی تھیں۔ زیادہ تر علی، دانش، دلہن چچی، چاچو یا اسد بھائی ہی انعام جیت لیا کرتے تھے۔ علی ان لوگوں کی یادداشت پر جز بز ہوا تھا دوسروں کی ٹوہ میں رہنا تو کوئی ان لوگوں سے سیکھے۔ حالانکہ جب داجی نے پیسے دیئے یہ لوگ تھیں بھی نہیں، پھر بھی پتا نہیں کہاں سے دیکھ لیے پیسے۔

''تمہیں منظور نہیں تو کوئی بات نہیں۔'' اسے سوچ میں دیکھ کر شیریں کندھے اچکا کر بولی۔

''نہیں نہیں مجھے منظور ہے۔'' وہ غصہ دباتے ہوئے نرمی سے بولا تھا۔ مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ گدھے بلکہ گدھیوں کو باپ بنالیا جائے۔

''جاؤ پھر کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ ہمیں ہمارا سامان لادو اور پھر بے فکر ہو کر اپنی پریکٹس کرنے چلے جاؤ۔ ہم لوگ سب سنبھال لیں گے۔''

جویریہ نے بڑی بہنوں والے رعب سے کہا تھا۔ علیا اس تمام گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی۔ علی کے کمرے سے نکلتے ہی وہ ان لوگوں پر بگڑی تھی۔

''کیا ضرورت ہے اس بدتمیز کو منہ لگانے کی۔ کل اس نے دانش کے ساتھ مل کر میرا کتنا دل جلایا تھا۔ اب کیسی معصوم شکل بنائے کھڑا تھا۔'' اسے رہ رہ کر اپنا کل کا مذاق اڑایا جانا یاد آرہا تھا۔

''مما کو پتا چل گیا تو خوامخواہ ڈانٹ الگ پڑ جائے گی۔'' وہ ان لوگوں کو طاہرہ آنٹی کا نام لے کر ڈرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔

''کل کی بات تو تم رہنے ہی دو۔ تمہاری خاطر مروت میں ایک کباب کھالیا تھا۔ رات بھر عجیب حالت رہی۔ دلہن چچی نے آج سارے کباب تھیلی میں بھر کر جنت کو دیئے ہیں۔ یہ تو اماں ابا کا گھر ہے تو سب خاموش رہے سسرال میں اپنے عجوبے پکاؤ گی تو ساس ایسی ایسی سنائے گی کہ دانش کی باتیں سہنی مذاق محسوس ہوں گی۔''

جویریہ کبھی کبھی اس طرح کلمۂ حق بلند کر کے علیا کا دل جلایا کرتی تھی۔

''تم لوگوں کا جو دل چاہے کرو۔ میں کسی پروگرام میں شریک نہیں ہو رہی۔'' وہ جویریہ کے کمنٹس پر چڑ کر جلے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔ آپس میں ہی لڑنے لگیں۔ یار! سوچو کتنا مزہ آئے گا علی سے اتنی ساری چیزیں بھی بٹوریں گے اور اس کے سر کے ساتھ کیا کرنا ہے وہ بھی میرے ذہن میں آگیا ہے اور یقین کرو، بڑا مزے دار آئیڈیا آیا ہے۔'' ان کے گروپ میں ترکیبیں سوچنے کا کام زرین کرتی تھی۔ سو اس نے فوراً ہی اپنی ذمہ داری پوری کر دی تھی۔ علیا اس کی بات کے جواب میں کچھ کہے بغیر ہنوز ناراض شکل لیے بیٹھی تھی۔

''غدار کی سزا موت ہے۔'' جویریہ نے اسے G-4 گروپ کے آئین کا ایک نکتہ یاد دلایا۔ جواباً وہ ناک سکوڑے خاموش رہی تھی۔

''سوچنے کا وقت نہیں ہے جلدی جواب دو، تم ہمارے ساتھ ہو یا نہیں۔ کوئی درمیانی حالت قابلِ قبول نہیں۔ اگر ہمارے ساتھ ہو تو بغیر چون و چرا ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ ورنہ......''

شیریں نے پچھلے دنوں امریکی صدر کی تقریر ذرا زیادہ ہی غور و فکر سے دیکھ لی تھی۔ اسی لیے آج کل ہر بات میں اسی نوعیت کے جملے بولے جانے لگے تھے۔ ناچار اسے ان لوگوں کی بات ماننی ہی پڑی تھی۔ جتنی دیر میں علی ساری چیزیں لایا زرین سارا پروگرام ان لوگوں کے گوش گزار کر چکی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' علی کے سر جو دانش کے دوست بھی تھے انہیں شیریں نے پرخلوص انداز میں سلام کیا تھا۔ ایسی جگہ جہاں بہت زیادہ معصومیت ظاہر کرنی ہوتی تھی شیریں کو آگے کیا جاتا تھا۔ اپنی بھولی بھالی شکل کا وہ خوب فائدہ

اٹھایا کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور سادگی دیکھ کر کوئی یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ حسبِ پروگرام سر کی آمد پر گیٹ شیریں ہی نے کھولا تھا۔ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا اندر آنے لگا تو شیریں جھٹ سے بولی۔

''سر! آج علی نہیں پڑھے گا۔ وہ ہماری دادی جان کی چھوٹی بہن کا انتقال ہو گیا ہے۔ پریشانی میں خیال نہیں رہا ورنہ آپ کو فون کر کے ہی منع کر دیتے۔ خوامخواہ آپ کا چکر لگا۔''

آنکھوں میں آنسو لیے وہ آہستہ آواز میں بولی تو سر کا دل ایک دم پسیج گیا۔

''نہیں نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے آپ لوگ بہت زیادہ پریشان ہوں گے۔'' وہ اس کی افسردہ شکل بڑے دکھ سے دیکھ رہا تھا۔ (شاید یہ لوگ ان سے بہت زیادہ پیار کرتے ہوں گے تب ہی بے چاری اتنی غمزدہ لگ رہی ہے۔)

سر نے بائیک اسٹارٹ کی تو شیریں ٹیرس پر سے جھانکتی زرین، علیا اور جویریہ کو انگلیوں سے وکٹری دکھاتی ہوئی اندر آگئی تھی۔

سموسے تو ان لوگوں نے اسی وقت گرما گرم کھالیے تھے۔ طاہرہ آنٹی سو کر اٹھیں تو از خود یہی سمجھ لیا کہ آج جواد نے چھٹی کر لی ہے۔ علی کی غیر موجودگی کے بارے میں البتہ انہوں نے زرین سے پوچھا تھا۔

''اس کے سر تو آئے نہیں تھے۔ دوپہر میں ایک گھنٹہ کیمسٹری پڑھ کر پھر وہ کرکٹ کھیلنے چلا گیا۔''

انہوں نے بغیر کوئی اعتراض کیے گردن ہلا دی تو ان چاروں نے سکون کا سانس لیا مگر یہ سکون عارضی ثابت ہوا تھا۔ رات میں جب خوب نمک مرچ لگا لگا کر املی کھاتے ہوئے HBO پر My best friend's wedding دیکھی جا رہی تھی اس وقت علی دندناتا ہوا ان لوگوں کے کمرے میں گھسا تھا۔

''سر! اپنی امی کے ساتھ ابھی ابھی تشریف لائے ہیں۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔

''ہائے اللہ وہ امی کو لے آئے۔ مجھے دوپہر کو ہی شک ہو رہا تھا میری طرف دیکھ بھی تو کیسی میٹھی میٹھی نظروں سے رہے تھے۔'' شیریں دوپٹے سے آنکھیں اور ناک صاف کرتے ہوئے اٹھلائی تھی۔

''بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔'' علی جل کر بولا تھا۔ ''پتا نہیں ان سے کیا کہا تھا کہ وہ اپنی امی کو لے آئے ہیں۔ پتا نہیں کیا کہہ رہے تھے کس کے انتقال کی تعزیت کرنے آئے ہیں۔ جلدی جائیں، اب بیٹھی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہیں''

وہ اپنی متوقع ڈانٹ پھٹکار اور ان لوگوں کے بوگس پلان پر تپ رہا تھا۔ ہوائیاں تو ان لوگوں کی بھی اڑ گئی تھیں۔ جلدی سے دوپٹہ ٹھیک کرتی شیریں اور جویریہ ڈرائنگ روم کی طرف بھاگی تھیں تاکہ سچویشن کنٹرول کر سکیں۔

''بہت افسوس ہوا مجھے تو جب جواد نے بتایا میں اسی وقت سے آنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ خوشی میں انسان شریک ہو نہ ہو، غم میں تو ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہی چاہیے۔'' وہ دادی جان سے مخاطب تھیں جو انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں دادی جان اور دانش موجود تھے۔ حیرت تو دانش کے چہرے پر بھی چھائی ہوئی تھی مگر ان دونوں کو اندر آتا دیکھ کر وہ فوراً سمجھ گیا کہ ضرور اس کے پیچھے انہیں لوگوں کی کوئی کارستانی ہے۔

"ویسے انہیں ہوا کیا تھا؟ کیا پہلے سے بیمار تھیں؟" ان کے اپنائیت بھرے استفسار پر دادی انہیں یوں دیکھنے لگیں جیسے ان کی دماغی حالت پر شک کر رہی ہوں۔

"بیمار و بیمار کیا آنٹی! اچھی بھلی بیٹھی پان لگا رہی تھیں کہ ہارٹ فیل ہو گیا، وہیں تخت پر ہی دم توڑ دیا۔ سب کہہ رہے تھے کہ چھوٹی اماں کا پانوں سے عشق اتنا شدید تھا کہ اس حال میں دم دیا کہ پاندان سرہانے، پان ایک ہاتھ میں اور سروتا دوسرے ہاتھ میں۔"

شریں دادی جان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی جلدی جلدی بولنا شروع ہو گئی تھی۔ اب جلدی میں بات سنبھالنے کی دھن میں اگر اوٹ پٹانگ باتیں منہ سے نکل رہی تھیں تب بھی خیر تھی۔

"دادی جان نے تو ان کے ہاتھوں کا لگا وہ پان بڑی احتیاط سے سنبھال کر اپنے پاس ہی رکھ لیا ہے۔"

دانش سنجیدگی سے بولا تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ دادی جان اور جواد نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا جبکہ اس کی امی بڑے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"ظاہر ہے، اس میں سے بہن کے ہاتھوں کی خوشبو آ رہی ہو گی، صبر بھی آتے آتے ہی آئے گا۔" وہ بے چاری پرانے وقتوں کی سیدھی سادی خاتون تھیں۔ جواد البتہ ان لوگوں کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے پاگلوں کو دیکھا جاتا ہے۔ مرنے والی سے زیادہ وہاں پان موضوع بحث بنے ہوئے تھے۔

"پان بھی تو وہ ایسے ویسے نہیں کھاتی تھیں، بڑی پہچان تھی انہیں پانوں کی۔ بنگلہ دیش سے آتے تھے ان کے لیے پان اور چھالیہ انڈیا سے۔ چھالیہ کھانے میں بھی ان کا یہ انداز ہوا کرتا تھا کہ اوپر اوپر کا کھوپرے والا پورشن کھایا کرتی تھیں باقی پھینک دیا کرتی تھیں۔"

دانش دادی اماں کی چھوٹی بہن کی یاد میں بڑے دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ پانوں کی وہ خود بھی شوقین معلوم ہو رہی تھیں اسی لیے گفتگو کا رخ خود بخود پانوں ہی کی طرف مڑ گیا تھا۔ دنیا میں سب سے پہلے پان کی کاشت کس ملک میں ہوئی؟ کتھا کس نے ایجاد کیا اور چونا کس کی دریافت ہے۔ وہاں کافی دیر تک یہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔

رخصت ہوتے وقت جواد دانش کے پاس آ کر سرگوشی میں کچھ بولا جس کے جواب میں دانش نے ہنستے ہوئے کچھ کہا تھا۔ بات کے اختتام پر وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔ بات تو سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اندازہ ہو رہا تھا کہ دانش نے اسے صحیح بات بتا دی ہے۔

"جس گھر کے بڑوں کا یہ حال ہو گا وہاں کے بچے تو جو نہ کریں کم ہے۔" دادی جان ان لوگوں پر برس رہی تھیں۔ "کیا عزت رہ جاتی ان کی نظر میں ہم لوگوں کی اگر انہیں پتا چل جاتا کہ اس گھر کی لڑکیاں اتنی بے لگام اور بے ہودہ ہیں۔"

تھوڑی دیر تو وہ چاروں سر جھکائے ڈانٹ پھٹکار سنتی رہیں مگر کب تک۔ دانش وہیں بیٹھا اس سچویشن کا مزہ لے رہا تھا یہی بات ان لوگوں کو مزید تپا رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنی بے جا روک ٹوک کرتے ہی کیوں ہیں کہ بچے پھر اپنے لیے چور دروازے تلاش کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ بھئی اب ایک بچہ پڑھائی میں اچھا ہے۔ ہمیشہ اے اور اے پلس لاتا ہے تمام مضامین میں۔ اس پر اگر

زبردستی کتابوں کو لادنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ ایسے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔ کم سے کم میں تو ایسی پڑھائی کو نہیں مانتی، کیوں داجی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔"

زرین نے خبرنامہ دیکھتے داجی کو شامل گفتگو کیا تھا۔ طاہرہ آنٹی خون آشام نگاہوں سے ان چاروں کو گھور رہی تھیں۔

"تمہاری تو میں ماں کو فون کرتی ہوں کہ بلاؤ اپنی صاحبزادی کو روز کوئی نہ کوئی نیا تماشا کھڑا کر کے رکھتی ہے۔ گھر کی باقی لڑکیوں کو بھی بگاڑ رہی ہے۔ پہلے ہی یہ کون سی تمیزدار تھیں، تمہارے ساتھ نے مزید چار چاند لگائے ہیں۔"

اپنے بارے میں اتنے برے ریمارکس پر وہ فوراً ہی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہوا تھا کہ علی کو ڈانٹ نہیں پڑی تھی۔ طاہرہ آنٹی کو داجی نے کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا تھا۔

"تم زیادہ ہی روک ٹوک کرتی ہو بچوں پر، میں خود علی کو موقع دیکھ کر سمجھا دوں گا۔"

انہوں نے ان لوگوں کے جاتے ہی طاہرہ آنٹی سے کہا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اس گھر میں ان لوگوں کا سب سے اسٹرونگ ووٹ داجی کا تھا۔ وہ ان لوگوں کے سب سے بڑے حمایتی تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان چاروں ہی کی وجہ سے اس گھر میں تمام تر رونق ہے۔ دادا جی بولتے بولتے ان لوگوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے انہیں داجی کہنا شروع کر دیا تھا اور ان لوگوں کی دیکھا دیکھی زرین بھی انہیں داجی ہی کہتی تھی۔

اسے اپنی ننھیال میں رہتے چار سال ہو گئے تھے۔ امی ابو اور دونوں چھوٹے بھائی ناروے میں رہتے تھے۔ امی کا اسے مستقل یہاں چھوڑنے کا ارادہ نہیں تھا، وہ تو بس یہ چاہتی تھیں کہ بیٹی چند ماہ کراچی میں رہ کر پاکستانی کلچر وغیرہ اچھی طرح سمجھ جائے مگر اس کا یہاں ایسا دل لگا کہ واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ تب ان چاروں نے فرسٹ ایئر میں ایک ساتھ ایڈمیشن لے لیا تھا اور انہیں دنوں G-4 بھی تشکیل پا چکا تھا۔ اب وہ صرف چھٹیوں ہی میں اوسلو امی ابو سے ملنے جایا کرتی تھی۔

"چھوڑو بھی تم، دادی جان کی باتوں کو دل سے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں، انہیں بس عادت ہے ہم لوگوں کی برائیاں کرنے کی۔" جویریہ بڑے دردمندانہ انداز میں زرین کو سمجھا رہی تھی جو اس وقت سے مسلسل منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"خود کو تو کبھی توفیق ہوئی نہیں کہ مرحومہ بہن کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی یا کوئی نذر نیاز کروا لیں، ہم نے اگر ان کی پندرہ سال قبل انتقال کی گئی بہن کا ذکر تازہ کر دیا تو گناہ گار ٹھہرے۔ بھئی سب نے ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی ہی کے لیے دعا کی ناں، اس میں برائی کیا ہے اور ویسے بھی وہ ان کی بہن تھیں تو ضرور ان ہی جیسی ہوں گی۔ ویسے تو کوئی مشکل ہی سے مرحومہ کو اچھے لفظوں میں یاد کرتا ہو گا۔"

پوتیوں میں دادی جان کے سب سے برے تعلقات شیریں کے ساتھ تھے اسی لیے وہ جلے کٹے انداز میں بول رہی تھی۔ جب سے انہوں نے اس کے پارلر جانے پر پابندی لگائی تھی وہ ان سے سخت ناراض تھی۔ "یہ بھی کوئی بات ہے، آئی بروز نہ بنواؤ گناہ ہوتا ہے، بال نہ کٹواؤ، اب گنتی کے چار بال ہیں سر پر زبردستی چوٹی رکھنے کا فائدہ بندہ کوئی اچھا سا کٹ ہی کروا لے۔ کم از کم کچھ ماڈرن لک ہی آ جائے گا۔"

"ہاں اور کیا شیریں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، بس تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔" جویریہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"تم لوگوں کی بے سروپا حرکتوں کی وجہ سے میرا مسئلہ درمیان میں ہی رہ گیا۔ اب بھی کسی کو توفیق نہیں ہو رہی

کہ پوچھ ہی لے "علیا پیاری تم اتنی اداس کیوں ہو۔"

علیا نے شکوہ کیا تو زرین سمیت وہ سب ایک دم ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ یہ تو ان کے گروپ کا سب سے اہم اصول تھا کہ کسی ایک کی پریشانی ان سب کی پریشانی تھی اور دوپہر میں وہ لوگ اسی وجہ سے تو علیا کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھی تھیں۔ دو تین روز سے ہی وہ انہیں بہت چپ چپ اور پریشان لگ رہی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور معمول کی شرارتوں میں بھی شامل نہیں ہو رہی تھی۔ ایسی صورتِ حال میں ان لوگوں کا فکرمند ہونا لازمی تھا اور ابھی وہ وجہ دریافت کر ہی رہی تھیں کہ علی کی آمد نے سارا معاملہ ہی چوپٹ کر دیا تھا۔ سب کی توجہ خود پر مرکوز دیکھ کر علیا صاحبہ نے مزید دکھیاری شکل بنالی تھی۔ کافی دیر کی منت سماجت کے بعد اس نے اپنا مسئلہ بیان کیا تھا۔

"G-4 کی عزت خاک میں ملنے والی ہے۔ میں فیل ہونے جا رہی ہوں اور اس بار مجھے فیل ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔"

مسئلہ پریشان کن تو تھا مگر حیران کن نہیں۔ علیا کو دنیا کے ہر کام سے دلچسپی تھی سوائے پڑھائی کے۔ دانش تو اکثر طاہرہ آنٹی سے کہتا تھا۔

"آپ کے ڈنڈوں کی بدولت یہ بی ایس سی تک پہنچ گئی ہے ورنہ میرے حساب سے اس کا میٹرک سے آگے جانا مشکل تھا۔"

طاہرہ آنٹی گائنا کولوجسٹ تھیں۔ ان کا اپنا میٹرنٹی ہوم تھا۔ کتنا ارمان تھا انہیں کہ ان کے تینوں بچوں میں سے کوئی ایک ڈاکٹر بن جائے۔ جویریہ پڑھائی میں اچھی تھی مگر اس کا رجحان کمپیوٹر کی طرف تھا، علی کو میتھس میں بہت انٹرسٹ تھا یقیناً اس کا جھکاؤ انجینئرنگ کی طرف تھا، لے دے کر علیا ہی بچی تھی اور وہ اتنی نالائق ثابت ہوئی تھی کہ انٹر میں اتنے نمبر بھی نہیں لا پائی تھی کہ انٹری ٹیسٹ میں بھی بیٹھ سکے۔ بی ایس سی میں داخلے کے وقت اسے سینٹ جوزف میں ایڈمیشن بھی حامد انکل کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مل سکا تھا۔ چار و ناچار وہ صبر کر گئی تھیں مگر یہ بات تو وہ یقیناً کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں کہ ان کا کوئی بچہ سپلی لگوائے۔ پڑھائی کے معاملے میں جتنی دھمکیاں اور ڈانٹیں علیا نے سنی تھیں اتنی اس گھر کے کسی بچے نے نہیں سنی تھیں۔ ان کی ڈانٹ کے خوف سے کالج پابندی سے جاتی، تمام کلاسز اٹینڈ کرتی، شام میں کوچنگ سینٹر جاتی مگر فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔

"اب ضروری تو نہیں کہ اس گھر کے تمام بچے خوب عالم فاضل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلائیں۔ بھئی کسی کسی کا رجحان نہیں بھی ہوتا پڑھائی کی طرف اور ویسے بھی ذہانت ڈگریز کی محتاج نہیں ہوتی۔ شیکسپیئر کون سا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ ایڈیسن نے کون سا آکسفورڈ یا ہاورڈ سے ڈگری لی ہوئی تھی۔"

اپنے حق میں اس کے پاس اس قسم کے دلائل کا انبار تھا جنہیں وہ وقتاً فوقتاً اہلِ خانہ کے گوش گزار کرتی رہا کرتی تھی مگر ان کی سمجھ میں بات ہی نہیں آتی تھی۔ اس کی پڑھائی سے بیزاری کی سب سے بڑی گواہ یہ تینوں ہی تھیں۔ انٹر تک جب وہ سب ایک ہی کالج میں ساتھ ساتھ پڑھتی تھیں، ان لوگوں کو اس کی کتنی زیادہ مدد کرنی پڑتی تھی۔ فرسٹ ایئر میں فزکس کے پریکٹیکل کے وقت ایکسٹرنل کی نظروں سے بچ بچا کر اس کے پیے ریڈنگ زرین نے لی تھی اور گراف جویریہ نے بنا کر دیا تھا۔ سیکنڈ ایئر کے امتحانوں میں جب اس کی کیمسٹری کی بالکل بھی تیاری نہیں ہو

پا رہی تھی تو ان تینوں نے مل کر اسے اہم سوالات نکال کر دیئے تھے کہ یہی رٹ لو کم از کم پاسنگ مارکس تو آ ہی جائیں گے۔ تب بھی جس روز پیپر تھا اس کی حالت غیر تھی۔ رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ زیادہ خوف اس بات کا تھا کہ اگر فیل ہوگئی تو مما قتل کر دیں گی۔

"کاش ہماری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔" پیپر دینے کے لیے سینٹر جاتے ہوئے راستے میں اس نے حسرت بھرے انداز میں کہا تو ڈرائیور نے بھی گردن گھما کر اسے بغور دیکھا تھا۔

"پاگل ہو رہی ہو، جو منہ میں آ رہا ہے بکے جا رہی ہو۔"

جویریہ نے اسے ڈانٹا تو وہ بے وقوفانہ انداز میں بولی۔ "زیادہ شدید نہیں بس ہلکی پھلکی چوٹیں آئیں۔ آج کا پیپر دینے سے بھی جان چھوٹ جائے گی اور دادی جان، مما اور شگفتہ آنٹی ہم لوگوں کی خوب ناز برداری کریں گی۔"

ایکسیڈنٹ تو خیر ان لوگوں کا نہیں ہوا تھا مگر تب ہی ان تینوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ طاہرہ آنٹی کے ڈنڈے اور جوتے بھی آگے زیادہ دیر تک علیا بیگم کو چلنے نہیں دیں گے۔

انٹر کے بعد زرین نے ایس ایم سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور تب ہی سے وہ طاہرہ آنٹی کی بہت پسندیدہ بن گئی تھی۔ چلو اپنی بیٹی نہ سہی نند کی بیٹی ہی سہی، گھر کا کوئی ایک بچہ تو ڈاکٹر بن جائے۔ انہوں نے صبر کر لیا تھا۔ شیریں کراچی اسکول آف آرٹ میں گرافکس کے شعبے میں تھی۔ اس شعبے کی جتنی ڈیمانڈ اور اسکوپ ہے اسی حساب سے سب نے اسے خوب سراہا تھا۔ جویریہ کراچی یونیورسٹی سے بی سی ایس کر رہی تھی۔ جویریہ اور علیا جڑواں تھیں۔ شکل و صورت میں بہت زیادہ مشابہت کے باوجود ان میں اتنا فرق بہرحال تھا کہ لوگ انہیں آسانی سے پہچان لیا کرتے تھے۔ لمبے قد، براؤن آنکھوں اور کرلی بالوں والی جویریہ تھی اور نسبتاً چھوٹے قد، کالی آنکھوں، لمبے سلکی بالوں اور بے تحاشا گوری رنگت والی علیا تھی۔

"یار! تم ہمت کرو، چلو ہم لوگ تمہیں پانچ سال کے پیپرز میں سے امپارٹنٹ نکال کر دے دیں گے۔ تم رٹے مار لینا۔" کتنی دیر سے وہ سب اسے سمجھا رہی تھیں۔

"بس تم خود کو کمپوز کرو۔ کوئی نہیں تم فیل ویل ہو رہیں، اس سے پہلے تمہیں انٹر میں بھی یہی لگ رہا تھا اور بی ایس سی پارٹ ون میں بھی تم یہی کہہ رہی تھیں۔"

مگر وہ سختی سے اپنے موقف پر جمی ہوئی تھی۔

"تب کی بات اور تھی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب کھولتے ہی ایک کے دو نظر آنے لگیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں کیمسٹری کے نوٹس کھولوں تو دل گھبرانے لگتا ہے، بک ہاتھ میں لوں تو چکر آنے شروع ہو جاتے ہیں اور اردو کا تو پوچھو ہی مت۔ سر درد سے پھٹنے لگتا ہے، ہاتھ پاؤں میں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔" وہ تفصیلاً اپنی ساری کیفیت بتا رہی تھی۔

"میرا بس چلے تو یہ منحوس کیمسٹری جس نے ایجاد کی تھی اس کا گلا دبا دوں اور اردو۔" اس نے دانت کچکچائے تھے۔ "یہ شاعروں کو اتنے زیادہ عشق کس خوشی میں ہوتے تھے اور اگر ان کے محبوب کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑی جیسے ہیں اور قد بوٹا ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔" وہ تپے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"اچھا اور باقی سبجیکٹس؟" جویریہ نے پوچھا تو وہ ذرا سا سر جھکا کر شرمندگی سے بولی۔

"باقی سب سبجیکٹس کی بھی کوئی خاص تیاری نہیں مگر کیمسٹری اور اردو میں تو سپلی لازمی ہے۔ کیمسٹری میں نہ تو کوئی Equation یاد ہو پا رہی ہے نہ Derivations اور فارمولے۔" اس کے جواب پر شیریں فوراً بولی تھی۔

"چلو کیمسٹری کو جانے دو لیکن اردو میں اگر سپلی لگی تو پھر تو واقعی طاہرہ آنٹی کے بقول تمہیں چلو بھر پانی میں ڈبکی لگا ہی لینی چاہیے۔ اگر بندہ اپنی قومی زبان میں فیل ہو جائے تو اس سے بڑی شرمناک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

شیریں کے شرم دلانے والے انداز پر وہ بری طرح چڑ کر ایک دم اٹھی اور رائٹنگ ٹیبل سے اردو کی کتاب اٹھاتے ہوئے بولی۔

"انجامِ شاہ و گدا دو گز کفن اور تختہ و تابوت سے سوا نہیں۔ کسی نے ادھر سایا محمودی کو دیا یا تحریر کربلا کسی کو گزی گاڑھا میسر ہوا، بہ صد کرب و بلا۔ اس نے صندل کا تختہ لگایا اس نے بیر کے چیلوں میں چھپایا۔ کسی نے بعد سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا۔ کسی نے مرمر کے گور گڑھا یا پایا۔ کسی کے مزار مطلا، منقش، رنگا رنگ ہے۔ کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے۔"

"ذرا اس کی تشریح فرمائیں گی آپ آنسہ شیریں طیب صاحبہ! آپ کی اردو دانی کے تو ہم یوں بھی قائل ہیں۔" پیراگراف پڑھ کر سنانے کے بعد وہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

"اچھا چلیں اسے رہنے دیں ذرا اس شعر کا مطلب ہی سمجھا دیں۔"

کیا کیا الجھتا ہے تری زلفوں کی تار سے
بخیہ طلب ہے سینۂ صد چاک شانہ کیا

شیریں نے کچھ شرمندگی کے عالم میں گردن نفی میں ہلا دی تھی۔

"بھئی جیسی اردو ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں، ڈراموں اور فلموں میں سنتے ہیں وہی ہو تو مشکل کیا ہے۔ سارا مسئلہ تو یہ ہے کہ جو الفاظ کبھی کہیں سنے پڑھے نہیں وہ سمجھنے پڑ رہے ہیں اور فائدہ؟ جب یہ الفاظ عام بول چال اور لکھنے لکھانے میں کام نہیں آنے تو ضرورت انہیں سمجھنے کی۔" وہ مفکرانہ انداز میں بولی تھی۔

"لیکن دا جی کہتے ہیں آج کل اخبارات میں چھپنے والی اردو بالکل بھی معیاری نہیں ہوتی اور فلموں اور ڈراموں کو تو خیر تم رہنے ہی دو۔ کتنی گھٹیا اردو بولی جاتی ہے۔ خاص کر فلموں میں تو بہت ہی تھرڈ کلاس الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔" جویریہ نے سنجیدگی سے کہا تو علیا سر پیٹنے والے انداز میں بولی۔

"ہم لوگ یہاں اردو پر تو بحث کرنے بیٹھے نہیں تھے۔ مجھے نہیں لگتا تم لوگ میری کوئی مدد کر پاؤ گی۔ یہاں علمی بحثیں چھڑی رہی گی اور وہاں امتحان سر پر آجائیں گے۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم چاہتی کیا ہو؟" زرین نے اہم ترین نکتہ اٹھایا تھا۔

"یہ کیا ہے نا تم نے عقل مندی کا سوال۔" وہ خوش ہو کر بولی تھی۔

"زرین پلیز میری بہن! کوئی ترکیب سوچو۔ ایسی ترکیب کہ میری امتحان دینے سے بھی جان چھوٹ جائے

اور مما ناراض بھی نہ ہوں۔" وہ زرین کا ہاتھ پکڑ کر ملتجیانہ انداز میں بولی تھی۔

"کیا؟" وہ تینوں چلائی تھیں۔ "تم امتحان ہی نہیں دینا چاہتیں؟"

"ہاں تو اور اتنی دیر سے کیا سمجھا رہی ہوں، بھئی تم سب اچھی اچھی بھاری بھرکم پڑھائیاں کر تو رہی ہو۔ ایک میرے نہ پڑھنے سے قیامت تو نہیں آجائے گی۔" وہ اطمینان سے بولی تھی۔

دو تین روز تو وہ لوگ اسے مختلف طریقوں سے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ تعلیم کی اہمیت وغیرہ پر لمبی لمبی تقریریں ہوئیں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ جب اگلا بندہ کچھ سمجھنے یا سننے پر آمادہ ہی نہ ہو تو سب سمجھانا اور قائل کرنا بے کار ہے۔

"سیدھی سی بات ہے میں آگے پڑھنا ہی نہیں چاہتی، فیل ہو کر ذلیل ہونے سے بہتر ہے کہ عزت سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔"

وہ سنجیدگی سے دوٹوک انداز میں بولی تو ان لوگوں نے بھی مزید سمجھانے بجھانے کا ارادہ فی الفور ملتوی کر دیا اور تمام تر حقائق کی روشنی میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ علیا کی مدد کی جائے۔ زرین رات کو دیر تک لیٹی اسی بارے میں سوچتی رہی تھی۔ ایسا کیا ہو کہ علیا امتحان بھی نہ دے اور طاہرہ آنٹی کو کوئی اعتراض بھی نہ ہو، مزید یہ کہ آئندہ کے لیے بھی اس کی پڑھائی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے۔ سوچتے سوچتے اچانک اس کے ذہن میں ایک شاندار آئیڈیا آیا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"علیا! اٹھو، میرے پاس تمہارے مسئلے کا بڑا زبردست اور رنگا رنگ حل نکل آیا ہے۔"

اپنے برابر سوئی ہوئی علیا کو اس نے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا تھا۔ وہ نیند میں ہونے کے باوجود ایک دم پر جوش ہو گئی تھی۔

"جلدی بتاؤ۔" وہ بے تابی سے بولی تو زرین بیڈ پر سے اترتے ہوئے کہنے لگی۔

"ایک ساتھ سب کو بتاؤں گی، چلو ان لوگوں کے کمرے میں چلیں۔"

وہ دونوں سوتے سے اس طرح اٹھائے جانے پر پہلے تو ناراض ہوئیں مگر جیسے ہی پتا چلا کہ زرین ترکیب سوچ چکی ہے جو کہ بقول اس کے نہایت عالیشان اور معرکۃ الآرا ہے وہ سارا غصہ بھول بھال اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"جلدی سے بتاؤ۔" تینوں ہم آواز ہو کر بولی تھیں۔

"شادی۔" وہ ایک لفظ بول کر خاموش ہو گئی تو تینوں بے چینی سے بولیں۔

"صحیح سے پوری بات بتاؤ، شادی کیا؟"

"ارے احمقو! علیا کی شادی اور کس کی، اس مسئلے کا یہی حل ہے کہ امتحانوں سے پہلے پہلے اس کی شادی ہو جائے۔ شادی کے بعد ویسے بھی اکثر شوہر اور سسرال والے اپنی تمام وعدوں سے مکر جاتے ہیں اور لڑکی کو ادھوری تعلیم مکمل نہیں کرنے دیتے۔ اس لیے ابھی اگر انہوں نے طاہرہ آنٹی سے ایسا کوئی وعدہ کر بھی لیا تو بے فکر رہو، وہ بھی ایفا نہیں ہوگا۔"

اس کے اطمینان سے کہنے پر جویریہ نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔ "یہ انہوں نے کون ہیں؟"

"بھئی اس کے ہونے والے سسرالی۔" وہاں انداز ہنوز قابلِ رشک حد تک اطمینان لیے ہوئے تھا۔

''اور یہ سسرالی کیا اچانک آسمان سے ٹپکیں گے؟''

علیا کا سارا جوش وخروش ختم ہو گیا تھا۔اتنی فضول ترکیب جس کے پورا ہونے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے۔پچھلے دنوں ایک پروپوزل آیا بھی تھا تو شیریں کے لیے اور جسے بغیر چھان بین کے ہی مسترد کر دیا گیا تھا ''ابھی بچی پڑھ رہی ہے۔'' ایسے میں اس کا رشتہ آنا اور پھر قبول بھی کر لیا جانا ناممکنات میں سے تھا۔

''اب آسمان سے ٹپکیں گے یا زمین سے اگیں گے یہ سب مجھے نہیں پتا میرا کام ترکیب بتانا تھا سو وہ میں نے پورا کر دیا۔تھوڑا سا تم لوگ بھی اپنے اپنے دماغوں کو استعمال میں لے آؤ۔'' وہ ان لوگوں کے سڑے ہوئے منہ دیکھ کر ناراضی سے بولی تھی۔

''یار! کوئی اور ترکیب سوچ لو پلیز۔'' علیا التجائیہ انداز میں بولی تو زرین سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔

''اس کے علاوہ اور کوئی معقول ترکیب ذہن میں نہیں آ رہی۔ہاں ایک ترکیب تھی تمہاری بیماری کی ایکٹنگ کرنے کی مگر اپنی ڈاکٹر مما کے سامنے تمہاری یہ ایکٹنگ کامیاب نہیں ہو پائے گی بلکہ بھانڈا پھوٹ جانے پر فیل ہونے والی ذلت سے بھی زیادہ شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔''

وہ دوٹوک انداز میں بولی تو دل ہی دل میں سب ہی نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

''لیکن شادی ہو جانا کون سا اپنے ہاتھ میں ہے اور چلو فرض کر لو کہ کہیں سے کوئی رشتہ آ جاتا ہے تب بھی مما تو کبھی نہیں مانیں گی۔رشتہ اگر زیادہ ہی اچھا لگ گیا تو بہت سے بہت منگنی کر دیں گی یعنی امتحانوں سے جان تو تب بھی نہیں چھوٹے گی۔'' جویریہ نے بڑا اہم نکتہ اٹھایا تھا۔

'Divide and rule' (لڑاؤ اور حکومت کرو) کا سنہری اصول انگریزوں نے اسی دن کے لیے ایجاد کیا تھا۔نانی تو ویسے بھی لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے حق میں نہیں ہیں۔شگفتہ آنٹی بھی طاہرہ آنٹی جتنی کٹر نہیں ہیں تعلیم کے معاملے میں۔اگر ہم کوشش کریں تو اس ایشو پر گھر کی خواتین کو تقسیم کر سکتے ہیں۔ایک بار نانی کو شیشے میں اتار لیا تو بس کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے گا۔طاہرہ آنٹی کے تمام اعتراضات کو بہ یک جنبش قلم مسترد کر دے گی ہماری گھر کی سپریم کورٹ۔''

زرین نے سمجھانے والے انداز میں اپنی بات کی وضاحت کی تھی۔

''آگے تک کی پلاننگ ہوئی چلی جا رہی ہے،میں پوچھتی ہوں یہ رشتہ آئے گا کہاں سے؟'' علیا کلس کر بولی تھی۔

کافی دیر بحث وتکرار کے بعد بھی جب کوئی نتیجہ ہاتھ نہیں آیا تو آخر کار انہوں نے یہی طے کیا کہ سب اپنے اپنے طور پر غور کریں اور کل رات ہونے والی میٹنگ میں سب اپنے اپنے آئیڈیاز پیش کریں گے پھر جس کا سب سے معقول آئیڈیا ہوا اس کو شرف قبولیت بخش کر فوراً عملی اقدامات کیے جائیں گے۔

☆

صبح ناشتے کی میز پر طاہرہ آنٹی نے اورنج جوس پیتی علیا کو ٹوکا۔

''ڈھنگ سے پورا ناشتہ کرو۔خالی ایک گلاس جوس سے کوئی پیٹ بھرتا ہے۔امتحان سر پر ہیں صحیح سے کھاؤ گی نہیں تو پڑھا کیا خاک جائے گا۔'' سال کے چھ مہینے علیا ڈائٹنگ پر رہا کرتی تھی۔

''مما! میں نے ایک ہفتے میں چار پاؤنڈ وزن بڑھایا ہے اسی لیے احتیاط کر رہی ہوں۔'' طاہرہ آنٹی کے

سامنے وہ بے چاری ہمیشہ بھیگی بلی بن جایا کرتی تھی۔

''ربش۔'' وہ جواباً بڑبڑائی تھیں۔''بجائے ان فضولیات میں پڑنے کے پڑھائی پر توجہ دے لو اور یہ تمہاری امتحان کی تیاری کیسی ہو رہی ہے؟''

ان کا اگلا سوال خاصا دل دہلا دینے والا تھا۔اس کی ہونق شکل دیکھ کر ان تینوں ہی کو رحم آ گیا تھا۔

''تیاری تو اس کی ہمیشہ ہی اے ون ہوتی ہے،افسوس صرف اتنا ہے کہ پہلے بورڈ والوں کو اور اب یونیورسٹی والوں کو اس سے پتا نہیں کیا دشمنی ہے کہ ہر بار بے چاری کی پوزیشن آتے آتے رہ جاتی ہے۔''

دانش نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے جواب دینے سے پہلے ہی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

''بالکل پرفیکٹ تیاری چاہیے مجھے امتحانوں کی،فرسٹ ڈویژن کی تو خیر میں نے آس نہیں لگائی کیونکہ فرسٹ ڈویژن لانے والی شکلیں ایسی نہیں ہوتیں مگر سیکنڈ ڈویژن مجھے ہر قیمت پر چاہیے۔'' دانش کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر وہ سخت لہجے میں علیا کو دھمکیاں دیتی ٹیبل سے اٹھ گئی تھیں۔

''یہ تو واقعی قتل ہو جائے گی طاہرہ آنٹی کے ہاتھوں۔'' شیریں نے زرین کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

ناشتے کی میز پر ہونے والی اس خطرناک گفتگو نے ان لوگوں کو ترکیبیں سوچنے کے معاملے میں مزید متحرک کر دیا تھا۔رات میں جب میٹنگ شروع ہوئی تو جویریہ سب سے پہلے بولی۔

''سب نے کیا کیا ترکیبیں سوچی ہیں یہ بتانے سے پہلے میں ایک خاص پوائنٹ کی طرف سب کی توجہ مبذول کروانا چاہتی ہوں۔''

''ارشاد ارشاد۔'' سب نے کورس میں اجازت دی تھی۔

''سب سے پہلے ہمیں اپنا ووٹ بینک مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔خاص طور پر میں یہ بات شیریں اور زرین سے کہنا چاہتی ہوں جو آئے روز دادی جان سے جھگڑے مول لیتی رہتی ہیں۔داجی تو ہیں ہی ہماری طرف،اگر دادی جان،شگفتہ آنٹی،چاچو،پاپا اور طیب انکل بھی ہماری طرف آ جائیں تو مخالفین کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے پہلے دادی جان کے ساتھ تعلقات خوشگوار بنائے جائیں۔'' اس کا مشورہ سب ہی کو پسند آیا تھا۔

''اب اگر دادی جان تمہیں کالج سے آتے ہی فوراً نہانے کا حکم دیں تو تم بحث نہیں کرو گی۔'' اب کے مخاطب زرین تھی۔سدا کی وہمی اور صفائی پسند دادی جان کو اس کا کالج سے آ کر بغیر نہائے کھانے کی میز پر بیٹھنا سخت کھلتا تھا۔

''پتا نہیں کتنے مردوں کی چیر پھاڑ کر کے آئی ہو،جاؤ پہلے نہا کر آؤ۔''

اتنی شدید بھوک کے عالم میں یہ حکم اسے بہت ناگوار گزرتا تھا اور تقریباً روزانہ ہی اس ایشو پر ان دونوں کے درمیان بحث وتکرار ہوتی تھی۔اس کے کمرے میں رکھی انسانی جسم کے مختلف حصوں کی ہڈیوں سے تو انہیں بے پناہ گھن آتی تھی۔دانش انہیں گھن دلانے کے لیے اور نئی سے نئی باتیں لاتا۔

''دادی جان ان نیم حکیموں کے حوالے ڈائریکٹ انسانی جانیں تو کی نہیں جا سکتیں۔پتا ہے آپ کو یہ لوگ چھپکلیوں،سانپوں،خرگوشوں اور چوہوں وغیرہ پر پہلے تجربات کرتے ہیں۔'' اور چوہوں کا نام سنتے ہی انہیں ابکائیاں

آنی شروع ہو جاتیں۔

"ٹھیک ہے یار! اپنی علیا کی خاطر دن میں تین چار بار نہانا بھی سہہ لیں گے۔" اس نے مجبوراً ہامی بھری تھی۔

"اچھا بھئی اب سب اپنی اپنی ترکیبیں سنائیں۔ سب سے پہلے علیا کی باری ہے۔" زرین کی بات سنتے ہی وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں جتنی پریشان ہوں تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس وقت میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا۔ کوئی ترکیب، کوئی حل نہیں سوجھ رہا، مما کا خوف دوسری ہر بات پر غالب ہے۔" اس کے مایوسی بھرے انداز پر تاسف کا اظہار کرتی وہ لوگ شیریں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بھئی میرے ذہن میں تو صرف اک ہی بات آئی ہے اور وہ یہ کہ اخبار میں ضرورتِ رشتہ کا اشتہار دے دیا جائے۔" اپنی بات مکمل کر کے ان لوگوں کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کیے بغیر وہ ہاتھ میں تہہ کیا ہوا ایک کاغذ کھول کر دکھانے لگی۔

"یہ دیکھو میں نے اشتہار ترتیب بھی دے لیا ہے۔" کاغذ ان لوگوں کو دکھاتے ہوئے وہ خود ہی پڑھ کر سنانے لگی۔

"ایک لڑکی عمر 19 سال، رنگ گورا بلکہ بے تحاشا گورا، قد بوٹا یعنی پانچ فٹ، تعلیم؟ لکھ پڑھ لیتی ہے۔ سیاں جی کو چٹھی لکھ لیا کرے گی اور دھوبی کا حساب کتاب بھی معقول انداز میں کر لے گی۔ بل کھاتی سیاہ گھنی زلفیں، ناک ستواں، آنکھیں ہرنی جیسی کے لیے ارجنٹ ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔ یہاں ارجنٹ سے مراد واقعی ارجنٹ ہے۔ وہ تمام حضرات جن کی نانیوں، دادیوں، اماؤں، یا اباؤں کو اپنا آخری وقت قریب نظر آ رہا ہو اور اپنے لاڈلے پوتے، نواسے یا بیٹے کے سر پر اپنی زندگی میں سہرا دیکھنا چاہتے ہوں فوری رجوع کریں کیونکہ اس اکیسویں صدی کی سنڈریلا کی دو تین ماہ کے اندر اندر شادی ہونا ضروری ہے ورنہ بے چاری عالمِ بالا پہنچا دی جائے گی۔

نوٹ! امائیں اور بہنیں جو اپنے بیٹوں یا بھائیوں کے لیے چاند سی بہو بھابی ڈھونڈ رہی ہیں کے لیے نادر موقع ہے کیونکہ لڑکی پھیکا شلجم یعنی پوری کی پوری چاند کا ٹکڑا ہے۔"

علیا کے علاوہ وہ سب بری طرح ہنس رہی تھیں۔ جویریہ تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ خاموشی سے ان تینوں کو ہنستا ہوا دیکھتی رہی پھر ایک دم غصے سے اٹھی اور بغیر کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تو وہ لوگ ہنسی کو بریک لگا کر جلدی سے اسے منانے اٹھیں۔

"نہیں سن رہی میں تم لوگوں کی کوئی بات، میری زندگی اور موت کا سوال ہے اور تم لوگوں کو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے چلائی تھی۔

"یار! ہم لوگ تو سنجیدہ ہی تھے یہ شیریں صاحبہ ہی کو بے وقت کا مذاق سوجھا تھا۔" زرین اسے مناتے ہوئے بولی تو شیریں کندھے اچکا کر بولی۔

"اب کوئی اور آئیڈیا آ ہی نہیں رہا تھا تو میں کیا کرتی۔ اگر تم لوگوں سے یہ کہتی کہ کچھ سمجھ نہیں آیا تو بھی صلواتیں سننی پڑتیں اس لیے جو ایک بات ذہن میں آ رہی تھی بتا دی۔ اس کے علاوہ تو مجھے نہیں پتا رشتہ کیسے ملے گا وہ بھی فوراً۔"

"پھر تم لوگ مجھ سے بھی ناراض ہو گی، اس لیے میں پہلے ہی بتا دوں۔ میرا آئیڈیا بھی شیریں سے ملتا جلتا ہی

ہے۔ اس نے اخبار میں اشتہار والی بات سوچی تھی میں نے یہ سوچا تھا کہ آج کل شادیوں سے متعلق اتنی ساری نئی نئی ویب سائٹس بن گئی ہیں تو کیوں نہ ایسا کریں ان میں سے تین چار میں علیا کا نام رجسٹر کروا دیں۔ میرے پاس ایسی پانچ سائٹس کے بارے میں معلومات ہیں جہاں آپ اپنے تمام کوائف اور مطلوبہ شریکِ حیات کے متعلق اپنی ڈیمانڈ بتا کر اپنا نام وہاں رجسٹر کروا سکتے ہیں۔"

وہ ڈرتے ڈرتے ایک نظر سب کے چہروں پر ڈالتے ہوئے بولی تھی۔ انٹرنیٹ میں اسے جتنی دلچسپی تھی اس لحاظ سے وہ یہی مشورہ دے سکتی تھی۔

"تم دونوں کے مشورے انتہائی فضول ہیں۔ تم سے بہتر تو میں ہوں کم از کم میں نے ایسی بات تو سوچی ہے جو مشکل سہی پر ناممکن ہرگز نہیں ہے۔" زرین ان دونوں کی طرف ملامتی نظریں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے تم سے ہی امید تھی زرین! ان دونوں کے خیال سے تو ہم یہاں ہنسی مذاق کرنے جمع ہوئے تھے۔" علیا نے شیریں کو بطور خاص غصے سے دیکھا تھا۔ "اچھا اب جلدی سے بتاؤ نا۔" وہ بے قراری سے بولی۔ تھوڑی دیر کا ڈرامائی وقفہ زرین نے سب کے تجسس کو بھڑکانے کے لیے دیا تھا۔

"میں نے جو بات سوچی ہے اس کا پس منظر یہ خیال تھا کہ انسان کوئی بھی کام سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کرتا ہے۔ بھئی میں باہر سے رشتہ کیوں ڈھونڈوں جبکہ میرے اپنے گھر میں خیر سے دو عدد خوبرو، ذہین قابل اور برسرِ روزگار لڑکے موجود ہیں۔"

"تمہاری مراد اسد بھائی اور دانش سے ہے۔" شیریں نے احمقوں کی طرح سوال پوچھا تھا۔

"خاصا اسٹوپڈ کوئیچن ہے، خیر جانے دو۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی؟" وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

"مجھے پتا ہے تم لوگوں کو میری بات بڑی عجیب سی اور ناقابلِ عمل لگ رہی ہو گی مگر میری سویٹ کزنز یہی ایک آخری راستہ ہے ہمارے پاس۔ اب اتنی جلدی کہیں سے کوئی لڑکا ڈھونڈنا وہ بھی ایسا جو طاہرہ آنٹی اور انکل کے معیار پر پورا اترے بہت ہی مشکل بات ہے۔" کچھ دیر تک ان لوگوں کے تاثرات کا بنظرِ غائر جائزہ لینے کے بعد وہ بولی تھی۔

"دانش کا تو خیر تم نام ہی نہ لو، ذلیل آدمی، صبح ناشتے کی میز پر کیسا میرا مذاق اڑا رہا تھا اور اسد بھائی کا بھی تو کچھ کہہ نہیں سکتے ہو سکتا ہے وہ پہلے سے کسی کو پسند کرتے ہوں۔"

علیا کی بات پر شیریں کی بہنوں والی غیرت جو اکثر سوئی رہتی تھی یکا یک جاگ اٹھی۔

"یہ تم میرے بھائی کو گالیاں کس خوشی میں دے رہی ہو۔"

"ہاں بڑا اچھا ہے تمہارا بھائی خود کو بڑا عالم فاضل سمجھتا ہے، ذرا سا انجینئرنگ کے فائنل ایئر میں فرسٹ پوزیشن کیا آ گئی خود کو نیوٹن اور آئن اسٹائن کے جتنا غیر معمولی جینئس سمجھنے لگے ہیں۔ چھچھوروں کی طرح کنووکیشن کے دن کی گولڈ میڈل لیتے وقت کی تصویر کمرے میں انلارج کروا کر اس زاویہ سے لگائی ہے کہ اندر آنے والے کسی بھی شخص کی سب سے پہلی نظر اس پر پڑے۔"

دانش سے جتنی خار وہ کھاتی تھی شاید ہی کوئی دوسرا اس سے اتنا چڑتا ہو۔

"دوسروں میں پھوٹ ڈلواتے ڈلواتے ہم میں خود ہی پھوٹ پڑ گئی۔ یہ G-4 میں میرا بھائی اور میری بہن

قسم کے الفاظ کب سے استعمال ہونے لگے۔'' ان دونوں کا لڑائی کا موڈ دیکھ کر زرین نے بڑی آپاؤں کی طرح جھاڑ پلائی تھی۔ دانش کے ساتھ ساتھ اس وقت علیا شیریں سے بھی ناراض تھی۔ آخر اشتہار لکھ کر اس نے اس کا مذاق اڑانے کی بیہودہ کوشش جو کی تھی۔

''ہم سب یہاں اپنی پڑھائی کا انتہائی قیمتی وقت تمہاری خاطر قربان کر کے تمہارا ہی مسئلہ حل کر رہے ہیں لہٰذا تم یہ چھوئی موئی والا انداز ترک کر کے ذرا تحمل سے سب کی باتیں سنو۔ ہر وقت ناک پر دھرا یہ غصہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔ ذرا سا کسی کا مذاق برداشت کرنے کا حوصلہ بھی نہیں ہے تم میں۔''

جویریہ نے اسے بڑی سختی سے ڈانٹا تھا۔ اسے فارغ کر کے وہ زرین سے مخاطب ہوئی۔

''ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں اسد بھائی اور دانش کے بارے میں۔''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ شیریں کی اسد بھائی سے اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے، وہ انہیں ٹٹولے، میرے دانش کے ساتھ تم لوگوں کے مقابلے میں خاصے بہتر تعلقات ہیں میں اسے کریدتی ہوں۔ کیا پتا جواب ہمارے حسبِ منشاء نکل آئے۔ آخر ناولوں اور افسانوں میں یہی تو ہوتا ہے۔ بہت سارے کزنز ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ بظاہر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں جیسے دانش اور علیا یا پھر ذرا سنجیدہ اور بڑے بھائیوں والا انداز رکھتے ہیں جیسے اسد بھائی مگر اندر ہی اندر اپنی شوخ و شریر نٹ کھٹ سی کزن پر مرتے ہیں۔ پھر ایک دن ہیرو کی مرضی جاننے کے بعد گھر کے بڑوں کی بند کمرے میں خفیہ میٹنگ ہوتی ہے۔ کزن پارٹی کو اس خفیہ اجلاس کی رپورٹ حاصل کرنے کی بے قراری ہوتی ہے۔ ہیرو سب کچھ جاننے کے باوجود معصوم اور انجان بنا اپنی بے خبر خود میں مگن کزن کو چپکے چپکے میٹھی نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ منگنی کا دن آجاتا ہے ہیروئن کو نہیں پتا ہوتا کہ آج دیگر کزنز کے ساتھ ساتھ اس کی بھی منگنی ہے۔ دراصل گھر کے بڑوں نے سب بچوں کے رشتے اسی روز طے کر کے ایک ہی دن منگنی کرنے کا فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ شام میں جب ہیروئن ڈھیر ساری موتیے کی کلیاں اور گلاب کے پھول بڑی سی تھالی میں بھر کر لے جا رہی ہوتی ہے عین اس وقت اس کے ہاتھوں سے تھالی گرتی ہے جب ہیرو سامنے آتا ہے۔ سارے پھول ہیرو کے قدموں میں بکھر جاتے ہیں اور۔''

''اور گھنی مونچھوں تلے اس کے لب ذرا سا مسکراتے ہیں۔ بس آگے کیا ہوتا ہے ہمیں بھی معلوم ہے۔''

شیریں نے اسے بےزاری سے ٹوک دیا تھا۔ زرین کی بے وقت کی راگنی ان میں سے کسی کو بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اتنے اہم ایشو پر بات ہو رہی ہے اور محترمہ پتا نہیں کہاں نکل گئیں۔

''نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔ نہیں سننا چاہ رہیں تم لوگ تو مجھے بھی سنانے کا کوئی شوق نہیں۔ ویسے میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ کیا پتا اسد بھائی یا دانش میں سے کوئی ایک اپنی علیا پر چپکے چپکے مرتا ہو۔ بھئی معجزے اسی دنیا میں ہوتے ہیں۔''

ان لوگوں کے چہروں پر لکھا ناممکن پڑھتے ہوئے وہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔

''معجزے ولیوں، بزرگوں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ پیش آتے ہیں زرین شہزادی صاحبہ!'' جویریہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

''خیر کوشش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔'' شیریں نے جویریہ سے کہا تو علیا نے بھی کچھ سوچتے ہوئے گردن اقرار میں ہلا دی تھی۔

''بس اب تم دانش کے ساتھ ذرا لڑنا جھگڑنا کم کر دو۔'' زرین اور شیریں نے اسے سمجھایا تھا۔

☆

اگلے روز شیریں کو اسد بھائی سے بات کرنی تھی، اس کی گفتگو کے نتیجے میں اگر کوئی مثبت بات سامنے آجاتی تو پھر زرین کو دانش سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ویسے بھی علیا مجبوراً گدھے کو باپ بنا تو رہی تھی مگر وہ سب ہی جانتی تھیں کہ دانش سے اس کی دشمنی خاصی شدید نوعیت کی ہے۔ شام میں آفس سے آنے کے بعد کچھ دیر ستا کر اسد بھائی جم چلے جایا کرتے تھے۔ شیریں نے مناسب یہی سمجھا جب وہ جم سے آجائیں پھر موقع دیکھ کر بات کی جائے۔

''میں اندر آجاؤں اسد بھائی؟'' ان کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ چوکھٹ کے پاس کھڑی ہو کر پوچھ رہی تھی۔ وہ کمپیوٹر پر کام کر رہے تھے۔ اس کی آواز پر گردن موڑ کر خوش دلی سے بولے۔

''آؤ شیریں، کہو کوئی کام ہے؟''

''کیوں کیا میں آپ کے پاس ہمیشہ کسی کام سے ہی آتی ہوں۔'' وہ بیٹھتے ہوئے برا مان کر بولی تھی۔ جواباً وہ مسکرا دیئے تھے۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا بھئی آخر میری بہن صاحبہ G-4 گروپ کی انتہائی سینئر اور ذمہ دار عہدیدار ہیں، اتنی بھاری ذمہ داریاں کندھوں پر ہیں کہ فارغ وقت کم ہی ملتا ہے۔''

وہ اکثر اسی طرح ان کے گروپ کا نام لے کر ان لوگوں کو چھیڑا کرتے تھے۔

''کیا کر رہے ہیں؟'' اسے اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے دشواری ہو رہی تھی۔ وہ اتنا زیادہ بھائیوں والا انداز رکھتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

''اپنی Mails چیک کر رہا ہوں۔'' وہ دوبارہ مونیٹر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے تھے۔

''اسد بھائی! کتنے سالوں سے ہمارے گھر میں کوئی شادی نہیں ہوئی۔ اب دیکھیں چاچو کی شادی کو بھی چھ سات سال تو ہو ہی گئے ہیں اور بشریٰ باجی کی شادی کو بھی پانچ سال ہو گئے ہیں۔'' انہوں نے ایک دم چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہمارے گھر میں ایک عدد بھابھی آجانی چاہیے۔'' اس نے خود کو دل ہی دل میں ڈانٹا تھا۔

''لعنت ہے تجھ پر شیریں اتنی سی بات نہیں بولی جا رہی۔ بھئی آخر بہنوں کو بھائیوں کی شادی کا ارمان ہوتا ہی ہے۔''

''بالکل صحیح، میں خود کہتا ہوں آجانی چاہیے۔'' ان کا جواب خاصا غیر متوقع تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ پتا نہیں کتنی دیر کی بحث و تکرار کے بعد کہیں جا کر وہ آمادہ ہوں گے۔

''یعنی آپ راضی ہیں۔'' اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

''ہاں!'' خاصا مطمئن انداز تھا۔ وہ خوشی کے مارے ایک دم بیڈ سے اچھل کر ان کے پاس آ گئی تھی۔

''تھینک یو اسد بھائی! اف مجھے کتنی ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے۔ آپ کی شادی میں کتنا مزہ آئے گا۔'' ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر وہ خوشی سے بولی تو وہ بھی مسکرا دیئے تھے۔

''اچھا یہ بتائیں آپ کیسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ بہت خوبصورت یا بہت پڑھی لکھی یا بہت گھریلو اور مشرقی قسم کی۔'' وہ انگلیوں پر گنواتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

وہ اس کے بچکانہ انداز میں خوش ہونے پر مسلسل مسکرا رہے تھے۔

''بتائیں نا!'' انہیں چپ دیکھ کر اس نے اصرار کیا تھا۔

''شیریں! اچھا ہوا یہ بات تم نے مجھ سے خود ہی کر لی۔ دراصل میں خود بھی کافی دنوں سے تم سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ پندرہ بیس روز پہلے ممی اور ڈیڈی بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھ چکے ہیں اور دادی جان کا تو تمہیں پتا ہے۔ پچھلے دو سالوں سے میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اب تم لوگ دس گھر جھانکو، اچھی بھلی لڑکیوں میں عیب نکال کر گناہ گار بنو، بس یہی سب سوچ کر تم لوگوں کو اس زحمت سے بچانے کے لیے تمہاری ہونے والی بھابھی تو میں منتخب کر چکا ہوں اس لیے میں نے تم سے بات کرنے کا سوچا تھا اور دیکھو دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میری چھوٹی سویٹ سی بہن نے بھائی کے کہے بنا ہی سارا مسئلہ حل کر دیا۔''

اس کے ارمانوں پر اوس پڑ چکی تھی۔ ''یہ اسد بھائی بظاہر کتنے شریف لگتے ہیں اور اندر سے پورے ہیں۔ چپکے چپکے لڑکی بھی پسند کر لی۔ ویسے لگتا ہے کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں ہوں گے۔'' وہ ان کے کسی دوست کی بہن تھی۔ شیریں غیر دلچسپی سے ساری تفصیلات سن رہی تھی۔

''ہوں بڑی سیدھی اور معصوم ہے۔'' وہ اسد بھائی کی اس کی شان میں کی گئی تعریفوں پر جل کر سوچ رہی تھی۔

''اتنی تو سیدھی ہیں محترمہ کہ بھائی کے دوست کو پھنسالیا۔ ہاں اتنا ہینڈسم اور کوالیفائیڈ بندہ کسے برا لگتا ہے۔''

اب وہ صرف اور صرف نند بن کر سوچ رہی تھی۔ علیا کی بات دوسری تھی۔ اس کے ساتھ شاید وہ نندوں والا سلوک نہ کرتی مگر وہ سیدھی اور بھولی حسینہ، نہ میں نے ناک میں دم کر کے رکھا تو میرا نام شیریں طیب نہیں۔

اسد بھائی سے وعدہ کر کے کہ وہ ان کی پسند کے بارے میں آج ہی ممی کو بتا دے گی کمرے سے نکل آئی تھی۔

''کیسا رہا؟''

''کیا کہا اسد بھائی نے؟''

''یقیناً یہی کہا ہوگا ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

وہ سب بھانت بھانت کی بولیاں بول رہی تھیں جبکہ وہ غمزدہ انداز میں دونوں ہاتھ لٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔

''شیریں! کیا ہوا ہے تم اتنی چپ کیوں ہو؟'' اس کی خاموشی سے وہ سب دہل گئی تھیں۔

''مجھے معاف کر دینا علیا!'' وہ شرمندگی سے سر جھکا کر بولی تھی۔ ''معجزے اسی دنیا میں ہوتے ہیں مگر تم شاید وہ خوش قسمت نہیں جس کے ساتھ کوئی معجزہ رونما ہو جائے۔''

اس کے مایوسی بھرے انداز پر وہ سب بھی گردنیں لٹکا کر ادھر ادھر بیٹھ گئی تھیں۔ کافی دیر تک ان میں سے کوئی

بھی نہیں بولا تھا۔

''وہ ایک محترمہ ہیں مریم نام کی، جو مسز اسد طیب ہونے کا اعزاز حاصل کریں گی۔'' کچھ دیر بعد وہ خود ہی بولنا شروع ہو گئی تھی۔

رات گئے تک ان سب پر مایوسی سوار ہو رہی تھی۔

''یار! ہم لوگ تو اس طرح ہمت ہار کر بیٹھ گئے ہیں جیسے دنیا ہی ختم ہو گئی ہو۔'' جویریہ کی بات پر باقی سب نے اداسی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی دانش سے بات ہونا باقی ہے اور فرض کرو کہ وہ بھی کسی اور کو پسند کرتا ہے تب بھی دنیا میں لڑکے ختم تو نہیں ہو گئے۔'' وہ سب کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اور دیکھو جب دنیاوی اسباب کے لحاظ سے آپ کو ایسا لگنے لگے کہ کوئی راستہ نہیں بچا تب بھی ایک راستہ تو ہمیشہ کھلا ہوتا ہے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

''میرا مطلب دعا سے ہے۔ ہم سب اپنے اپنے طور پر جو کچھ کر سکتے ہیں کریں گے مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی تو مدد مانگنی چاہیے۔ یہ دیکھو میں اسٹڈی سے داجی کی ''اعمالِ قرآنی'' اٹھا کر لے آئی ہوں۔ اس میں یقیناً شادی کے لیے بھی کوئی نہ کوئی وظیفہ دیا ہوا ہوگا۔''

وہ کتاب ان لوگوں کے سامنے کرتے ہوئے بولی تھی۔ ان سب میں سب سے زیادہ جویریہ کا مذہب کی طرف رجحان تھا۔ بات بات پر نفلیں مانا کرتی تھی۔

''جویریہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' علیا کو خود بھی آج کل اللہ تعالیٰ بہت یاد آ رہا تھا۔ زرین اور شیریں کے مایوس چہروں پر بھی امید کی کرن لہرائی تھی۔ وہ کتاب ہاتھ میں لیے ان تینوں کے درمیان بیٹھ گئی تھی۔ جلدی جلدی صفحے پلٹتے ہوئے شادی کا وظیفہ ڈھونڈا جا رہا تھا۔

''لڑکیوں کی شادی میں تاخیر ہو رہی ہو تو بعد نمازِ تہجد ان اسمائے مبارکہ کا ورد کرنے کے بعد خوب گڑگڑا کر بارگاہِ خداوندی میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے دعا کریں۔ دعا کرتے ہوئے جتنی رقت طاری کی جائے اتنا اچھا ہے۔ انشاء اللہ جلد نصیب کھلیں گے۔''

شیریں نے با آواز بلند پڑھا تو وہ سب بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے تفصیل پڑھنے لگیں۔

''تہجد کے وقت؟'' علیا بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

''یار! کوئی اور آسان سا وظیفہ ڈھونڈ دو۔ میرا فجر میں اٹھنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ تہجد میں کیسے اٹھوں گی۔'' وہ منمنائی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں کوئی اور وظیفہ ڈھونڈنے کی، دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے وہ۔ دیکھو صرف اکیس دن تو پڑھنا ہے، چٹکی بجاتے گزر جائیں گے اکیس دن۔'' جویریہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''نیک کام میں دیر کیسی، آج سے ہی وظیفہ شروع کر دو۔'' ان تینوں نے اسے سمجھایا تھا۔

☆

الارم علیا کے سر پر بج رہا تھا اور وہ بے ہوش پڑی تھی۔ زرین کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کتنی آوازیں دینے کے بعد کہیں جا کر محترمہ جاگی تھیں۔ اسے اٹھا کر زرین کی دوبارہ آنکھ لگ گئی۔ سوتے میں کروٹ بدلی تو اس کے ہاتھ پر ہاتھ پڑا تھا۔

''اٹھیے مہارانی صاحبہ۔'' وہ اس کے سر پر چلّا رہی تھی۔ اب کی بار اسے واش روم میں دھکیلنے کے بعد بھی وہ نہیں سوئی تھی۔ جب تک کہ وہ جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے کھڑی نہیں ہوگئی زرین جاگتی رہی۔

وہ پابندی سے وظیفہ پڑھ رہی تھی۔ دانش سے الجھنا بھی چھوڑا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اسے لڑنے کے لیے اکساتا لیکن وہ نظرانداز کر دیتی۔ زرین اور شیریں کی دادی جان کے ساتھ معمول کی جھڑپیں نہیں ہو رہی تھیں۔ کالج سے آ کر وہ سب سے پہلے نہاتی پھر کوئی اور کام کرتی۔ یہاں تک کہ اس روز جب دوپہر کے کھانے کے وقت دادی جان نے شیریں کا دل جلایا شیریں تب بھی خاموش رہی تھی اور اپنی چپ سے سب کو حیران کر گئی تھی۔

''یہ کیا دلہن چچی آپ نے آج پھر میٹھے میں کچھ نہیں بنایا۔'' اِسے کھانے کے بعد سویٹ ڈش بے حد مرغوب تھی۔ اور کچھ نہ ہوتا تو کھجور یا گڑ تک سے کام چلا لیا کرتی تھی۔

''ہاں ہاں دلہن، میٹھا تو تمہیں ضرور بنانا چاہیے تھا۔ بڑی کمائیاں جو کر کے لائی ہیں صاحبزادی۔''

دادی جان کو ''کمائیوں'' کے طعنے دینے کا بہت شوق تھا۔ کمانے کا طعنہ دے کر وہ ہمیشہ اس کی غیرت کو للکارا کرتی تھیں۔

''کچھ کما کر لائی ہو جو اتنے نخرے دکھا رہی ہو۔'' وہ کہتیں تو جواباً چڑ کر کہتی۔

''آپ عورتوں کی ایسی ہی باتوں نے تو مردوں کو ساتویں آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ مطلب یہ کہ جو کما کر لا رہا ہے وہ سر پر جوتے بھی مارے تو کھا لو۔''

حقوقِ نسواں اس کا پسندیدہ موضوع تھا مگر اور سب کے ساتھ ساتھ خود دادی جان کی حیرت کی بھی انتہا نہ رہی جب وہ جواب میں کچھ بولے بغیر صبر شکر کر کے پانی پی کر ٹیبل سے اٹھ گئی تھی۔

☆

''زرین کہاں ہے؟'' دانش دروازے پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''وہ دلہن چچی کے ساتھ طارق روڈ گئی ہے، کوئی کام ہے تو مجھے بتا دو۔'' علیا نے دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں رہنے دو اسی سے کام تھا۔'' وہ واپس مڑا تو پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

''چائے بنوانی ہے؟'' دانش نے پورے شہر میں جس قدر دوستیاں پال رکھی تھیں اس حساب سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس کی زرین سے دوستی کا سبب بھی یہی تھا اس کے دوست بلاناغہ تشریف لاتے اور وہ بغیر تیوری پر بل لائے نہ صرف یہ کہ چائے بنا دیتی بلکہ اکثر شامی کباب، سموسے یا رول وغیرہ بھی فرائی کر کے دے دیا کرتی۔ اپنے باقی گروپ ممبران کے برخلاف وہ کوکنگ میں خاصی ماہر تھی اور کچن کے کام کرنا اسے کبھی بھی برا نہیں لگتا تھا۔

''میں بنا دیتی ہوں۔''

''تم؟'' وہ آنکھوں میں استعجاب لیے اسے دیکھتا رہا تھا جبکہ وہ جلدی سے کچن میں گھس گئی تھی۔ آج تو دوست بھی ایک آدھ نہیں پوری پلٹن تھی۔ اس کے ڈھیر سارے دوستوں کے لیے چائے کے ساتھ ساتھ خوب سارے لوازمات بڑے قرینے سے ٹرالی میں سجا کر اس نے علی کے ہاتھ بھجوا دیے تھے۔

شام میں ان لوگوں کو اپنی کارکردگی کے بارے میں بتایا تو سب نے شاباش دی تھی۔

اسی روز ان لوگوں نے زرین کو دادی جان کے کمرے میں بھیجا تھا۔

''ذرا انہیں اور ممی کو ہموار تو کرو، تم ویسے بھی ہم چاروں میں چھوٹی ہو، تمہارے کہنے پر انہیں شک بھی نہیں ہوگا کہ اپنے بارے میں بات کر رہی ہے۔ یہی سوچیں گی کہ تم ہم لوگوں کے لیے ان سے بات کر رہی ہو۔'' شیریں نے تجویز دی تھی۔

''لائیں نانی! میں آپ کے سر میں تیل لگا دوں۔'' وہ ان کے پاس بیٹھی لگاوٹ سے کہہ رہی تھی۔

''خیال آ گیا تمہیں بوڑھی نانی کا۔'' انہوں نے حسبِ عادت طنز کیا تھا۔ شگفتہ آنٹی بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

''کس نے کہا آپ بوڑھی ہو گئیں، میری فرینڈز تو کہتی ہیں کہ تمہاری نانی کتنی ینگ لگتی ہیں، تم لوگوں سے زیادہ فریش اسکن ہے ان کی۔''

ایسی بات جو اس کی دوستوں نے کبھی بھی نہیں کی تھی کہہ کر اس نے انہیں مکھن لگانے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ حسبِ توقع تھا، اپنی عمر کے بارے میں تمام خواتین اتنی ہی حساس ہوتی ہیں۔ ان کا موڈ کافی بہتر ہو گیا تھا۔ اس سے تیل لگواتے ہوئے وہ ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگی تھیں۔

''کیا؟ آپ کی شادی تیرہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔''

ہزار دفعہ کی سنی ہوئی بات پر وہ یوں حیران ہو رہی تھی جیسے آج پہلی مرتبہ یہ بات اس کے علم میں آئی ہو۔

''واقعی آپ داجی سے بارہ سال چھوٹی ہیں۔''

اس کی حیرانی پر شگفتہ آنٹی نے بھی تعجب سے سر اٹھا کر بغور اسے دیکھا تو وہ کچھ کھسیانی سی ہو گئی جبکہ نانی اس کے اتنی زیادہ دلچسپی لینے پر مزید تفصیلات سنانے لگی تھیں۔

''ارے تم لوگوں کی طرح نہیں تھا ہمارا زمانہ، آج کل کی پچیس سال کی لڑکیاں بچیاں بنی گھومتی ہیں۔ مائیں نہ کوئی سلیقہ سکھاتی ہیں نہ سینا پرونا، موئی پڑھائیاں ہی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ مائیں بھی ''ابھی بچی ہے'' کہہ کر جان چھڑا لیتی ہیں۔ ہم تو پچیس سال کی عمر میں بچپن، جوانی سب گزار کر سمجھو بڑھاپے میں داخل ہو گئے تھے اور یہ تم اپنے داجی کو کم نہ سمجھو اب جتنے نرم خو ہیں۔ پہلے اتنے ہی تنک مزاج، بات بات پر مزاج بگڑ جاتا تھا۔''

وہ اپنے پسندیدہ موضوع پر بولنے کی قدرت رکھتی تھیں۔

''نانی! آپ کے خیال میں لڑکیوں کی شادی کی صحیح عمر کیا ہے؟'' وہ مطلب کی بات کی طرف بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

''میری پوچھو تو سترہ اٹھارہ سال میں لڑکی کو رخصت کر دینا چاہیے۔'' وہ فوراً بولی تھیں۔

''نانی کے حساب سے تو میں بھی لیٹ ہو گئی ہوں۔'' اس نے فوراً سوچا تھا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں آپ، بچیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا اچھا ہے۔" وہ پکا سا منہ بنا کر دادی اماؤں کی طرح بولی تھی۔ شگفتہ آنٹی کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"میں نے تو ایک جگہ حدیث بھی پڑھی ہے کہ والدین کو اپنے بچوں کی شادی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اب دیکھیں لڑکوں کا تو یہ مسئلہ ہے کہ کمانے لگیں، صحیح سیٹ ہو جائیں ورنہ کون اپنی بیٹی دے گا لیکن لڑکیوں کے ساتھ تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں پھر خوامخواہ دیر کیوں کی جائے۔ کالجوں یونیورسٹیوں کے دھکے کھا کھا کر شکلوں پر پھٹکار پڑ جاتی ہے اور کچھ نہیں تو آنکھوں پر دو دو من کی عینکیں لگ جائیں گی۔ حال سے بے حال حلیہ بگڑا ہوا، آنکھوں کے نیچے حلقے، نہ چہرے پر شگفتگی نہ تازگی، چلی آ رہی ہیں۔ پوچھو تو کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی ایم اے، کوئی ایم ایس سی، کوئی انجینئر، کوئی سی اے پھر اتنا پڑھ جائیں تو ہم پلہ رشتہ ڈھونڈنا الگ دردسری۔ اب اگر لڑکی ایم اے پاس ہے تو ماں باپ کسی پی ایچ ڈی کیے ہوئے بندے کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں اور آج کل یہی تو فرق ہے۔ پہلے بس اچھا شریف کھاتا کماتا لڑکا دیکھا اور بیٹی بیاہ دی اب تو جی پہلے ڈگریز دیکھی جاتی ہیں پھر بات آگے بڑھتی ہے۔" اس نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی تھی۔

انہوں نے تو خود اپنی دونوں بیٹیاں بھی کم عمری میں بیاہ دی تھیں۔ لڑکیوں کا زیادہ پڑھنا انہیں پسند نہیں تھا مگر نئے زمانے کے نئے انداز دیکھ کر خاموشی سادھے رکھتی تھیں۔ اپنے مطلب کی بات اس سے سن کر انہیں حقیقتاً خوشی ہوئی تھی۔ کافی دیر تک وہاں اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔ خود شگفتہ آنٹی کا موقف بھی یہ تھا کہ اگر دورانِ تعلیم بہت اچھا رشتہ آ جائے تو اسے قبول کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

☆

"یہ مٹھائی کہاں سے آئی؟" کچن میں رکھا مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر زرین نے دلہن چچی سے پوچھا تھا۔

"سمیرا کی منگنی کی مٹھائی ہے۔" وہ کیک بیک کرنے کی تیاری کر رہی تھیں، انڈے توڑ توڑ کر سفیدی اور زردی الگ الگ پیالوں میں نکال رہی تھیں۔

"اچھا تو سمیرا بیگم کی منگنی ہو گئی۔"

سمیرا ان کے برابر والے گھر میں رہتی تھی اور اپنی بے پناہ اوچھی حرکتوں کے سبب ان چاروں کی انتہائی ناپسندیدہ شخصیات میں شمار ہوتی تھی۔ ابا ان کے دبئی میں کما رہے تھے اور اماں بیٹیاں یہاں ان کی محنت کی کمائی لٹا رہی تھیں۔

"آنا تم دیکھنے ڈیڈی نے سونی کا نیا سی ڈی پلیئر بھجوایا ہے۔"

"بھائی نے مجھے سالگرہ پر گولڈ کی چین دی ہے یہ دیکھو۔"

"یہ سوٹ میں بریزے سے لائی تھی، زیادہ مہنگا نہیں ہے، اب اس مہنگائی میں چھ سات ہزار روپے کی ویلیو ہی کیا ہے۔"

"ڈیڈی کہہ رہے تھے پیسوں کی پروا مت کرو، جتنے کا بھی ہے "پینٹیم فور" خرید لو، میں چاہتا ہوں میرے بچوں کے پاس بالکل نئے ماڈل کا کمپیوٹر ہو۔" ہر ملاقات میں وہ اسی نوعیت کی گفتگو کیا کرتی تھی۔ اس کی سوچ کپڑوں جوتوں اور کاسمیٹکس سے آگے جاتی ہی نہیں تھی، کافی سالوں تک ٹام کروز کا پوسٹر اپنے بیڈروم میں لگائے رکھنے کے بعد

اب اس نے اس کی جگہ ریتھک کا پوسٹر لگا لیا تھا۔

وہ کمرے میں آئی تو چونکانے والے انداز میں سمیرا کی منگنی کی خبر ان لوگوں کے گوش گزار کی۔

"بڑی نئی خبر ہے۔" علیا جل کر بولی تھی۔

"خود لے کر آئی تھیں محترمہ مٹھائی، جس لڑکی کو دیکھو اس کی منگنی اور شادی ہو رہی ہے، ایسا لگتا ہے کسی نے ہم لوگوں پر تو بندش کرا رکھی ہے۔" وہ چڑچڑے انداز میں بولی تو رائٹنگ ٹیبل پر کتاب پڑھتی ہوئی شیریں ایک دم گردن گھما کر بولی۔

"ہم لوگوں پر نہیں صرف تم پر، تمہارے علاوہ فی الحال ہم تینوں میں سے کسی کا بھی آئندہ چار پانچ سال تک شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"صحیح بات ہے ہم سب ابھی سنجیدگی سے صرف پڑھائی کی طرف توجہ رکھنا چاہتے ہیں۔" جویریہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"ویسے ہوئی کہاں اس کی منگنی؟" زرین کو تجسس ہوا تھا۔

"بالکل غیر ہیں لڑکے والے، کسی فنکشن میں دیکھ کر موصوف نے خاتون کو پسند کر لیا، کہہ رہی تھی جھٹ پٹ منگنی ہوئی ہے۔ شادی بھی دو تین مہینوں کے اندر اندر ہو جائے گی۔ ہم نے تو ہر جتن کر لیا، دعائیں بھی کر لیں لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوا۔" وہ بڑے ماتمی انداز میں بول رہی تھی۔

رات میں سمیرا ان لوگوں سے ملنے آئی تو ان لوگوں نے یہی سوچا کہ جو لڑکی اپنے کپڑوں جوتوں اور جیولری کی نمائش کرتے نہیں تھکتی، منگنی ہو جانے پر تو وہ جتنا چھچھورا پن نہ دکھا دے کم ہے، غالب امکان یہی تھا کہ چونکہ صبح زرین، شیریں اور جویریہ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی تو اب انہیں اپنی منگنی کا آنکھوں دیکھا حال سنانے تشریف لائی ہیں۔

"بھائی ابھی ابھی تصویریں ڈیولپ کروا کر لائے تھے۔ میں نے سوچا تم لوگوں کو اپنی منگنی کی تصویریں ہی دکھا دوں۔ اصل میں ہم نے صرف خاندان کے قریبی لوگوں کو انوائیٹ کیا تھا، ممی کہہ رہی تھیں خوامخواہ لوگ نظر لگا دیتے ہیں اس لیے زیادہ لوگوں کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تو ویسے ہی جس کو دیکھو ہم سے جلتا ہے، پتا نہیں لوگ دوسروں کی خوشیوں سے جلتے کیوں ہیں۔"

ان سب میں سے یہ جملے سب سے زیادہ علیا کو کھل رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ براہِ راست اسے ہی کہہ رہی ہے۔ وہ البم کھول کر ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"یہ میری ساس، یہ نند، یہ دیور، یہ جٹھانی۔" وہ مختلف لوگوں کی طرف اشارے کرتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں بتا رہی تھی۔

"بے چاری۔" ساس کا ذکر ہونے پر علیا، شیریں کے کان میں بولی تھی۔ "جس کے نصیب میں اتنی خطرناک بہو لکھی ہو، اس سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے۔"

"کیا ہوا تم کچھ کہہ رہی ہو؟" سمیرا نے اسے کان میں کھسر پھسر کرتے دیکھ کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی سیدھی ہو گئی۔

''اور یہ وہ ہیں۔'' کچھ شرماتے ہوئے ''وہ'' کی رونمائی ہوئی تھی۔

علیا کے کلیجے میں ایک دم ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔ ''اس اول جلول سے منگنی ہونے پر صرف سمیرا ہی خوش ہو سکتی ہے۔'' اس نے خود سے کہا تھا۔ عجیب ہونق سا بال اڑے اڑے سے ہر تصویر میں منہ کھلا ہوا، اچھا خاصا باؤلا لگ رہا تھا۔

''لگتا ہے پیدائش کے بعد اس کے حفاظتی ٹیکے نہیں لگے۔'' جویریہ کی سرگوشی علیا کے لیے تھی مگر سن زرین نے بھی لی تھی۔ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے میں اسے خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ علیا تو تھی ہی ایسی اس سے نہ غصہ کنٹرول ہوتا تھا نہ ہنسی۔

''ارے وہ نہیں ہوتے اسپیشل بچے ویسا لگ رہا ہے۔'' زرین شیریں کے کان میں بولی تھی۔

''بہت ہینڈسم ہیں تمہارے منگیتر، سوڈیشنگ، بس اب تم ریتھک کا پوسٹر ہٹا کر ان کی تصویر لگا لو۔''

سمیرا ان لوگوں کے تاثرات سے بھانپ گئی تھی کہ یقیناً اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اسی لیے چہرے کے زاویے بگڑنا شروع ہو گئے تھے۔

''ریتھک کا ہٹا کر کیوں اس کے برابر میں اور نیچے لکھ دو 'Beauty and the beast'' علیا کی سرگوشی مکمل تو نہیں لیکن beast تو اس کے کانوں تک پہنچ ہی گیا تھا۔ منہ پھول گیا تھا۔ اب وہ بڑے غصے سے ''سسرال سے منگنی پر گولڈ کے پانچ سیٹ آئے اور منگنی کی انگوٹھی، De beers کی تھی'' بتا رہی تھی مگر آتے وقت والا جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ البم ختم ہوتے ہی وہ ان لوگوں کے بہت روکنے پر بھی نہیں رکی تھی۔ اس کے جانے کے بعد بھی وہ لوگ کافی دیر تک تبصرہ کرتی رہی تھیں۔ علیا کا جو صبح سے موڈ آف ہوا ہوا تھا وہ بھی بتدریج بہتر ہو رہا تھا۔

☆

زرین لان میں ٹہل ٹہل کر رٹے لگا رہی تھی۔ کل اس کا ٹیسٹ تھا۔ علیا بھی وہیں لان میں ہی موجود تھی۔ پورچ میں گاڑی رکی تو ان دونوں ہی نے مڑ کر دیکھا تھا۔ گاڑی کا دروازہ بند کرتا ہوا دانش ان ہی لوگوں کے پاس آ گیا تھا۔

''امتحان اس کے قریب ہیں اور رٹے تم لگا رہی ہو۔''

وہ لان چیئر پر علیا کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ میگزین کھولے ماڈل کے مختلف ہیئر اسٹائلز پر غور کر رہی تھی۔

''ارے ہاں یاد آیا، کل میرے کپڑے استری کر کے کمرے میں کس نے رکھے تھے؟''

''میں نے۔'' وہ بڑے سکون سے بولی تھی۔

''تم نے؟'' وہاں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''ہاں بھئی، اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ میں اپنے کپڑے استری کرنے گئی۔ آئرن اسٹینڈ پر تمہارے کپڑے رکھے نظر آئے تو میں نے وہ بھی پریس کر دیئے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

زرین نے ٹہلتے ٹہلتے دور سے ہی اسے ''ویل ڈن'' اور ''کیری آن'' کے اشارے کیے تھے۔ وہ کچھ دیر تک اس کی طرف حیرت سے دیکھنے کے بعد کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''داجی! ایک بہت ہی اچھا شعر یاد آ رہا ہے، سناؤں۔'' کھانے کی میز پر گھر کے تمام افراد موجود تھے جب دانش نے داجی کو مخاطب کیا تھا۔

''ارشاد ارشاد۔'' ان کے جواب دینے سے پہلے چاچو اور علی ایک ساتھ بولے تھے۔

''عرض کیا ہے۔'' وہ ایک نظر علیا پر بطورِ خاص ڈالتے ہوئے بولا۔

آج کل ان کو بہت ہے مری خاطر منظور
یا مری یا مرے دشمن کی قضا آئی ہے!

''واہ واہ سبحان اللہ مکرر۔'' علی مسخرے پن سے بولا تھا مگر وہ چاروں اور خاص طور پر علیا اس کی معنی خیز نظروں سے ایک دم بوکھلا گئی تھیں حالانکہ اپنے طور پر وہ لوگ بڑی چالاکی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ زرین نے ابھی تک اس سے کوئی بات نہیں کی تھی مگر وہ بھی چالاکی میں ان کا استاد تھا۔

''اب کیا ہو گا؟ دانش کو شک ہو گیا ہے۔'' علیا کی پریشانی دیدنی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا تم پریشان مت ہو، اسے صرف یہی شک ہوا ہے ناکہ کچھ گڑبڑ ہے، اصل بات تو اس کے فرشتے بھی نہیں جان سکتے۔ اب اگر اس کا خود کوئی انٹرسٹ ہوا تو تمہارے رویئے کے بدل جانے پر وہ بہت خوش ہو گا ورنہ یہی سوچتا رہے گا کہ تمہیں ضرور اس سے کوئی کام ہے لیکن کیا کام ہے یہ اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔'' زرین نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی تھی۔

''لیکن مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھو اب تم اس سے کچھ مت کہنا، مجھے بہت شرمندگی ہو گی اگر اسے اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی کہ میں اتنی نیک پروین کیوں بن رہی تھی۔'' وہ ہاتھ مسلتے ہوئے پریشانی سے بول رہی تھی۔

''لیکن اب دانش ہی تو امید کی آخری کرن ہے، اس سے بات نہیں کروں گی تو مسئلہ حل کیسے ہو گا۔''

''جو بھی ہو بس میری انا مجھے دانش کے سامنے نیچا پڑنے کی اجازت نہیں دے رہی۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی تو جویریہ طنزیہ انداز میں فوراً بولی۔

''تمہاری انا یقیناً اس وقت ماؤنٹ ایورسٹ سر کر لے گی جب مما سب گھر والوں کے سامنے تمہاری مارک شیٹ ہاتھ میں لیے اردو میں پندرہ یا بیس اور کیمسٹری میں تو شاید زیرو نمبر لانے پر گرج چمک کے ساتھ برس رہی ہوں گی اور ویسے اردو اور کیمسٹری تمہارا ذاتی خیال ہے۔ میرے حساب سے تو اس فہرست میں بوٹنی اور زولوجی کو بھی شامل کر لو۔''

اس کے منہ سے یہ دل خراش اور ہولناک نقشہ سن کر وہ ایک دم رونے لگی تھی۔

''بری بات ہے جویریہ! دیکھو تم نے اسے رلا دیا۔'' وہ دونوں اسے چپ کرانے کے جتن کرتی ہوئی جویریہ سے الجھیں۔

''یہ اس کی اپنی حرکتیں ہیں، ان خرافات سے بہتر تھا محترمہ سنجیدگی سے پڑھائی میں دل لگا لیتیں۔ تم لوگ پُرامید ہو تو ہو مجھے نہیں لگتا کہ اچانک کوئی جادو کی چھڑی گھومے گی اور علیا حامد کی شادی خانہ آبادی ہو جائے گی۔''

جویریہ پر پھر حق گوئی کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ اسے چھوڑ کر وہ لوگ علیا کو سمجھانے اور دلاسا دینے بیٹھ گئی تھیں۔

چپ چپ تو وہ جویریہ کی باتوں کے بعد سے ہی تھی مگر اگلے روز کالج سے آنے کے بعد جب اس نے نہ تو دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر نہ رات کا تو سب ہی کو تشویش ہوئی تھی، طاہرہ آنٹی کے استفسار پر اس نے طبیعت ٹھیک نہ ہونے

کا بہانہ کر دیا تھا۔

''علیا کیا ہوا؟'' وہ تینوں اس کے اردگرد بیٹھ گئی تھیں۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے کتابوں کا انبار، بہت سے نوٹس، کیلکولیٹر، لیکچر کا پلندہ۔ اس کے سامنے رکھی کتابوں کی پہاڑی دیکھ کر تو وہ لوگ بھی ڈر گئی تھیں۔

مرنے کے دن قریب ہیں شاید کہ اے حیات
تجھ سے طبیعت اپنی بہت سیر ہو گئی

اس کے سامنے اردو کے نوٹس کھلے ہوئے تھے۔ کھوئے کھوئے انداز میں اس نے ان لوگوں کی بات کے جواب میں یہ شعر پڑھا تھا۔ شعر کے معنی و مطلب سے زیادہ وہ اس کے شعر پڑھنے پر ہول گئی تھیں۔

''سنو تم کیا خودکشی کرنے والی ہو؟'' جویریہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

''ہاں مما کے ہاتھوں ذلیل ہونے سے تو مرنا ہی بہتر ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''ڈیٹ شیٹ آ گئی، پہلا پیپر آج سے ٹھیک ڈیڑھ مہینہ بعد اردو کا ہے، اس کے دو دن بعد کیمسٹری پھر چار دن کا گیپ اور بوٹنی۔''

بتاتے بتاتے وہ زاروقطار رونے لگی تھی۔ وظیفہ ختم کیے بھی اسے چھ سات روز ہو گئے تھے۔ کتنی پابندی سے اس نے اکیس روز تہجد کے وقت عبادت کی تھی مگر شاید اس کے ستارے ہی گردش میں تھے۔

''سمیرا کا بہت مذاق اڑا رہے تھے کہ اس کا منگیتر ''اسپیشل منگیتر'' ہے، اسے حفاظتی ٹیکوں کا کورس نہیں کروایا اس کی اماں نے۔ پولیو ڈراپس اور وٹامن اے کے قطرے نہیں پلوائے گئے اور یہاں تو ایسا نہ ویسا۔ چلو نجو ہی سہی وہ بھی دستیاب نہ ہو سکا۔''

وہ بری طرح رو رہی تھی۔ اس روز سمیرا کے منگیتر کی شان میں کیے گئے تبصروں کو وہ روتے ہوئے جتنے دل گرفتہ انداز میں دہرا رہی تھی ان لوگوں سے ہنسی رک نہیں رہی تھی۔

''میں نے سوچا، جب کوئی فائدہ ہی نہیں تو یہ جو ڈیڑھ مہینہ باقی ہے اس میں پڑھنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن اگر کسی وقت میں خودکشی جیسے انتہائی اقدام پر مجبور ہو جاؤں تو میرے مرنے کے بعد مما کو یہ ضرور بتا دینا کہ آپ کی بیٹی صرف اور صرف آپ کے ظلم و ستم کی وجہ سے اس دنیا سے منہ موڑ گئی۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆

اگلے روز جب ایک نئے دن کا سورج طلوع ہوا تو ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آزمائشوں کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ نیا سورج نئی خوشیوں کا پیامبر بن کر طلوع ہوا ہے۔ وہ صبح بڑی عام سی صبح تھی۔ وہی روزانہ والی بھاگ دوڑ۔ شیریں کو اپنا کلف لگا وائٹ دوپٹہ نہیں مل رہا، زرین اپنا جنرل ڈھونڈ رہی ہے، جویریہ اپنا فیس واش ختم کر دینے پر شیریں سے الجھ رہی ہے اور علیا یونیفارم پہنے طاہرہ آنٹی کے سوال جواب سے نمٹ رہی ہے۔

''تمہاری کلاسز کب سے آف ہو رہی ہیں؟''

صرف کیمسٹری کا سلیبس رہ گیا ہے، اسی کی ایکسٹرا کلاسز ہو رہی ہیں اور زولوجی کے پریکٹیکلز تھوڑے سے رہ گئے تھے۔ میم کہہ رہی تھیں ایک ہفتہ میں ختم کرا دیں گی۔'' وہی اس کا ڈرا سہا انداز۔ پڑھائی سے متعلق گفتگو ہونے پر سر کا جھک جانا لازمی امر ہوا کرتا تھا سو سر جھکا ہوا ہی تھا۔

علیا کو ایک گریس فل سی خاتون کے ساتھ لنگڑاتے ہوئے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے شیریں نے دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اٹھی تھی اور اب نہا کر بالکونی میں کھڑی بال سکھا رہی تھی۔

''جلدی آؤ، دیکھو تو علیا پتا نہیں کس کے ساتھ آئی ہے۔'' اس نے کمرے کی طرف منہ کر کے جویریہ کو آواز دی تو وہ بھاگم بھاگ فوراً باہر نکلی تھی۔

''کون ہیں یہ خاتون اور یہ علیا کو کیا ہوا لنگڑا کر کیوں چل رہی ہے، ارے وہ دیکھو ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر وہ بندہ بھی ہمارے ہی گھر میں گھس رہا ہے، اف کتنا ہینڈسم ہے، دیکھو تو ہائٹ کیا زبردست ہے۔''

جویریہ اس طرح بول رہی تھی جیسے شیریں تو شاید آنکھیں بند کر کے کھڑی ہے، اس کی باتوں کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے وہ تیز رفتاری سے دوڑ لگاتی کمرے سے کوریڈور، کوریڈور سے سیڑھیوں اور سیڑھیوں سے ڈرائنگ روم تک پہنچی تھی۔ جویریہ اس کی تیز رفتاری دیکھتی رہ گئی تھی۔ اپنا یہاں کھڑا رہنا اسے انتہائی فضول لگا تو وہ خود بھی سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتر آئی تھی۔ انڈین اسٹائل کی کاٹن کی ساڑھی پہنے وہ خاصی متاثر کن شخصیت کی مالک تھیں۔ سنہری فریم کے نازک سے گلاسز، بات کرنے کا دھیما اور شائستہ انداز، جویریہ اندر جانے کے بجائے لاؤنج سے ہی اندر ہونے والی گفتگو سے فیض یاب ہونے لگی تھی۔ شیریں بھی وہیں کھڑی تھی۔ ڈرائنگ روم میں دادی جان کے علاوہ شگفتہ آنٹی اور داجی بھی موجود تھے۔

''جی میں بی اے کی اسٹوڈنٹس کو انگلش پڑھاتی ہوں۔''

وہ داجی کی کسی بات کے جواب میں بولی تھیں۔ صاحبزادے مسلسل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

''یار یہ ہیں کون؟ یہ ماجرا کیا ہے؟''

''میں خود سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' شیریں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔

''جہاں تک میں سمجھی ہوں ان کی گاڑی سے علیا کا کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' ادھر ان دونوں کی گفتگو جاری تھی ادھر وہ لوگ داجی کے بہت اصرار پر بھی معذرت کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے تھے۔

''دیکھیں کوئی تکلف نہیں ہے، ہمارا اپنا ہی گھر ہے۔ انشاءاللہ پھر آئیں گے تو صرف چائے کیا آپ لوگوں کے ساتھ کھانا بھی کھائیں گے۔''

خاتون پرس کندھے پر ڈال کر دادی جان سے بولی تھیں۔ سب کو خدا حافظ کر کے انہوں نے علیا کو بڑی محبت سے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

''احتیاط کرنا بیٹا! دو چار بیڈ ریسٹ کرو گی تو چوٹ جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔''

ان کے لہجے میں جتنی مٹھاس گھلی ہوئی تھی وہ ان دونوں کو چونکانے کے لیے کافی تھی۔ صاحبزادے نے بھی داجی سے ہاتھ ملانے کے بعد نکلنے سے پہلے ایک سرسری سی نظر صوفے پر بیٹھی علیا پر ڈالی تھی مگر وہ سرسری نظر خاصی

گہرائی لیے ہوئی تھی۔

''لگتا ہے علیا کی دعائیں قبول ہوگئیں۔''

شیریں بڑبڑائی تھی۔ ادھر وہ لوگ رخصت ہو رہے تھے ادھر زرین گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے اندر کی صورتحال سے وہ بے خبر تھی۔ جوان لوگوں کا بغور جائزہ لیتی، عام سے انداز میں سلام کرتی وہ لاؤنج میں گھسی تو ان لوگوں کو کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پورچ کی طرف دیکھتے پا کر ٹھٹک کر رک گئی۔

''کیا ہوا ہے تم لوگوں کو؟''

اسے جواب دیئے بغیر وہ دونوں ڈرائنگ روم کی طرف دوڑی تھیں۔ ان لوگوں کی حرکتوں پر حیران ہوتی وہ بھی پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔ علیا شلوار اوپر کیے اپنی چوٹ کا معائنہ کر رہی تھی۔ ابھی وہ لوگ کچھ پوچھ بھی نہیں پائی تھیں کہ دادی جان وغیرہ بھی وہیں آگئیں۔

''کہاں چوٹ لگی ہے؟ دکھاؤ مجھے۔'' دادی جان کو تشویش ہو رہی تھی، گھٹنے پر کی گئی ڈریسنگ کا وہ بڑا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔

''آنکھیں کھول کر نہیں چلا جاتا تم سے، سامنے سے گاڑی آ رہی ہے اور یہ روڈ کو لان سمجھ کر چہل قدمی فرما رہی ہیں۔''

''میری غلطی نہیں تھی دادی جان! وہ موصوف ہی ضرورت سے زیادہ جلدی میں تھے۔'' وہ ان کے ڈانٹنے پر چڑ کر بولی تھی۔

''ہاں تب ہی تو اماں بیٹا جلدی سے ڈاکٹر کے ہاں بھی لے گئے اور پھر گھر چھوڑنے بھی آگئے۔'' شگفتہ آنٹی نے بھی لب کشائی کی تھی۔

طاہرہ آنٹی کی بھی اسی وقت آمد ہوگئی، پھر تو ان لوگوں کو علیا صاحبہ کافی دیر تک ہاتھ ہی نہیں لگیں۔ انہوں نے جب تک ایکسرے وغیرہ کروا کر تسلی نہیں کر لی سکون سے نہیں بیٹھیں۔

''وہ خاتون بھی اور ان کے لاڈلے سپوت بھی علیا پر خاصے مہربان لگ رہے تھے۔ لگتا ہے دعاؤں کے قبول ہونے کا وقت آچکا ہے۔'' شیریں ان دونوں سے بولی تھی۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ یوں ہی انسانی ہمدردی میں یا اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے سبب اتنی ملنساری اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر رہے ہوں۔''

''میں نے یہ بال دھوپ میں براؤن نہیں کیے۔''

''جی ہاں معلوم ہے ہمیں، آپ نے بال ڈائی کروا کر براؤن کیے ہیں۔'' جویریہ جواباً فوراً بولی تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''لگا لو شرط جتنے کی چاہو، موصوف علیا پر عاشق ہو چکے ہیں، آخر ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں، شیریں طیب اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہے۔''

اس کے دعوؤں کی صداقت کا فیصلہ آنے والے وقت کو کرنا تھا اسی لیے وہ دونوں مزید بحث کیے بغیر خاموش

ہوگئیں۔ البتہ انہوں نے اپنی ان آراء سے علیا کو بے خبر ہی رکھا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو خوامخواہ بے چاری کا دل ٹوٹ جائے گا (جو پہلے ہی پے در پے صدمات کا بوجھ اٹھا کر چکنا چور ہو چکا تھا۔)

علیا سے تمام تفصیل سنی تو پتا چلا خاتون اسی کے کالج میں پڑھاتی تھیں۔ علیا شکلاً ان کو پہلے سے جانتی تھی مگر چونکہ وہ ان لوگوں کی کلاس کو نہیں پڑھاتی تھیں اس لیے زیادہ واقفیت نہیں تھی۔

پریکٹیکل ہوا نہیں تھا، وہ وین والے کا انتظار کرنے کے بجائے پبلک بس سے گھر آجانے کا سوچتی ہوئی کالج سے نکلی تھی جب سامنے سے آتی تیز رفتار گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ خود کو بچانے کے چکر میں اس کا پیر بری طرح مڑا تھا اور وہ اوندھے منہ روڈ پر گر گئی تھی۔ گاڑی کو ایک دم بریک لگا کر روکتے ہوئے وہ موصوف اتر کر اس کے پاس آگئے تھے اور پھر ابھی معذرت کر ہی رہے تھے کہ ان کی اماں بھی کالج سے برآمد ہو گئی تھیں۔ روڈ پر گرنے کی شرمندگی کی وجہ سے وہ فوراً ہی خود کھڑی ہو گئی تھی۔ گھٹنے میں سے اٹھنے والی ٹیسیں ناقابلِ برداشت تھیں۔ پھر وہ خاتون اسے جلدی سے گاڑی میں بٹھا کر قریب ترین کلینک لے گئی تھیں۔ بیٹے صاحب بھی فرماں برداری سے ساتھ ساتھ رہے تھے۔ وہاں سے بینڈیج کروا کر وہ اسے گھر چھوڑنے آئے تھے۔

''بہت افسانوی سچویشن ہوئی ہے تمہارے ساتھ۔'' ان تینوں نے ہم آواز ہو کر تبصرہ کیا تھا۔

اور پھر شیریں کا یہ دعویٰ کہ وہ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہے سچ ثابت ہو گیا تھا۔ اگلے روز ان کا فون آیا تھا اور انہوں نے علیا سے خیریت پوچھنے کے بعد دادی جان سے بھی بات کی تھی۔ ان کے فون کا سنتے ہی وہ لوگ الرٹ ہوگئی تھیں۔ زرین نے فون سنتے وقت دادی جان کے تاثرات ملاحظہ کیے تھے اور شیریں اور جویریہ نے ان دونوں کی گفتگو ان ہی کی زبانی اپنے کمرے میں بیٹھ کر سنی تھی۔

وہاں سے باقاعدہ رشتہ آجانا علیا کے لیے ایسا تھا جیسے اسے ہفتِ اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

''میں نے اتنے سچے دل سے وظیفہ پڑھا تھا کیا اللہ تعالیٰ کو مجھ پر رحم نہ آتا۔'' وہ اتراتے ہوئے بولی تھی۔

''اور یہ وظیفہ بتایا کس نے تھا؟'' جویریہ نے آنکھیں نکالی تھیں۔

''اور اس سے بھی پہلے اس سب کے پیچھے ماسٹر مائنڈ کون تھا؟ کس نے شادی والی ترکیب سوچی تھی۔'' زرین نے ہاتھ نچائے تھے۔

''اور سب سے بڑی بات یہ کہ دادی جان کو بچیوں کی شادی کے لیے کس نے ہموار کروایا تھا۔ اب تو انہوں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے ورنہ تو صاف انکار کر دیتیں کہ ابھی بچی پڑھ رہی ہے۔'' اسے اپنا ایک اور کارنامہ یاد آیا تھا۔

گھر میں اس رشتے کے حوالے سے دو گروپ بن گئے تھے۔ ایک گروپ دادی جان کی سربراہی میں تشکیل پا چکا تھا جبکہ دوسرا گروپ طاہرہ آنٹی کا تھا۔ دادی جان ان کا کوئی اعتراض سننے کی روادار نہ تھیں۔ اپنے طور پر تمام چھان بین اور اطمینان کروا لینے کے بعد انہوں نے استخارہ بھی کر لیا تھا اور اب مکمل طور پر اس رشتے کے حق میں تھیں۔ اتفاق سے موصوف احسن معین کی جاب اوسلو میں تھی اسی لیے زرین کے ابو کے ذریعے ان کے چال چلن اور جاب وغیرہ کے بارے میں مکمل چھان بین کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

''بچیاں جتنی جلد اپنے گھروں کی ہو جائیں اتنا اچھا ہے۔ اچھے رشتے روز روز نہیں ملتے اور کیا چاہتی ہو، پڑھا لکھا قابل داماد، اچھی جاب، صورت شکل بھی لاکھوں میں ایک، ماں باپ، بہن بھائی سب پڑھے لکھے، رکھ رکھاؤ والے، کھاتے پیتے، تمہاری بیٹی کے جتنے نخرے ہیں وہ سب بھی آرام سے سہہ لیں گے۔''

دادی جان کا لہجہ دوٹوک اور سو فیصد ساسوں والا حکمیہ لہجہ تھا۔ زرین کا جملہ شاید انہیں بہت ہی پسند آ گیا تھا اسی لیے ہر بحث میں جملہ ضرور بولا جاتا تھا۔ طاہرہ آنٹی کی حمایت کرنے والے بھی رشتے کی خوبیوں کے معترف تو بہرحال تھے۔ سب یہ چاہ رہے تھے کہ بات منگنی یا بہت سے بہت نکاح پر آ کر ٹھہر جائے مگر وہاں مسئلہ یہ تھا کہ احسن کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اسے واپس جانا تھا، اس کا تو چلو یہ تھا کہ چار پانچ مہینے بعد چھٹیاں لے کر دوبارہ آ جاتا مگر اس کی بہن جو کینیڈا سے آئی ہوئی تھی اس کا اتنی جلدی دوبارہ آنا ممکن نہیں تھا اور وہاں اکلوتی بہن کی بھائی کی شادی میں موجودگی بہت ضروری تھی۔ دوبارہ دو تین سال سے پہلے اس کا آنا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

دادی جان اور طاہرہ آنٹی کے درمیان جاری اس سرد جنگ اور کھینچا تانی کا فیصلہ آخر کار دا جی نے کر دیا تھا۔ ظاہر ہے ان کا فیصلہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا اور چونکہ یہ فیصلہ دادی جان کے حق میں ہوا تھا اس لیے ان چاروں بالخصوص علیا کی خوشی دیدنی تھی۔

''اف میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی میری دعائیں اس طرح قبول ہو جائیں گی۔ پتا ہے میں نے اکیس روز اللہ تعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر یہی دعا کی تھی کہ ایسی جگہ سے رشتہ آ جائے جن کی یا تو نانی دادی مرنے والی ہوں یا پھر بھائی یا بہن میں سے کوئی فوراً باہر جانے والا ہو یا پھر وہ خود فوراً کہیں باہر جانے والے ہوں اور دیکھو اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی۔'' اس کے بتانے پر وہ لوگ بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

''ویسے میں نے ایک بار دا جی سے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو فرمائشوں کی لسٹ دینے کے بجائے جامع دعائیں مانگنی چاہییں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ یہ دعا مانگتیں کہ یا اللہ میری شادی خیر و عافیت کے ساتھ جلد ہو جائے۔''

جویریہ نے سمجھانا اپنا فرض سمجھا تھا۔ وہ اس کی نصیحت ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال کر اچھل اچھل کر خوشی کا اظہار کرتی رہی تھی۔

ہو میں تو بھول چلی بابل کا دیس
پیا کا گھر پیارا لگے......
مہندی سے لکھ دو ری ہاتھوں پہ سکھیو
میرے سانوریا کا نام، میرے سانوریا کا نام

وہ ایک کے بعد ایک گانا لہک لہک کر گا رہی تھی جب دانش اور علی نے کمرے میں جھانکا تھا۔ ان لوگوں نے اسے اشارے کیے تھے مگر محترمہ کو خوشی میں کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں اندر آ چکے تھے اور اب کھڑے اس کی گلوکاری سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اچانک گاتے گاتے اس کی خود ہی نظر سامنے کھڑے دانش اور علی پر پڑی تو بے ساختہ ''چلو بھر پانی'' اور ''زمین پھٹنے'' والے محاورے یاد آئے تھے۔

''ویسے ایک بات ہے زرین! یہ علیا کی ہونے والی ساس کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پڑھی لکھی خاتون ہیں۔

اول تو ساس ہی خطرناک بلا کا نام ہوتا ہے اور وہ بھی پڑھی لکھی ساس۔ او مائی گاڈ ان کی تو چالیں بھی اس کی سمجھ میں مشکل سے آیا کریں گی۔ یہ ان کی انگلش کے پیچ و خم میں ہی الجھی رہ جائے گی اور وہ چالاکی سے اپنا کام کر جائیں گی۔''

دانش اس کی شرمندہ شکل پر ایک نگاہ ڈال کر بڑی سنجیدگی سے زرین سے مخاطب ہوا تھا۔

''اور بڑے بھائی! یہ بھی تو سوچیں کہ ہماری آپی تو نہ اردو لٹریچر میں اچھی ہیں نہ انگلش لٹریچر میں۔ آخر انہیں امپریس کرنے کے لیے یہ باتیں کیا کریں گی۔ اب وہ عام سی ساس تو ہیں نہیں جو ڈالڈا کے دسترخوان میں سے اتفاقاً کچھ اچھا پک جانے پر خوش ہو جائیں، وہ تو بہو کے منہ سے شیکسپیئر، شیلے، کیٹس کا ذکر سن کر ہی خوش ہو سکتی ہیں اور ہماری آپی کا تو یہ حال ہے کہ انہیں شیکسپیئر کے حوالے سے صرف اتنا معلوم ہے کہ ''دنیا ایک اسٹیج ہے۔'' ایسے میں یہ بے چاری کریں تو کیا کریں۔'' علی مذاق اڑانے میں کیوں پیچھے رہتا۔

''علی!'' جویریہ نے تنبیہی انداز میں آنکھیں دکھائی تھیں مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔

''ارے یہ بھی کوئی پرابلم ہے، سیدھی سی بات ہے شیکسپیئر کا نام لے کر جو دل چاہے بول دیا کرنا، ویسے بھی اکثر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ جو جو کچھ آنجہانی نے کہا بھی نہیں وہ سب اس سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ساس حیران ہوں تو نروس ہوئے بغیر کہنا۔

''آنٹی! آپ اتنی پڑھی لکھی ہو کر بھی نہیں جانتیں کہ یہ بات شیکسپیئر نے ایک روز لنچ کرتے ہوئے کہی تھی، ایک دن جب وہ نہانے جا رہا تھا تب کہی تھی یا سونے سے پہلے ایک دن اس نے اپنی بیوی سے یہ بات کہی تھی۔''

دانش بڑے مخلصانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ اچانک ملنے والی خوشی اتنی زیادہ تھی کہ وہ ان لوگوں کے مذاق کا بھی برا نہیں مان رہی تھی۔ یہ خیال کتنا جاں فزا اور طمانیت بخش تھا کہ اب اس کی اس منحوس پڑھائی سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے گی۔ اتنی اچانک رشتہ طے ہو جانا وہ بھی اتنے ہینڈسم بندے سے اور اس سے بڑھ کر کیا چاہیے تھا۔ ان لوگوں نے اس سے ٹریٹ مانگی تھی اور وہ بھی خوشی خوشی فوراً مان گئی تھی۔

''بس یار! میرا ہزار روپے سے اوپر بل نہیں بننا چاہیے۔''

گھر سے باہر نکلتے ہوئے اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر یاددہانی کروائی تھی۔ جب وہ لوگ گاڑی میں بیٹھنے لگیں۔ خوب بن ٹھن کر علی اور چاچو کے دونوں سپوت بھی نازل ہو گئے۔ انہیں گاڑی میں بیٹھتا دیکھ کر علیا چلائی تھی۔

''تم لوگ کہاں گھس رہے ہو۔''

''اکیلے اکیلے دعوت اڑانے جا رہی ہیں۔ بچوں کو گھر پر چھوڑ کر۔ ارے ہم بچوں نے کھانا ہی کتنا ہوتا ہے، کیا ہو جاتا جو ہمیں بھی انوائیٹ کر لیتیں کہ میرے منے بھائیوں میں شادی کی خوشی میں تم لوگوں کو کھانا کھلانے لے جا رہی ہوں مگر نہیں صاحب چلو ہم بن بلائے مہمان بن جاتے ہیں۔''

وہ مکاری سے آنکھیں نچا کر بولا تھا۔ دانت پیستے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ چاچو کے لاڈلوں کو وہ بدتمیز ساتھ ہی اس لیے لایا تھا کہ ادھر وہ منع کرے گی ادھر وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونا شروع ہو جائیں گے اور دنیا والوں کی ہمدردیاں تو آنکھوں میں آنسو لیے معصوم بچوں کے ساتھ ہی ہوں گی۔ کسی اور کو کیا کہتی اس کی اپنی سکھیاں ریستوران میں بیٹھی سارے عہد و پیمان بھلائے دھڑا دھڑ ویٹر کو آرڈر دے رہی تھی۔ ''فرائیڈ رائس، چکن ہانڈی، جلفریزی، فروٹ سلاد،

روغنی نان، بہاری کباب، وہ دل پر ہاتھ رکھے ان ندیدوں کو دیکھ رہی تھی۔

☆

''تم ذرا سر جھکا کر شرافت سے بیٹھو۔ نانی بہت ناراض ہو رہی ہیں، تمہیں آنکھیں مٹکاتا دیکھ کر ابھی مجھے بلا کر کہہ رہی تھی کہ اسے کہو آنکھیں بند کر کے اور سر جھکا کر بیٹھے۔''

دلہن بنی علیا کے برابر بیٹھتے ہوئے زرین نے سرگوشی کی تھی۔ اس کی زبانی دادی جان کا پیغام سن کر وہ جلد سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ جب سے اس کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی طاہرہ آنٹی، دادی جان، شگفتہ آنٹی اور دلہن خود رونے دھونے کے کافی سارے سیشنز کر چکی تھیں۔ ایک دو بار تو وہ تینوں بھی اس کی متوقع جدائی کا سوچ کر ان لوگوں کے ساتھ اس کارِ خیر میں شریک ہو چکی تھیں مگر وہ مجال ہے جو ایک مرتبہ بھی روئی ہو۔

''میری دعائیں قبول ہوئی ہیں، میں رو دھو کر ناشکری کیوں بنوں۔''

کل رات ان تینوں کو روتا دیکھ کر اپنے نہ رونے کی اس نے خاصی معقول وجہ بتائی تھی۔ جتنی آناً فاناً اس کی شادی ہو رہی تھی۔ ساری تیاری بھاگتے دوڑتے ہی ہوئی تھی مگر اس بھاگ دوڑ میں بھی ان تینوں نے مایوں، مہندی شادی اور ولیمے کے فنکشنز میں پہننے کے لیے ایک جیسے کپڑے اور وہ بھی خوب اسٹائلش بنوائے تھے۔

''شادی ہونے پر اتنی پرجوش میں نے کوئی لڑکی نہیں دیکھی آج تک۔'' دو تین روز پہلے دانش نے خوشی خوشی اپنے جہیز کی مختلف چیزیں دیکھتی ہوئی علیا سے کہا تھا۔

''کہیں یہ خوشی امتحان سے جان چھوٹ جانے کی تو نہیں؟''

اس بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا مگر چہرے پر سنجیدگی اور غصہ طاری کر کے اس نے اسے جھٹلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اس نے یقین کیا تھا یا نہیں یہ سوال خاصا قابلِ غور تھا۔

علیا کے رخصت ہو جانے سے ان لوگوں کا کورم ٹوٹ گیا تھا۔ G-4 کا ایک انتہائی اہم رکن کم ہو گیا تھا۔ وہ لوگ اسے بہت مس کر رہی تھیں۔ اپنی پچھلے دنوں کی جانے والی تمام حرکتوں پر بھی اب وہ لوگ دل کھول کر ہنستی تھیں۔ کبھی جویریہ داجی کی اعمالِ قرآنی اٹھا لانے پر ہنستی، کبھی زرین تائی اور شگفتہ آنٹی کی برین واشنگ کرنے پر کھلکھلاتی۔ شیریں ضرورتِ رشتہ کے اشتہار اور اسد بھائی سے کی جانے والی باتوں پر مسکرا دیتی۔ علیا کی شادی کے ساتھ ہی اسد بھائی کا بھی مریم کے ساتھ رشتہ طے ہو گیا تھا۔ سب کچھ بالکل ٹھیک ٹھاک اور ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہو گیا تھا۔ اب راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ علیا کی وجہ سے پڑھائی کے معمولات جو تھوڑے بہت ڈسٹرب ہو گئے تھے وہ لوگ انہیں بحال کر کے بڑی شد و مد سے اپنی اپنی اسٹڈیز میں الجھی ہوئی تھیں۔ جب ایک انہونی بات ہوئی تھی، بلکہ بات کیا باتیں۔

اس رات جویریہ کمپیوٹر پر اپنا اسائنمنٹ ٹائپ کر رہی تھی، شیریں زرین کو آرٹ اسکول میں عنقریب ہونے والی Exhibition اور اس میں اپنے کیے ہوئے کام کی تفصیلات بتا رہی تھی جب شگفتہ آنٹی کا بلاوا شیریں کے لیے آیا تھا۔ وہ اٹھ کر چلی گئی تو زرین بھی کتاب کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ کافی دیر تک اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی، اپنے اپنے کاموں میں مصروف ان دونوں نے ہی اس بات کو زیادہ محسوس نہیں کیا تھا۔ قریباً گھنٹہ بھر بعد وہ واپس آئی تو آنکھیں آنسوؤں

سے لبالب بھری ہوئی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ وہاں سے روتی ہوئی ہی آئی ہے۔

''کیا ہے؟ شگفتہ آنٹی نے کسی بات پر ڈانٹا ہے کیا؟'' وہ دونوں سب کام وام چھوڑ چھاڑ کر اس کے پاس آئی تھیں۔

''نادر شاہی حکم سن کر آ رہی ہوں ممی اور دادی جان کا۔ وہ چھوٹے ماموں کے عدنان کے ساتھ میرا رشتہ طے کر رہی ہیں۔'' وہ بولتے بولتے رو پڑی تھی۔

''کیا رشتہ؟'' وہ دونوں چلائی تھیں۔

''ہاں ہاں رشتہ، وہاں سب بیٹھے ہوئے تھے دادی جان، ممی، طاہرہ آنٹی۔ میرے منع کرنے پر دادی جان اور ممی دونوں نے ڈانٹنا شروع کر دیا کہ منہ پھٹ اور بدتمیز ہو گئی ہے۔ علیا کی مثالیں دی گئی کہ کیسے بڑوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ حالانکہ اس کے امتحان سر پر تھے لیکن اس نے پھر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں صرف منگنی ہونے پر واویلا کر رہی ہوں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

''بہت تم نے دادی جان کی برین واشنگ کی تھی نا کہ بچیاں جتنی جلد اپنے گھروں کی ہو جائیں اتنا اچھا ہے۔ یہ کیوں بھول گئی تھیں کہ اتفاق سے بچیوں کے دائرے میں ہم لوگ بھی آتے ہیں۔ ممی صاف صاف کہہ رہی تھیں کہ پڑھائی کو وبالِ جان بنانے کی ضرورت نہیں۔ شادی اگلے سال عدنان کی ٹریننگ کمپلیٹ ہو جانے پر ہو گی اور میری پڑھائی، میرا کیریئر وہ جائے جہنم میں۔''

وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ وہ دونوں اسے چپ کرانے یا دلاسا دینے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھیں۔ عجیب سکتے کی سی کیفیت میں دونوں منہ پھاڑے اسے روتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

''اور تمہیں مجھ سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی ہے مگر دل ہی دل میں خوش بھی ہو گی کہ تم تو بچی ہوئی ہو مگر بے فکر رہو تمہارا بندوبست دانش کے ساتھ کرنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے جویریہ سے بولی تھی۔ لہجہ مکمل طور پر طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ۔'' جویریہ غصے سے چلائی تھی۔

''یہ بکواس نہیں ہے، کر چکیں تم کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز اور لے چکیں آئی ٹی میں خوب ساری ڈگریاں۔ اب بیٹھ کر سالن بھونا کرنا اور سیاں جی کی ناز برداری کرنا۔ ویسے بھی بچیاں جتنی جلد اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا اچھا ہوتا ہے۔''

وہ مسلسل طنز کے تیر برسا رہی تھی۔

''میرے ساتھ کوئی زبردستی کر کے دیکھے، میں اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔'' جویریہ شدید ترین اشتعال کے زیرِ اثر چلائی تھی۔

پھر اس کے بعد ان تینوں نے آپس میں کوئی بھی بات نہیں کی تھی۔ ساری رات شیریں کی سسکیاں ان دونوں کو دکھی کرتی رہی تھیں۔ جویریہ کا خود بھی دل انجانے وسوسوں میں مبتلا تھا۔ کہنا آسان ہے کرنا مشکل۔ گھر کے بڑوں سے براہِ راست ٹکر لینا اتنا سہل نہیں تھا۔

علیا کی شادی کے بعد سے وہ تینوں ایک ہی کمرے میں سونے لگی تھیں۔ زرین کا کمرہ اسٹڈی روم کے طور پر

استعمال ہونے لگا تھا۔

صبح سو کر اٹھیں تو تینوں کے سر بھاری بھاری اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ سب کے سوال جواب سے بچنے کے لیے بجھے دل سے ناشتہ کر کے وہ لوگ واپس کمرے میں آ کر ادھر ادھر پڑ گئی تھیں۔ شیریں اور جویریہ اپنے اپنے غموں کے ساتھ اور زرین مسلسل کوئی ''ترکیب'' سوچنے میں مصروف۔ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آتی ہوئی علیا کو زرین نے مسکرا کر جبکہ شیریں اور جویریہ نے گھور کر دیکھا تھا۔

''ساری مصیبت اس منحوس ہی کی تو لائی ہوئی ہے۔'' وہ دونوں اسے ویلکم کہنے کھڑی بھی نہیں ہوئی تھیں۔

''آؤ علیا! اکیلی آئی ہو، احسن بھائی نہیں آئے؟''

زرین نے اسے گرمجوشی سے گلے لگایا تھا مگر نا اسے اپنی بات کا کوئی جواب ملا تھا اور نہ ہی وہ گلے لگنے کے بعد واپس ہٹی تھی۔ اچانک زرین کو محسوس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ اپنے کندھے پر نمی محسوس کر کے وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''تم رو کیوں رہی ہو، کیا بات ہوئی ہے، ارے جلدی بولو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔''

وہ اپنے کندھے پر رکھے اس کے سر کو ہٹاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔ شیریں اور جویریہ نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بیڈ پر گر کر رونے لگی تھی۔ اب تو وہ دونوں بھی اپنی اپنی ناراضی بالائے طاق رکھ کر اس کے پاس پہنچی تھیں۔ پانچ دس منٹ تک روتے رہنے کے بعد جب وہ خود ہی چپ ہو گئی اور دوپٹے سے آنسو صاف کرتی ہوئی اٹھ کر بیٹھی تو ان لوگوں کے کچھ پوچھنے سے پہلے خود ہی بولی۔

''شادی ہی میرے مسئلے کا واحد حل تھی۔ شادی ہو جانے کے نتیجے میں میں پڑھائی اور امتحان سے چھٹکارا پانے والی تھی۔ اس لیے کہ شادی کے بعد سسرال والے اور شوہر لڑکی کو تعلیم جاری نہیں رکھنے دیتے۔''

وہ عجیب پاگلوں جیسی باتیں کر رہی تھی۔ وہ لوگ اس کی باتوں کا مقصد جاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''مگر میرے سسرال والے ایسے نہیں ہیں اور شوہر تو ایسے ہرگز بھی نہیں ہیں۔ انہیں عین امتحانوں کے دنوں میں شادی ہونے پر بھی خاصا اعتراض تھا مگر اپنی بہن کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے۔ میں آرام سے پیپرز دے لوں، پریکٹیکلز وغیرہ سے فارغ ہو جاؤں پھر وہ مجھے اپنے پاس ناروے بلوائیں گے۔ ہم کہیں ہنی مون پر نہیں جا رہے اس لیے کہ میری پڑھائی کا پہلے ہی شادی کی وجہ سے کافی حرج ہو چکا ہے۔ آگے ان کا ارادہ مجھے اورگینک کیمسٹری میں ماسٹرز کروانے کا ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ ان کی بیوی خوب پڑھی لکھی اور ان کے جتنی لائق فائق ہو۔ میرے یہ کہنے پر کہ میں اگلے سال پیپرز دے لوں گی انہوں نے مجھے سختی سے ڈانٹ دیا ہے اور آج یہاں اسی لیے لائے ہیں کہ میں اپنے نوٹس اور کتابیں وغیرہ لے سکوں۔ امتحان شروع ہونے میں صرف دو دن جو رہ گئے ہیں۔''

بڑا کاٹ دار تھا اس کا لہجہ، وہ تینوں ابھی رات والے صدمے سے ہی نہیں سنبھلی تھیں کہ اب یہ افتاد آن پڑی تھی۔

''پہلے صرف مما کی ڈانٹ اور گھر والوں کے سامنے ذلیل ہونے کا خوف تھا۔ اب شوہر کی پھٹکار اور سسرال میں فیل ہو جانے کے نتیجے میں ہونے والی ذلت کا تصور بھی شامل ہو گیا ہے۔ وہاں سارے خاندان میں بہو کے امتحان دینے کی دھوم ہے۔ ساس نے کہا ہے کہ میری بہو کی فرسٹ ڈویژن آئی تو میں اسے پرل کا سیٹ گفٹ کروں گی اور احسن کو اتنے دنوں میں شک ہو گیا ہے کہ میں پڑھائی سے بھاگتی ہوں، لہٰذا انہوں نے مما سے بھی زیادہ خطرناک انداز میں

دھمکیاں دینی شروع کر دی ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ اگر فیل ہوئی تو اپنے پاس بلواؤں گا نہیں۔ جس دن B.Sc پاس کر لو گی اسی دن اپنے پاس بلوا لوں گا۔''

احسن کا جملہ دہراتے ہوئے اس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''اس سے تو میں شادی سے پہلے اچھی تھی۔ زرین سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ بڑی عالی شان ترکیب سوچی تھی۔'' وہ اپنے اوپر الزام رکھے جانے پر کبیدہ خاطر تو ہوئی مگر جان سے پیاری دوست اور کزن کی دلجوئی بھی ضروری تھی۔ اس لیے اطمینان دلانے والے انداز میں بولی۔

''تم پریشان مت ہو، مجھے سوچنے دو، کوئی نہ کوئی تدبیر نکل آئے گی۔''

اس کے یہ کہنے کی دیر تھی وہ تینوں ایک ساتھ اس پر حملہ آور ہو گئی تھیں۔

''ایسی کی تیسی تمہاری ترکیبوں کی۔''

''اس شیطانی دماغ نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

ارے میری بات تو سنو علیا! سچ میرے ذہن میں احسن بھائی کو رام کرنے کی ترکیب آ گئی ہے۔''

''اب اس کی کسی بکواس پر کان مت دھرنا۔''

''بچیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا اچھا ہوتا ہے، ہے نا۔ آج اسے چھوڑنا مت۔''

وہاں بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کمرہ مچھلی بازار کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ شور سن کر سب سے پہلے علی بھاگتا ہوا آیا تھا۔

''آج کی تازہ خبر، G-4 میں پھوٹ پڑ گئی۔ تمام ارکان تکیوں، کشنز، کتابوں اور کاپیوں سمیت ایک دوسرے پر حملہ آور ہو چکے ہیں، لگتا ہے اب G-4 ج، G-4 ش اور G-4 ص تشکیل پا کر ہی رہیں گے۔'' وہ سب کو اطلاع دینے بھاگا تھا۔

❁......❁

چلو توڑو قسم اقرار کریں

بڑے خوشگوار موڈ کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے لاؤنج میں مریم سے سامنا ہو گیا۔

''آپی! عمر بھائی آ گئے ہیں۔'' انتہائی جوش وخروش سے یہ جملہ یوں بولا گیا گویا کہنا چاہ رہی ہو'' آپی! پرنس چارلس آ گئے ہیں۔''

بلا کی ایکسائٹمنٹ اور خوشی اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی اور میرا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا جبکہ وہ اپنی دھن میں مگن میرے تاثرات سے بے خبر بولنے میں مصروف تھی'' ہم لوگ تو انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دیکھیں ذرا، کتنے چالاک ہیں، اپنے آنے کا پہلے سے بتایا بھی نہیں۔ کہنے لگے تم لوگوں کو سرپرائز دینے کے لیے اس طرح آیا ہوں۔''

اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر میں نے کچن کا رخ کیا۔ آوازوں سے لگ رہا تھا کہ تمام خواتین یہیں موجود ہیں۔ کچن کے دروازے سے اندر کا جائزہ لیا تو وہاں ایمرجنسی کا نفاذ تھا۔ ہر کوئی مصروف، کسی کے پاس بات کرنے کی فرصت نہیں تھی اور تو اور دادی بھی اپنے جوڑوں کا درد اور دیگر تمام بیماریاں بھلائے بڑی تندہی سے لاڈلے پوتے کی آمد پر شاندار ضیافت کے اہتمام میں لگی ہوئی تھیں۔ میرے سلام کا جواب بھی بڑے سرسری انداز میں دیا گیا۔

میں بڑے آف موڈ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔ دوپٹہ، بیگ اور سینڈلز اچھال کر دور پھینکیں۔

''یہ عمر کا بچہ آ کیسے گیا، کہاں تو سب کہہ کہہ کر تھک گئے تھے اور موصوف آ کر نہیں دے رہے تھے یا اچانک نازل ہو گئے۔'' کھولتے دماغ کے ساتھ میں ہاتھ منہ دھوئے بغیر ہی بستر پر لیٹ گئی۔

''اب طے یہ کرنا ہے کہ مجھے اس سے کس طرح ملنا چاہیے، دوستانہ تعلقات تو ہمارے کبھی رہے نہیں ہیں۔ اسے بالکل اگنور کر دوں یا سرسری سے انداز میں مل کر رسمی سی باتیں کر لوں۔'' میں لیٹے لیٹے اپنا آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگی۔

اس کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے ماضی کے بہت سے واقعات یاد آنے لگے جو ہرگز بھی خوشگوار نہیں تھے مگر وہ آخری بات اس کے لیے تو میں اس خبیث کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ دراصل میں بڑی کینہ پرور اور منتقم مزاج واقع ہوئی ہوں، کوئی میری انسلٹ کرے، مجھے کوئی نقصان پہنچائے یا دکھ دے میں اسے کبھی معاف نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف دل میں کینہ پالے رکھتی ہوں اور یہ عمر فاروقی، یہ تو میرا پیدائشی اور جانی دشمن ہے۔ حالانکہ یہ بات آج تک

میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے مجھ سے کس بات کی پرخاش تھی۔ میرا انتقامی جذبہ تو محض جوابی قسم کا تھا۔ اس دشمنی کا آغاز تو اس کمینے نے شاید میری پیدائش کے روز ہی کر دیا تھا مگر میں نے ہی یہ بات بہت بعد میں سمجھی۔

میں جب اس دنیا میں آئی تو وہ اس وقت چار سال کا تھا۔ گھر کا اکلوتا اور لاڈلا بچہ، دادی کی آنکھ کا تارا، اپنے ماں باپ کا پیارا اور میرے مما پاپا کا راج دلارا، چار سال تک وہ بلاشرکت غیرے سب کی چاہتیں اور محبتیں سمیٹتا رہا۔

ہوسکتا ہے وہ مجھ سے اس بات پر خار کھاتا ہو کہ میں نے اس کی سلطنت اور اس کا اقتدار چھیننے کی کوشش کیوں کی ہے۔ حالانکہ یہ اس کی غلط فہمی ہی ہوسکتی تھی، مجھے تو اس کے آگے کبھی کسی قابل سمجھا ہی نہیں گیا۔ صرف اور صرف اس کی وجہ سے ہمیشہ میرا استحصال کیا گیا۔

اپنے ماں باپ کے تو سب ہی لاڈلے ہوتے ہیں اور وہ تو تھا بھی اکلوتا سو وہ ممی اور ڈیڈی کا لاڈلا تھا لیکن میرے مما پاپا نے ہمیشہ مجھ پر اسے ترجیح دے کر میرے جذبات کو مجروح کیا اور دادی انہیں تو وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ جبکہ میں انہیں کبھی اچھی لگی ہی نہیں۔ بے ڈھنگی، بدتمیز اور بدتہذیب اور اسی قسم کے دیگر کئی القاب میں نے بچپن سے ان کے منہ سے اپنے لیے سنے اور میری مما، انہوں نے کبھی اس بات کا برا نہیں مانا کہ دادی ان کی لاڈلی کو ایسے القاب سے کیوں نوازتی ہیں۔

آج بھی سوچتی ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔ کہاں کہاں اس کمینے کی وجہ سے میرے اپنوں نے مجھے نظر انداز کیا۔ بہت بچپنے کی باتیں تو مجھے یاد نہیں لیکن پوری امید ہے کہ اس وقت بھی میرے ساتھ کئی زیادتیاں ہوئی ہوں گی۔

اپنے ساتھ ہونے والا پہلا برا سلوک جو مجھے یاد ہے وہ یہ تھا کہ میں اس وقت تھرڈ اسٹینڈرڈ میں تھی۔ میرا اور عمر کا اسکول ایک ہی تھا۔ اس روز ہمارا رزلٹ آنا تھا۔ گھر سے ممی، ڈیڈی، مما اور پاپا آئے تھے۔ عمر نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن لی تھی بلکہ پورے اسکول میں ٹاپ کیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا نام اناؤنس ہو رہا تھا۔ فرسٹ پوزیشن عمر فاروقی، بیسٹ اسٹوڈنٹ آف دا ایئر۔ عمر فاروقی، موسٹ ریگولر اسٹوڈنٹ عمر فاروقی، بیسٹ ڈبیٹر عمر فاروقی اور پتا نہیں کیا کیا۔ اس کی برابر والی چیئر پر ٹرافیوں، شیلڈز اور سرٹیفکیٹس کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ سب لوگ رشک بھری نظروں سے ممی اور ڈیڈی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یہ اتنا قابل اور ذہین لڑکا ان کا بیٹا ہے۔

میں بھی خوب زور وشور سے تالیاں پیٹ رہی تھی اور خوش ہوتی ہر ایک کو بتا رہی تھی کہ یہ عمر فاروقی میرا فرسٹ کزن ہے۔ ہمارے پرنسپل صاحب نے بھی بطورِ خاص ممی ڈیڈی کو مبارک باد دی تھی اور کہا تھا کہ ان کا بیٹا نہایت ہی ہونہار اور لائق ہے۔

گھر پہنچے تو دادی بڑی بے تابی سے ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ ''اماں آپ کے لاڈلے نے حسبِ سابق اس بار بھی میدان مار لیا ہے۔'' پاپا خوشی سے بھرپور آواز میں دادی کو بتانے لگے تو دادی ''میرا چاند، میرا لعل'' قسم کے الفاظ کہتی اسے کلیجے سے لگائے خوب پیار کرنے لگیں۔

''تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو، جاؤ جا کر یونیفارم چینج کرو۔'' مما نے بڑے غصیلے انداز میں کہا۔ میں ان کے لہجے پر ابھی ڈھنگ سے حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ دادی میری طرف متوجہ ہوئیں اور بولیں۔

"کیوں بھئی، تمہارا کیا رہا؟"

"دکھاؤ دادی کو اپنا کارنامہ۔" مما جل کر بولیں اور رپورٹ کارڈ میرے ہاتھ سے چھین کر دادی کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

"دیکھیں آپ بھی پوتی کی ذہانت، صرف ڈرائنگ میں "A" اور انگلش میں "A" باقی سب میں "C" اور "D" گریڈ لے کر کتنے فخر سے گردن تانے کھڑی ہیں جیسے ابھی ہم سب ان کو پھولوں کے ہار پہنائیں گے۔" مما پھٹ پڑیں اور میرا سر شرم سے جھک گیا۔

ممی کو ہی شاید کچھ میری حالت پر رحم آیا تو بولیں۔ "کیوں بچی کو ڈانٹ رہی ہو صوفیہ! ابھی چھوٹی ہے، بڑی ہو گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"خاک ٹھیک ہو جائے گی۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔ دن رات ایک کر کے اسے پڑھایا تھا مگر نتیجہ وہی، انتہائی کوڑھ مغز لڑکی ہے۔ یہ عمر بھی تو ہے، حالانکہ گھر میں کوئی اسے اتنی توجہ سے پڑھاتا بھی نہیں مگر پھر بھی دیکھ لیں، کاش جتنی محنت اس پر کی ہے عمر پر کرتی کچھ دل کو خوشی تو ہوتی۔" مما کے الفاظ میں جھکے سر کے ساتھ بڑے غمزدہ انداز میں سن رہی تھی اور وہ سامنے دانت نکالے یوں کھڑا تھا گویا مجھے ڈانٹ کھاتا دیکھ کر اسے کتنی بڑی خوشی ملی ہے۔

سب گھر والوں نے عمر کو ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی تحائف دیئے تھے۔ دادی نے اسے پورے دو سو روپے دیئے تھے جبکہ مجھے صرف ممی ڈیڈی نے باربی ڈول گفٹ کی تھی، باقی کسی نے کچھ نہ دیا تھا۔ اس روز میں اپنے کمرے میں جا کر خوب روئی تھی۔

"کیا ہوا، تم رو کیوں رہی ہو؟" تھوڑی ہی دیر بعد وہ میرے سر پر کھڑا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ آئس کریم کھاتا چہرے پر خباثت سجائے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔

"دادی نے مجھے دو سو روپے دیئے تھے، میں نے ان سے برگر اور بروسٹ کھایا، اب آئس کریم کھا رہا ہوں۔ باقی پیسوں کا سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کھاؤں؟ تم بتاؤ ناں۔" اور اس وقت وہ مجھے زندگی میں پہلی دفعہ نہایت برا لگا تھا۔

خوب زبان نکال نکال کر کون چاٹ رہا تھا اور میں رونا دھونا بھول کر ندیدوں کی طرح کون کی طرف دیکھ رہی تھی مگر اس خبیث نے جھوٹے منہ بھی کھانے کی آفر نہ کی۔

"پتا ہے چھوٹی ممی نے مجھے گفٹ میں واک مین دیا ہے۔" وہ مما کو چھوٹی ممی کہتا تھا "تمہیں انہوں نے کیا دیا؟" لہجہ مکاری سے بھرپور تھا۔

"تمہارا سر دیا ہے، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" میں غصے سے پھنکاری تھی اور بس پھر وہیں سے ہماری دشمنی کا آغاز ہو گیا تھا بلکہ ہماری نہیں میری۔ وہ تو میرا پیدائشی دشمن تھا۔ میری ہی سمجھ میں یہ ساری بات ذرا دیر سے آئی۔

مجھے لگتا وہ صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے اتنا پڑھاکو بنتا ہے ورنہ اسے پڑھنے وڑھنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔ ٹھیک ہے میں اس کی طرح بہت جینئس نہیں تھی مگر مما اٹھتے بیٹھتے میری کوڑھ مغزی اور جہالت کے قصے سب کو سنانا اپنا فرض سمجھتی تھیں اور میری اس سے دشمنی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر بات میں میرا اس کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا اور پھر

تا دیر میرے اوپر اظہار افسوس ہوتا اور میرے مستقبل سے مایوسی کا اظہار کیا جاتا۔ ایسے موقعوں پر اس کے چہرے پر موجود تاثرات میرا خون کھولانے کو کافی ہوتے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میرے اپنے ہی گھر میں میری حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کبھی کبھی میں سوچتی کہ کاش میں ممی کے ہاں ہی پیدا ہو جاتی۔ کم از کم میرے سگے ماں باپ سے تو وہی دونوں مجھے زیادہ پیار کر لیتے ہیں۔ میرے ماں باپ تو اس مقولے پر سختی سے عمل پیرا تھے کہ اولاد کو کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے مگر یہاں تو نوالہ بھی سونے کا نہ تھا۔

اس خبیث کو پتا نہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ مجھے سبزیاں پسند نہیں ہیں۔ اس لیے روز صبح اسکول جاتے ہوئے کہتا۔

"دادی! آج پیاز کریلے پکائیے گا۔" اور دادی پوتے کے منہ سے اپنی پسندیدہ ڈش کا نام سن کر خوشی سے نہال ہو جاتیں۔ خوب دل لگا کر اپنے ہاتھوں سے پیاز کریلے پکا کر رکھتیں۔ پتا نہیں ان کے ساتھ کیا کیا سلوک کرتیں کہ وہ خوب کڑوے پکتے۔ "کریلے کڑوے ہی نہ ہوں تو وہ کریلے ہی کیا ہوئے۔" اس بارے میں ان کا مقولہ تھا۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر میں دیکھتی تو کریلے میرا منہ چڑا رہے ہوتے۔

"میں نہیں کھاؤں گی یہ اتنے کڑوے کریلے۔" میں منہ پھلا کر کہتی۔

"دیکھ رہی ہو صوفیہ! لڑکی کے لچھن۔" دادی مما سے مخاطب ہوتیں اور مما کڑے تیوروں سے مجھے گھورنے لگتیں۔ میں چپ چاپ آنسو پیتے وہ کریلے حلق سے اتارنے لگتی۔ کبھی کبھار ایسے کسی موقع پر ممی کو میرے اوپر ترس آ جاتا تو وہ کہتیں۔

"آؤ تابی! میں تمہیں پراٹھا پکا دوں۔" میرے کچھ کہنے سے پہلے دادی انہیں ٹوک دیتیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا دماغ خراب کرنے کی۔ پہلے ہی یہ بہت بدتمیز ہے۔ یہی وقت ہوتا ہے بچوں کی تربیت کا۔ ہم نہیں سکھائیں گے تو کون سکھائے گا۔" گویا میری اچھی بری تمام تربیت کا انحصار میرے کریلے کھانے پر تھا۔

دراصل ایسے ہی کسی موقع پر میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ "آپ خود بھی تو مرغی کا گوشت نہیں کھاتیں، یہ نخرے میں نے آپ سے ہی سیکھے ہیں۔" بس اس دن سے دادی نے یہ بات پلو سے باندھ لی تھی کہ میں بہت بدتمیز، بے ہودہ اور بدلحاظ ہوں۔ چنانچہ میری تربیت کی جانب فوراً توجہ دینی چاہیے ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا اور وہ جس نے فرمائش کر کے کریلے پکوائے ہوتے وہ بڑے آرام سے دو چار ہی نوالے لیتا۔ سب کی توجہ تو میری جانب ہوتی، کوئی اسے دیکھتا بھی نہیں۔

"یہ عمر بھی تو ہے، دیکھو کتنے آرام سے ہر چیز کھا لیتا ہے، تم کہیں کی نوابزادی ہو، لڑکیوں میں یہ نخرے بازی بالکل اچھی نہیں۔" دادی مزید میرا دل جلاتیں اور وہ شیطانی مسکراہٹ چہرے پر سجائے چپ چاپ بیٹھا رہتا۔

دوپہر کے وقت گھر میں خواتین اور ہم بچے ہی ہوتے اسی لیے روزانہ اسی قسم کے عجوبے کھانے کو ملتے۔ کبھی آلو پھلی، کبھی کدو، کبھی ٹینڈے، کبھی کریلے۔ کیونکہ خواتین ساری سبزی خور تھیں اور مرد گوشت خور لہٰذا شام میں اچھا کھانا پکتا تو میں پیٹ بھر کر کھانا کھاتی مگر شکایت کس سے کرتی؟ یہاں تو سب ہی میرے دشمن تھے اور وہ ایڈیٹ دادی سے ان کے کریلوں کی خوب تعریفیں کر کے اپنے کمرے میں چلا جاتا اور پھر وہاں بیٹھ کر بروسٹ یا سینڈوچ وغیرہ جو اس نے پہلے

سے لا کر رکھے ہوئے ہوتے تھے مجھے دکھا دکھا کر کھاتا۔

میرا اور اس کا کمرہ آمنے سامنے تھا۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ جان بوجھ کر کھول کر بیٹھ جاتا اور خوب مزے لے کر میری پسندیدہ چیزیں مجھے دکھا دکھا کر کھاتا اور میں اسے گالیاں دیتی رہ جاتی۔ مما تو میری پاکٹ منی کے بارے میں بھی مجھ سے اتنی سخت باز پرس کرتی تھیں کہ میں چاہتے ہوئے بھی اس کی طرح اپنے لیے ایسا کوئی انتظام نہیں کر سکتی تھی۔ اسے تو ڈیڈی کے علاوہ دادی بھی الگ سے پاکٹ منی دیتی تھیں۔ سوتیلی تو صرف میں ہی تھی۔

اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں اس کے فرمائشی پروگرام کے تحت آلو پھلی کھا کر کمرے میں پڑی جل رہی تھی۔ بھوک سے برا حال تھا۔ وہ اتنی بدذائقہ پھلیاں، وہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گائے بھینسوں کا چارہ کھالیا ہو۔

اسی وقت میری نظر سامنے پڑی۔ وہ بڑے سے سائز کا پیزا خوب منہ پھاڑ پھاڑ کر کھا رہا تھا۔ سائڈوں سے گرتی چیز (پنیر) دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ دو کین پیپسی کے سامنے رکھے، ایک نوالہ پیزے کا اور ایک سپ پیپسی کا وہ اردگرد سے بے نیاز نظر آنے کی مکمل کوشش کر رہا تھا۔

''بچو جی! آج تمہیں رنگے ہاتھوں نہ پکڑوایا تو میرا نام تاباں نہیں۔'' میں غصے میں کھولتی اور خود پر افسوس کرتی کہ اس کی یہ مکاری اتنے دنوں سے برداشت کر ہی کیوں رہی تھی اپنے کمرے سے نکلی اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی مما کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے؟'' انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''جلدی سے آئیں، آپ کو آپ کے لاڈلے کی شرافت کا نظارہ کرانا ہے۔'' میں نے انہیں باقاعدہ ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ حیران سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں لے کر جیسے ہی میں اس کے کمرے میں پہنچی تو اندر کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ جائے نماز بچھائے، سر پر ٹوپی جمائے دعا مانگنے میں مصروف تھا۔

مما کبھی اسے دیکھتیں کبھی مجھے، جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''مما یہ مکاری کر رہا ہے، ابھی ابھی یہ یہاں بیٹھا ہوا پیزا کھا رہا تھا۔'' میں غصے سے پاگل ہونے لگی۔ وہ دعا مانگنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتا اٹھ کھڑا ہوا اور جائے نماز لپیٹتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولا۔

''کیا ہوا چھوٹی ممی! کیا بات ہے؟''

''مجھے خود نہیں معلوم، یہ تابی مجھے اٹھا کر لائی ہے۔'' مما کو شاید اب کچھ غصہ آنا شروع ہو گیا تھا اس لیے بڑی بے زاری سے بولیں۔

میں ان دونوں کی گفت و شنید سے بے نیاز فوراً آگے بڑھی اور بیڈ کے نیچے جھک کر دیکھا۔ اس کے بعد کمپیوٹر کی ٹیبل کے نیچے، پھر ڈسٹ بن کے اندر اور اس کے بعد اس کے وارڈروب کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ مما کی تیز چیخ سنائی دی۔

''کیا بدتمیزی ہے تابی! کیوں تم یہ فضول حرکتیں کر رہی ہو؟''

''میں فضول حرکتیں نہیں کر رہی ہوں، یہ ابھی مجھے جلا کر اور دکھا کر پیزا اور پیپسی کھا پی رہا تھا۔'' میں نے نفرت سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''ہونہہ، دادی آج آپ کے ہاتھ کی پکی آلو پھلی کھاؤں گا۔'' میں نے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔ مما خاموش کھڑی مجھے گھور رہی تھیں۔

''آپ لوگ اسے بڑا معصوم سمجھتے ہیں ناں، مجھ سے پوچھیں یہ کتنا بڑا میسنا ہے۔'' میری آواز غم و غصے سے پھٹ پڑی۔

''ٹھیک کہتی ہیں تمہاری دادی، تمہاری تربیت میں ہم سے واقعی بہت کوتاہی ہوئی ہے۔ تمہیں تو بڑے چھوٹے سے بات کرنے کی تمیز بھی ختم ہو گئی ہے۔ آ لینے دو آج اپنے پاپا کو، تمہاری شکایت کروں گی۔'' مما نے پاپا کا ڈراوا دیا جو کارگر ثابت ہوا اور میرا سارا جوش اور غصہ فوراً سرد پڑ گیا۔ مما اب اس سے مخاطب تھیں۔

''عمر! تم اس کی اوٹ پٹانگ باتوں پر توجہ مت دینا۔ بالکل ہی بے ہودہ ہو گئی ہے یہ اور تم اب کچھ دیر آرام بھی کر لو۔ رات کو اتنی دیر تک جاگ کر پڑھتے رہتے ہو۔ تھوڑا بہت ریسٹ بھی ضروری ہوتا ہے۔'' بڑے پیار سے اس کا سر تھپتھپاتے مما کمرے سے چلی گئیں۔

اور وہ دنیا زمانے کی خباثت چہرے پر سجائے بالکونی کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پیزا کی پلیٹ اور پیپسی اٹھا کر واپس اندر آیا تو میں مما کو آواز دیتی دیتی رہ گئی۔ کیا فائدہ وہ پھر مجھے ہی جھوٹا ٹھہرائیں گی۔

''آؤ تم بھی تھوڑا سا چکھ لو۔'' دوبارہ بستر پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہوتے ہوئے اس نے مجھے بھی کھانے کی آفر کی تو میں اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں واپس آ گئی اور خوب روئی۔ ایک تو بھوک لگ رہی تھی اوپر سے مما کے سامنے جھوٹی پڑی تھی۔ شام میں وہ میرے کمرے میں کھڑا تھا، میں اسے نظر انداز کیے اپنا ہوم ورک کرتی رہی۔

''تابی! میری یہ ڈائیگرام بنا دو۔'' بڑے ہی دوستانہ لہجے میں مجھے مخاطب کیا گیا۔

''کبھی نہیں عمر! تم دفع ہو جاؤ یہاں سے کمینے۔'' میں نے دانت پیسے۔ دادی کے بہت مرتبہ ٹوکنے پر بھی میں اسے بھیا، بھائی جان یا بھائی وغیرہ نہیں کہتی تھی۔ یہ ہے اس قابل کہ اسے اتنے قابلِ احترام ناموں سے پکارا جائے؟

''سوچ لو ویسے آج تم میتھس کے پیریڈ میں کھڑی ہوئی کیوں تھیں؟'' اس کے لہجے میں موجود دھمکی نے میرا اشتعال لمحوں میں ختم کر دیا۔ آج ٹیسٹ خراب ہونے پر ٹیچر نے مجھے سارے پیریڈ کھڑا رکھا تھا اور اس خبیث نے یہ نظارہ پتا نہیں کیسے دیکھ لیا تھا۔

''لاؤ دو۔'' میں نے فوراً پسپائی اختیار کی۔ اس نے جلدی سے اپنا فزکس کا جرنل میرے ہاتھ میں پکڑایا اور بولا۔

''مجھے معلوم تھا، تم کبھی بھی انکار نہیں کرو گی۔'' بڑی دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا گیا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے دھمکی تو دی ہی نہیں۔ میرا دل چاہا کہ میں اس کا سر پھاڑ دوں۔

''اچھا دیکھو، میں کرکٹ کھیلنے جا رہا ہوں، ڈائیگرام بن جائے تو جرنل میری رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دینا۔'' بڑی بے نیازی سے کہہ کر وہ چل دیا اور میں اسے دل ہی دل میں گالیاں دیتی اس کے جرنل پر ڈائیگرام بنانے لگی۔

اگلے روز مما ہم دونوں کو حسبِ عادت شام کو پڑھانے بیٹھیں تو عمر کا فزکس کا جرنل دیکھ کر باقاعدہ اچھل پڑیں اور بولیں۔

''واؤ! عمر یہ اتنی زبردست ڈائیگرام تم نے بنائی ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آرہا میں تو یہ سمجھتی تھی کہ ڈرائنگ کے علاوہ تم ہر سبجیکٹ میں ماسٹر ہو مگر تم نے تو کمال کر دیا۔'' مما کی خوشی دیدنی تھی اور وہ بڑی انکساری اور عاجزی سے سر جھکا کر بولا۔

''بس چھوٹی ممی! میں نے سوچا کہ بہت اچھی نہ سہی تب بھی تھوڑی بہت کوشش کر کے میں اپنی ڈرائنگ امپروو کر ہی سکتا ہوں۔''

''یہ تھوڑی بہت کوشش نہیں ہے عمر! تم تو بڑے چھپے رستم نکلے بھئی۔ یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ کسی بہت ہی آرٹسٹک قسم کے ہاتھوں کا کرشمہ ہے۔'' مما نے اسے دل کھول کر داد دی اور میں دل ہی دل میں کھولتی چپ بیٹھی تھی۔

ایک بار دل چاہا کہ ابھی اس کا بھانڈا پھوڑ دوں مگر پھر فوراً ہی اس بلیک میلر کی دھمکی یاد آئی تو دل مسوس کر رہ گئی۔

''کچھ تم بھی سبق سیکھو عمر سے، تم سے صرف چار سال بڑا ہے مگر اس کی ذہانت اور مینٹل لیول تم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اپنی خامی کو اس نے کمزوری نہیں بنایا اور کوشش کر کے کتنا امپروو کر لیا اور ایک تم ہو۔ مما مجھے میتھس اچھا نہیں لگتا، مما میں سائنس نہیں پڑھوں گی۔ یہ نہیں ہوا کہ کبھی اپنی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کی ہو۔'' اس خبیث کی تعریف ہو اور مما مجھے پھٹکارنا بھول جائیں ایسا تو تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔

اپنے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں چیخ چیخ کر احتجاج کروں۔ میرے ڈرائنگ میں ''A'' آتے تو وہ میرے لیے بہت بڑا طعنہ بن جاتا اور اس نے اگر اچھی ڈرائنگ بنا لی (جو کہ اس نے بنائی بھی نہیں تھی) تو واہ واہ۔ میرے اندر کے آرٹسٹ کو تو مما کے طنز اور طعنے ہی کھا گئے تھے ورنہ مجھے پورا یقین تھا کہ ایک دن میں بہت ہی بڑی مصورہ بن سکتی تھی مگر افسوس!

وہ بظاہر سر جھکائے معصومیت سے بیٹھا تھا اور میں غم و غصے سے بے حال ہو رہی تھی پھر ایسی کتنی ہی دھمکیاں دے کر اس نے اپنے فزکس کے پورے جرنل پر مجھ سے ڈائیگرامز بنوائی تھیں اور ہر بار میری کوئی نہ کوئی کمزوری اس کے ہاتھ ہوتی تھی۔ میری نالائقی سے تو مما واقف تھیں مگر یہ میں نہیں چاہتی تھی کہ انہیں پتا چلے کہ میں روزانہ بلاناغہ میتھس اور سائنس کے پیریڈ میں بطور سزا کھڑی کی جاتی ہوں، اس لیے خاموشی ہی میں عافیت جانی اور اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہی۔ پھر اس بلیک میلنگ سے نجات اس وقت ملی جب وہ میٹرک کر کے اسکول سے دفع ہوا۔

اس کا میٹرک کرنا بھی ایک دل جلانے والا واقعہ ہے۔ میٹرک میں اس نے کراچی بورڈ میں تیسری پوزیشن لی تھی اور باقاعدہ اس کی اخبار میں تصویر چھپی تھی اور انٹرویو بھی۔ مجھے اب اس کی کامیابیوں پر کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی اس لیے میں نے اسے جھوٹے منہ بھی مبارکباد نہیں دی تھی۔ رشتے دار، دوست احباب سب کا ہمارے گھر تانتا بندھ گیا تھا۔ کوئی مٹھائی، کوئی ہار اور کوئی تحفہ اٹھائے چلا آ رہا تھا اور وہ سب کی مبارکباد کے جواب میں بڑی بے نیازی کے ساتھ کہتا۔

''شکریہ، ویسے میں کچھ زیادہ خوش نہیں، اصل خوشی تو اس وقت ہوتی جب میں پورے سندھ میں پہلی پوزیشن لیتا، خیر اگلی بار سہی اور تمام لوگ اس کے بلند حوصلے اور اونچے ارادوں کی تعریفیں کرنے لگتے جبکہ میں دل ہی دل میں جل کر رہ جاتی۔

''اللہ کرے انٹر میں تمہارا ''D'' گریڈ آئے پھر گردن اکڑانا۔'' میں اسے بد دعائیں دیتی۔

دادی اور گھر کے دیگر افراد کی نظروں میں اس واقعے کے بعد وہ اور بھی معتبر ہو گیا تھا۔ اس موقع پر بھی مما او دادی مجھ پر طنز کرنا نہ بھولی تھیں اور خوب میرا دل جلایا تھا۔

مجھ سے اچھی تو مریم ہی تھی۔ اس کی جان ایسی کسی بھی مقابلہ بازی سے بچی ہوئی تھی۔ مریم مجھ سے سات سال چھوٹی تھی اور یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ وہ میرے سات سال بعد اس دنیا میں آئی اور عمر نامی بلا کے چنگل سے بچ گئی۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی، سب سے چھوٹی۔ ہر کوئی اسے پیار کرتا عمر سمیت۔ وہ عمر سے اتنی چھوٹی تھی کہ مما یا دادی کبھی اس کا عمر کے ساتھ مقابلہ کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ بدنصیب تو میں تھی جس کی نہ کوئی قدر تھی نہ وقعت۔

نائنتھ کلاس میں پہنچی تو مما مجھے زبردستی سائنس دلوانے لگیں۔

''مما! میں سائنس نہیں پڑھوں گی۔ مجھے آگے جا کر فائن آرٹس پڑھنا ہے اس لیے آپ مجھے آرٹس لینے دیں۔'' میں نے دل کڑا کر کے مما کی مخالفت کی تو وہ صدمے سے پاگل ہونے لگیں۔

''میری بیٹی آرٹس پڑھے گی میری۔'' وہ یوں بول رہی تھیں جیسے میں نے کوئی بہت گھٹیا، خراب بات کر دی ہے۔

''کرو گی کیا تم آرٹس پڑھ کر، بی اے کرنے سے بہتر ہے کہ بندہ پڑھائی کرے ہی نہ۔ سارے جگ کے نکمے اور نالائق لوگ آرٹس پڑھتے ہیں، کچھ پتا ہے تمہیں۔''

مما ایم ایس سی گولڈ میڈلسٹ تھیں اور ان کا خیال تھا کہ صرف سائنس پڑھنے والے لوگ ہی قابل اور ذہین ہوتے ہیں۔ میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ ان سے بحث بھی نہیں کر سکتی تھی ورنہ ضرور پوچھتی یہ جو آپ اپنی گفتگو کے دوران شیکسپیئر، برنارڈ شا، شیلے اور کیٹس کے حوالے وقتاً فوقتاً دیا کرتی ہیں ان سب میں سے ذرا بتائیں کہ سائنسدان کون تھا۔ بندے کی اپنی دلچسپی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کسی کی قابلیت جانچنے کا یہ کوئی معیار نہیں کہ بندہ لازمی سائنس پڑھا ہوا ہو۔ مما کے ان ہی خیالات کی وجہ سے خاندان کی کتنی ہی لڑکیاں جو ایف اے، بی اے کر رہی تھیں مما سے ناراض تھیں مگر وہ مما ہی کیا جو کسی کی پرواہ کر لیں۔

''بس میں کچھ نہیں جانتی، تمہیں سائنس پڑھنی ہے اور اب اس موضوع پر کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے، غضب خدا کا لوگ کیا کہیں گے کہ ہماری بیٹی اتنی ڈفر اور کند ذہن ہے۔'' مما نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا تو کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے عمر نے بھی ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھا اور بڑے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''چھوٹی ممی! اسے چراغ تلے اندھیرا کہتے ہیں۔''

''تم تو چپ بیٹھو خبیث۔'' پورا جملہ باآواز بلند اور خبیث منہ ہی منہ میں بول کر میں نے اسے گھورا تو دادی حسبِ عادت میدان میں کود پڑیں۔

''کچھ تمیز ہے بڑے بھائی سے بات کرنے کی یا نہیں۔ نہ تعلیم میں اچھی نہ اخلاق و آداب میں۔ ارے صوفیہ! میں سوچتی ہوں اس لڑکی کا بنے گا کیا، اگلے گھر جا کر تو یہ ناک ہی کٹوا دے گی۔'' ناک کے اوپر عینک جماتی دادی مجھے گھور رہی تھیں۔

میں پیر پٹختی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ پھر وہی ہوا جو اس سے پہلے میرے ساتھ ہوتا آیا تھا۔ فزکس،

کیمسٹری میتھ پڑھتے ہوئے میں روہانسی ہو جاتی مگر مما کا دل نہ پسیجتا۔

مڈٹرم میں میرے فزکس میں تو بمشکل پاسنگ مارکس آئے اور میتھس میں تو خوب شاندار طریقے سے فیل ہو گئی۔ مما نے گھر میں طوفان اٹھا دیا۔ مجھے تو جتنا برا بھلا کہہ سکتی تھیں کہا۔ میں نے ان کی ڈانٹ کی کچھ خاص پرواہ بھی نہیں کی کہ ان کی ڈانٹ کھا کھا کر اب میں خاصی ڈھیٹ ہو گئی تھی مگر ڈانٹ پھٹکار کے اختتام پر مما نے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ میرے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔

''تمہارے ٹیوٹر کو میں آج سے فارغ کر رہی ہوں، کل سے تمہیں فزکس اور میتھس عمر پڑھائے گا۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' مما نے میرے احتجاج کے لیے کھلتے لبوں کو نظر انداز کر کے مجھے باہر نکل جانے کا حکم سنایا تو میں مرے مرے قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

مما کے دوٹوک انداز کے سامنے تو پاپا پر نہیں مار سکتے تھے، مجھ غریب کی کیا مجال۔ سو چپ چاپ مان جانے میں عافیت سمجھی۔

''تین بجے آ جانا اسٹڈی میں، وہیں پڑھاؤں گا تمہیں۔'' عمر نے اگلے روز ناشتے کی میز پر مجھ سے کہا تو میں اس کی کمینگی پر کھول کر رہ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں دوپہر میں کتنی پابندی سے سوتی ہوں اس لیے جان بوجھ کر اس نے وہی ٹائم رکھا تھا۔

''عمر! ہم شام میں نہیں پڑھ سکتے؟'' میں نے غصہ دباتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''شام میں میں فارغ نہیں ہوتا اگر پڑھنا ہے تو دوپہر ہی میں پڑھاؤں گا ورنہ جو دل چاہے کرو۔'' وہ بڑے بے مروت انداز میں بولا تو میں نے نرمی کا چولا اتار پھینکا اور اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں بولی۔

''بھاڑ میں جاؤ، یہاں تم سے پڑھنے کے لیے کون مر رہا ہے۔''

''تابی! کیا بدتمیزی ہے۔ تمہیں بات کرنے کی تمیز آخر کب آئے گی۔'' مما نے مجھے سب کے سامنے حسب عادت ڈانٹا تو میں بے اختیار رو پڑی اور بولی۔

''ہاں میں ہی بدتمیز ہوں یہ بڑا تمیزدار اور اچھا ہے۔ جان کر دوپہر کا ٹائم رکھا ہے تاکہ میں سو نہ سکوں اور خود نواب صاحب شام میں بڑے مصروف ہوتے ہیں، اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں۔'' اپنے دوستوں کے لیے لفظ آوارہ پر وہ تڑپ اٹھا مگر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی دادی اس کی حمایت میں مجھ پر الٹ پڑیں۔

''پہلے اس جیسی بن کر دکھاؤ پھر اس کا مقابلہ کرنا، دوپہر میں سونا بہت ضروری ہے۔ اپنے مستقبل کی کچھ فکر نہیں۔ ارے میرے عمر جیسا سارے خاندان میں ایک بھی ڈھونڈ کر دکھاؤ تو میں جانوں، ایسا گنوں والا میرا بچہ ہے۔ تم سے صرف چار سال بڑا ہے مگر پڑھائی میں پانچ کلاسیں آگے ہے۔ اخلاق اور تمیز میں بھی تم سے بہتر ہے۔''

پتا نہیں دادی کو مجھ سے کون سی خاندانی دشمنی تھی، کبھی کبھی تو مجھے لگتا، میں شاید ان کی سگی پوتی ہی نہیں ہوں۔ پاپا اور ڈیڈی تو اس جھگڑے کے شروع ہونے سے پہلے ہی آفس جا چکے تھے ورنہ ڈیڈی ضرور میری حمایت میں بولتے۔ وہ عمر کی بے جا حمایت کرنے پر اکثر دادی کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی لیے سارے گھر میں وہی مجھے سب سے اچھے اور سلجھے ہوئے انسان لگتے تھے۔

ممی بھی مجھ سے پیار کرتی تھیں مگر دادی کے مقابل ڈٹ جانے کی ان کی مجال نہ تھی۔ دادی تو ہمارے گھر کی ہٹلر تھیں۔ یہاں ان ہی کی ڈکٹیٹرشپ چلتی تھی اور ہم عوام کے لیے زبان بندی کا حکم تھا۔ دادی کے ہاتھوں میری عزت افزائی پر وہ بڑا خوش اور مسرور دکھائی دے رہا تھا اور میں چپ چاپ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ دوپہر میں تین بجے اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے میں سوچ رہی تھی۔ خوامخواہ اپنی بے عزتی کروائی، ہوا تو وہی جو اس نے چاہا تھا۔ آخر مجھے یہ بات کب سمجھ میں آئے گی کہ اس گھر میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

''آپی! آپ رو رہی ہیں۔'' کوریڈور میں بیٹھی گڑیا سے کھیلتی مریم نے مجھے آنسو صاف کرتے دیکھ کر پوچھا تو میں بغیر کوئی جواب دیئے آگے بڑھ گئی۔

''کاش مریم مجھ سے اتنی چھوٹی نہ ہوتی تو میں اسی سے اپنا دکھ سکھ کہہ لیا کرتی۔'' میں نے اسٹڈی میں قدم رکھتے ہوئے سوچا۔ وہ پہلے سے وہاں موجود کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اٹھا اور ٹیبل کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے مقابل کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔ پندرہ بیس منٹ وہ مجھے میتھس سمجھاتا رہا اور پھر یہ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا کہ۔

''اب ایک ایک کر کے اس ایکسرسائز کے سارے سوال حل کرو۔'' اور خود دوبارہ گیم کھیلنے لگا۔

بہت دیر تک کوشش کرنے کے باوجود بھی مجھ سے ایک سوال بھی حل نہ ہو سکا تو میں روہانسی آواز میں بولی۔

''عمر! مجھ سے نہیں ہو رہا۔''

''کیوں نہیں ہو رہا، ابھی اتنی اچھی طرح تو میں نے سمجھائے ہیں۔'' وہ جھنجھلاتی ہوئی آواز سمیت میری طرف گھوما اور مجھے گھورتا ہوا کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ آیا ''تم مجھے کھیلنے نہیں دو گی، بکو کیا تکلیف ہے؟'' اس وقت کیونکہ اسی کے رحم و کرم پر تھی اس لیے کچھ کہہ بھی نہ سکی کہ

''کھیلو مرو میرے اوپر احسان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' پتا تھا شکایتی ٹٹو بعد میں مما اور دادی کو ایک کی دس لگا کر سنائے گا اور جواباً میری عزت افزائی ہو گی اس لیے منت بھرے انداز میں بولی۔

''میرے بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا۔ پلیز ایک دفعہ پھر سمجھا دو۔'' میرے منت بھرے انداز پر وہ مجھ پر ترس کھاتا ہوا مجھے پھر سمجھانے بیٹھ گیا اور بولا۔

''تم میرے سامنے حل کرو، جہاں غلط کرو گی میں ٹوک دوں گا۔'' میں نے اللہ کا نام لے کر سوال کرنا شروع کیا تو وہ چیخ اٹھا۔

''موٹو! تمہیں تو LCM لینا بھی نہیں آتا۔ اوہ مائی گڈنیس۔'' سب کے سامنے تابی اور اکیلے میں وہ اکثر مجھے موٹو کہہ کر مخاطب کرتا جس کی میں ہرگز بھی پرواہ نہیں کرتی تھی کہ ایک مرتبہ اس کی شکایت کرنے پر ممی نے مجھے سمجھایا تھا کہ

''میری بیٹی کوئی موٹی ووٹی نہیں، بس ذرا بھرے جسم کی ہے اور وہ سوکھا سڑا ہے اس لیے تم سے جلتا ہے۔'' بس اس دن سے میں مطمئن ہو گئی تھی۔

رات میں مما نے اس سے میری پروگریس پوچھی تو وہ بڑے مایوس کن انداز میں بولا ''چھوٹی مما! بہتر تھا آپ

اسے آرٹس ہی پڑھنے دیتیں، گو میتھ تو وہاں بھی پڑھنا ہوگا مگر آرٹس اتنا مشکل نہیں ہوتا۔" پھر وہ دونوں تا دیر میرے غم میں گھلتے رہے اور میں کھولتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

پھر بڑی پابندی کے ساتھ وہ بغیر کوئی ناغہ کیے مجھے پڑھانے لگا۔ تین سے پانچ پڑھا کر خود کرکٹ کھیلنے کلب چلا جاتا جبکہ میری چھٹی چھ بجے ہوتی تھی۔ پانچ سے چھ مجھے فزکس یاد کرنی ہوتی تھی۔ پندرہ بیس منٹ میں مجھے سمجھا کر فارغ کر کے وہ کبھی واک مین کان سے لگائے فلور کشن پر نیم دراز ہو جاتا، کبھی کمپیوٹر پر گیم کھیلتا رہتا۔ وہ ان دنوں ایم ایس سی کے پہلے سمسٹر میں تھا اور میں میتھ سے پنجہ آزمائی کر رہی تھی۔ کبھی کبھار مجھے کام دے کر وہ خود بھی اپنا پڑھنے لگتا۔ میرے امتحانوں میں تین مہینے رہ گئے تھے اسی لیے میرے اوپر ہر تفریح حرام قرار دے دی گئی تھی۔ دن بھر میں صرف ایک گھنٹہ ٹی وی دیکھنے کی اجازت تھی۔

اس رات بھی میں پڑھتے پڑھتے تھک گئی تو اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ سب لوگ سو چکے تھے، عمر کے کمرے کی لائٹ بھی آف ہو چکی تھی۔ میں لاؤنج کی تمام کھڑکیاں اور دروازے احتیاطاً بند کر دیئے اور ہلکی آواز میں ٹی وی چلا کر بیٹھ گئی۔ سونی پر جوہی چاولہ اور عامر خان کی "قیامت سے قیامت تک" آ رہی تھی۔ بڑے دنوں کے بعد آنکھوں کو کچھ ڈھنگ کی چیز دیکھنے کو ملی تو موڈ فریش ہو گیا۔ خوب آرام سے پوری فلم دیکھ کر سوئی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ منحوس عمر مجھے فلم دیکھتے دیکھ چکا ہے۔ مما تو عام حالات میں انڈین فلم دیکھنے کی اجازت نہ دیتی تھیں کہاں کہ امتحانوں سے تین مہینے پہلے۔ چنانچہ اگلے روز اس چغل خور کی وجہ سے مما نے مجھے کمرے میں بلا کر بے نقط سنائی۔ شکر تھا کہ کمرے میں کوئی اور نہ تھا ورنہ مما نے اس دن کوئی لحاظ روا نہ رکھا تھا۔ ان کے خیال سے میں اتنی بگڑ چکی تھی کہ اب میری اصلاح ممکن ہی نہ تھی پھر اس تمام ڈانٹ پھٹکار کا اختتام اس جملے پر ہوا کہ اب میرا وہ ایک گھنٹہ TV دیکھنا بھی بند کر دیا گیا ہے۔

"چلو جی چھٹی ہوئی یہ تو الٹی آنتیں گلے پڑنی والی بات ہوئی" اب کسی بحث و تکرار کی گنجائش نہ تھی چنانچہ اتری ہوئی شکل کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی تو وہ سامنے کھڑا خباثت سے مسکرا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ چھوٹی مما سے ڈانٹ کھا کر آ رہی ہو۔ ویسے اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ آخر بچپن سے ڈانٹ کھانے کی پریکٹس ہے تمہیں۔" وہ طنز کے نشتر چلا رہا تھا اور میں انتقامی جذبات دل میں لیے اسے کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اپنی اس تازہ ترین بے عزتی اور ٹی وی دیکھنے سے محرومی کا بدلہ لینے کا موقع مجھے صرف تین دن بعد ہی میسر آ گیا۔

اس روز عمر نے دوپہر میں مجھے پڑھنے کی چھٹی دے دی جس پر مجھے کافی حیرت ہوئی کہ اتنے دنوں میں اس نے کبھی ایک دن بھی چھٹی نہ دی تھی۔ میں پانی پینے کچن میں آئی تو نوری بڑی پھرتی سے ٹرے میں سموسے، کباب، کیک اور چائے کے کپ رکھ رہی تھی۔

"کوئی مہمان آیا ہے کیا؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی باجی جی! عمر بھائی کے دوست آئے ہیں جی۔ انہوں نے کہا تھا کہ چائے اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر ان کو کمرے میں پہنچا دوں۔" اس نے اسی مصروفیت کے عالم میں جواب دیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔

"لاؤ یہ چائے مجھے دو، میں دے آؤں گی۔" میں نے ٹرے اٹھا لی۔

"باجی جی! انہوں نے کہا تھا دروازہ بجا کر باہر سے ہی ٹرے پکڑا دینا۔" نوری نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے کہا تو میں سر ہلا کر زینہ چڑھ گئی۔

آخر یہ لوگ کمرے میں بند ہو کر کیا کر رہے ہیں۔ کوئی مانے نہ مانے مگر مجھے تو عمر کے سارے دوست ایک نمبر کے لفنگے اور بدمعاش لگتے تھے۔ گھر میں اس بارے میں سب کا خیال میرے خیال سے قطعاً مختلف تھا۔ دروازہ پر دستک دیئے بغیر میں نے ایک دم انٹری دی تو اندر عجیب سی افراتفری پھیل گئی مگر میں بھی ایک کائیاں، ایک نظر میں اندر کا سارا جائزہ لے ڈالا۔

عمر اور جاوید (جس کے لمبے سلکی بالوں سے میں ہمیشہ جیلس رہتی تھی) کارپٹ پر فلور کشن پر اوندھے پڑے سگریٹ پی رہے تھے۔ جبکہ احمد اور سہیل بیڈ پر دراز سگریٹ پی رہے تھے۔ پورے کمرے میں دھواں پھیلا ہوا تھا۔ سامنے ٹی وی پر Zee لگا ہوا تھا جس پر بیوٹی کانٹسٹ کی لائیو ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھی۔ مختلف ممالک کی حسینائیں اپنا لباس فاخرہ لہراتی ادھر سے ادھر مٹکتی پھر رہی تھیں۔ ویسے ان کپڑوں کے لیے "لباس" خاصا غیر موزوں لفظ تھا۔ جاوید بوکھلا کر اپنے شانوں پر جھولتے بال سمیٹ کر ریموٹ سے چینل چینج کرنے لگا۔ احمد اور سہیل نے سگریٹیں ایش ٹرے میں مسل دیں۔ عمر ایک لمحے کو تو بوکھلا گیا تھا مگر اگلے پل دانت پیستے ہوئے غرا کر بولا۔

"کیوں آئی ہو تم؟" میں نے اس کا لہجہ نظر انداز کیا اور ٹرے وہیں کارپٹ پر رکھ کر بولی۔

"تم لوگوں کے لیے چائے لے کر آئی ہوں۔" اور پھر بڑے اطمینان سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اپنے کمرے میں لیٹ کر مجھے خوب ہنسی آ رہی تھی۔ کیسے سب کے سب ایک دم بوکھلا گئے تھے۔ میری مداخلت سے ان لوگوں کا پروگرام تو چوپٹ ہو گیا تھا اور مجھے بہت مزہ آ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میں عمر کو زچ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور یہ کامیابی کوئی چھوٹی موٹی کامیابی نہ تھی۔ اب جب میں اس کی اصلیت سب کو بتاؤں گی تو اس کی حالت کیا ہوگی۔ میں چشم تصور سے وہ خوشگوار اور روح پرور نظارا دیکھ رہی تھی۔ شام میں ڈیڈی کو میں نے آفس سے آتے ہی پورچ میں روک لیا اور عمر کے آج کے کرتوت کے بارے میں بتایا تو اس کی اسموکنگ کا سن کر انہیں کافی سے زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ ان کا ارادہ اسے شاید اکیلے میں سرزنش کرنے کا ہوگا مگر میں ان کے ساتھ چلتی ان کے بیڈ روم تک گئی اور انہیں اس بات پر آمادہ کر کے ہی چھوڑا کہ وہ سب کے سامنے اسے ڈانٹیں گے۔ عمر تو اپنے لفنگوں کے ساتھ اسی وقت کہیں چلا گیا تھا۔ رات کے کھانے پر اس کی واپسی ہوئی۔ میں نے ڈیڈی کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا تو میری بے تابی پر وہ ہنس پڑے۔ ہماری ایک دوسرے سے پیدائشی دشمنی گھر میں کسی سے ڈھکی چھپی بات تو نہیں تھی۔

پھر انہوں نے میری حسب خواہش عمر کو خوب کھری کھری سنائیں۔ اسے سگریٹ نوشی اور اس کے مضر اثرات پر سیر حاصل لیکچر دیا مگر بیوٹی کانٹسٹ دیکھنے والی بات انہوں نے دانستہ نظر انداز کر دی یا واقعی بھول گئے تو میں ان کو یاد دلانے کے لیے بولی۔

"پتا ہے ڈیڈی! یہ خوب گھور گھور کر ایشوریا کو دیکھ رہا تھا اور پتا ہے اس نے کیا پہنا ہوا تھا۔" میں جوش میں بولتی شاید پٹڑی سے اترنے لگی تھی جب مما کی تنبیہی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

"تابی! خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" میں نے مما کی طرف دیکھا وہ میری بے وقوفی اور بے عقلی پر شدید تاؤ کھا

رہی تھیں۔ میں فوراً لب بھینچ کر چپ ہوگئی۔ عمر جو خاموشی سے سر جھکائے ڈیڈی کی تمام پھٹکار سنتا رہا تھا۔ ابھی بھی ویسے ہی بیٹھا ہوا تھا اور دادی کہاں برداشت کرسکتی تھیں کہ کوئی ان کے لاڈلے کی طرف میلی نظر سے دیکھے بھی۔ چنانچہ اور تو کوئی ہاتھ لگا نہیں میں ہی نظر آ گئی۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ کمزور کو ہر کوئی دباتا ہے اور دادی کا تو میں سب سے کمزور اور آسان ٹارگٹ تھی اس لیے انہوں نے بات کا رخ میری طرف موڑ دیا اور بڑے غصے میں بولیں۔

''تم وہاں عمر کے دوستوں میں کرنے کیا گئی تھیں؟ اتنی بڑی ہوگئی ہو، ذرا عقل نہیں۔ یوں غیر لڑکوں میں جا کر گھسنا کوئی اچھی بات ہے۔'' مگر ان کے لاڈلے کا دل شاید بہت بری طرح ٹوٹ چکا تھا اسی لیے دادی کی تمام گفتگو پر وہ بغیر کوئی دھیان دیئے چپ چاپ کھانا ختم کر کے اٹھ گیا اور خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

دادی کا صدمے کے مارے برا حال تھا، کوئی ان کے عزیز از جان عمر کو تکلیف دے یا دکھ پہنچائے اسے تو وہ قبر میں بھی چین نہ لینے دیں۔ بڑی خار بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ڈیڈی سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا ہے عثمان! اس کے ساتھ۔ ارے ایسا اس نے کیا کر دیا جو یوں اس کو ڈانٹا ڈپٹا جائے۔ اس کی عمر کے لڑکے ابھی تک انٹر اور بی کام میں اٹکے بیٹھے ہیں اور وہ اتنی چھوٹی عمر میں ایم ایس سی تک پہنچ گیا۔ آج کل کے تو ذرا ذرا سے چھوکرے سگریٹ پھونکتے پھرتے ہیں۔ وہ اب اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے۔ کیا ہوگیا اگر وہ دوستوں کے ساتھ تھوڑی سی تفریح کر رہا تھا۔'' دادی کی اس اقرباء پروری پر میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ کبھی ایسے پھول میرے لیے نہیں جھڑے منہ سے۔ کبھی مما سے یہ نہیں کہا کہ

''اس کی عمر کی لڑکیاں صبح شام ڈش دیکھتی ہیں اسے بھی انڈین فلمیں دیکھنے دو۔'' بلکہ ہمیشہ مما کو میرے خلاف اکساتی ہیں ورنہ مما اتنی بری نہیں ہیں۔

''پھر بھی اماں! اسموکنگ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ کسی بھی ایج کے آدمی کے لیے اچھی نہیں ہے۔'' ڈیڈی نے دادی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تو وہ بغیر کوئی جواب دیئے منہ بناتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

دادی کی عمر کے لیے بے جا حمایت پر وقتی طور پر میرا موڈ خراب ہوا مگر رات جب میں سونے لیٹی تو میں نے سوچا کہ میرا مقصد تو پورا ہو ہی گیا۔ اسے ذلیل کروا کر اور ڈانٹ پڑوا کر مجھے اس رات بڑی چین کی نیند آئی۔

اگلے روز اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بھوکا شیر بے چینی سے بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے اور ابھی مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ پتا تھا وہ اتنی آسانی سے مجھے معاف کرنے والا تو ہے نہیں اسی لیے بہت ڈر لگ رہا تھا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے کل کی کسی بھی بات کا کوئی حوالہ دیئے بغیر مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ ٹریگنو میٹری کے بنیادی اصول سمجھاتا وہ یوں لگ رہا تھا جیسے کل کچھ ہوا ہی نہیں۔ بڑے پیار سے اور پر شفقت انداز میں جو کہ اس کا خاصا ہر گز نہ تھا مجھے فارمولے یاد کروا رہا تھا۔ میں اس کی عظمت اور اعلیٰ ظرفی کی دل ہی دل میں معترف ہوگئی۔

''تمہارے ہاں ناخنوں کی چیکنگ نہیں ہوتی؟'' پڑھاتے ہوئے اچانک اس نے مجھ سے ایک غیر متعلقہ سوال کیا تو ایک لمحے کو میں حیران ہوئی پھر اپنے لمبے اور خوبصورت فائل ہوئے ناخنوں کو دیکھ کر بولی۔

''ارے بڑی زبردست چیکنگ ہوتی ہے مگر ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، ارم ہی تو ہیڈ پریفیکٹ ہے۔'' میں نے اپنی

بیسٹ فرینڈ کا نام لیا تو وہ سمجھ جانے والے انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اس کے غیر معمولی خوشگوار رویئے سے متاثر ہو کر میں نے بھی اس سے باتیں شروع کر دیں۔

''مما تو کبھی بھی مجھے ناخن نہ بڑھانے دیں۔ میں نے ان سے چھپا کر ناخن بڑھائے ہیں۔ بس ارسلان بھائی کی شادی ہو جائے پھر کاٹ لوں گی۔''

ہمارے پھوپھی زاد ارسلان بھائی کی عنقریب شادی ہونے والی تھی۔ خاندان کی پہلی شادی تھی اس لیے ہم سب ہی بہت خوش تھے۔ عمر کی دلچسپی محسوس کرتے ہوئے میں مزید گویا ہوئی۔

''پتا ہے عمر! ارسلان بھائی کی شادی کے لیے میں نے گرین کلر کا غرارہ بنایا ہے۔'' وہ میری بات سن کر بے ساختہ ہنس پڑا۔ کافی دیر تک جب اس کی ہنسی نہ رکی تو میں چڑ گئی۔

''ایسا میں نے کون سا لطیفہ سنایا ہے جو تمہاری ہنسی ہی نہیں رک رہی۔'' میرے چڑنے کی پرواہ کیے بغیر وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''اصل میں میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم غرارہ پہن کر کیسی لگو گی، ذرا سوچو۔'' وہ پھر سے ہنسنے لگا۔ ''ایسا لگے گا جیسے کوئی توپ چلی آ رہی ہے۔'' وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کی اس بات پر میں ایک لمحے کو تو ناراض ہو کر بیٹھ گئی اور پھر کچھ دیر بعد بڑی فکر مندی سے بولی۔

''کیا واقعی غرارہ میرے اوپر اچھا نہیں لگے گا؟ عمر! کیا میں بہت موٹی ہوں؟'' میرے درد بھرے انداز پر وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بہت کا لفظ ہٹا دو، تم صرف موٹی ہو۔'' اس کی بے نیازی پر میں غمزدہ ہو کر بولی۔

''میں نے مما سے ضد کر کے غرارہ بنوایا ہے اور مما نے بھی وعدہ کیا ہے کہ باوجود امتحانوں کے وہ مجھے ارسلان بھائی کی شادی کے ہر فنکشن پر جانے دیں گی۔'' میں بہت فکر مند ہوگئی تھی کہ غرارہ میرے اوپر اچھا نہیں لگے گا مگر میں جانتی نہ تھی کہ یہ غرارہ پہننا میری قسمت میں لکھا ہی نہیں گیا۔

اگلے ہی دن مما نے نیل کٹر سے اپنے سامنے ہی خوب اندر تک دھنسوا کر میرے ناخن کٹوائے تو میں حیران رہ گئی کہ انہیں پتا کیسے چلا؟ پھر اس کے بعد ارسلان بھائی کی شادی کے کسی بھی فنکشن پر مجھے لے جانے سے مما نے صاف انکار کر دیا۔

''امتحان سر پر ہیں اور تمہیں فنکشنز کی پڑی ہوئی ہے۔'' میں نے مما کو ان کا وعدہ یاد دلانا چاہا تو وہ بڑی ناراضی سے بولیں ''ٹھیک ہے میں نے کہا تھا مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تمہاری ابھی تک ذرا بھی تیاری نہیں ہے۔ فزکس کے چار چیپٹر بغیر ہاتھ لگائے ایسے ہی رکھے ہیں، کچھ سنجیدہ ہو جاؤ پڑھائی میں۔''

اور پھر میں روتی رہ گئی مگر کسی نے میرے اوپر رحم نہ کھایا، عمر تو آگ لگا کر پھوپھو کے گھر چلا گیا تھا اور شادی کے تمام فنکشنز ختم ہونے تک وہ وہیں رہا تھا۔ اس کمینے نے کیسا بھرپور بدلہ لیا تھا مجھ سے۔ ہمارے خاندان کی پہلی شادی اور میں اس میں شرکت سے محروم رہ گئی تھی۔

وقت کیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے چنانچہ یہ بدترین وقت بھی گزر ہی گیا اور پھر وہ لمحہ آیا جب میں اپنے گھر

والوں کے سامنے سرخرو ہو سکی۔ میٹرک میں 70% میرے اپنے حساب سے بہت زیادہ تھے۔ گھر میں پہلے پہل تو کسی کو یقین ہی نہ آیا۔ میری نالائقی سے تو اب سب ویسے ہی سمجھوتا کر چکے تھے۔ کسی اور کو تو کیا مجھے خود یقین نہ آ رہا تھا۔ مما نے زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے گلے سے لگا کر پیار کیا تو میں خوشی سے بے حال ہو گئی۔ ممی نے سونے کی خوبصورت سی چین دی اور پاپا نے ہزار روپے دیئے، میں خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ عمر سامنے ہی بیٹھا میرا خوشی سے گل رنگ چہرہ بڑے طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں اس کی طرح ناشکری نہیں ہوں کہ پوزیشن آنے پر بھی منہ بنایا جا رہا تھا۔ میں تو اے گریڈ پر بھی اپنے رب کی بڑی شکر گزار ہوں۔'' اس کی طنزیہ نظریں نظر انداز کر کے میں نے دل ہی دل میں خود کو حوصلہ دیا۔ دادی ایسے موقع پر چپ کیسے رہ سکتی تھیں۔ میرا دل جلانے کو بڑے طنز سے بولیں۔

''ارے بی بی! میرے عمر کے پاؤں دھو دھو کر پیو، جس نے تم ایسی نکمی اور نالائق کو کسی لائق بنا دیا ورنہ مجھے امید نہ تھی کہ تم ایک ہی مرتبہ میں میٹرک کے پرچے پاس کر لو گی۔'' جب سے میں نے ڈیڈی سے عمر کو ڈانٹ پڑوائی تھی دادی میری اور بھی دشمن ہو گئی تھیں۔ حالانکہ ان کا چہیتا مجھ سے بدلہ لے چکا تھا مگر ان کا غم ابھی تک باقی تھا۔ میں نے دادی کا طنزیہ انداز بھی نظر انداز کر دیا اور خوشی خوشی ہزار روپوں کو ٹھکانے لگانے میں لگ گئی۔

☆

کالج میں آئی تو ایک بالکل ہی مختلف دنیا سے میرا تعارف ہوا۔ مما نے مجھے پری انجینئرنگ دلوائی تھی حالانکہ پاپا نے دبے لفظوں میں مما کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کہ

''اگر اس کا انٹرسٹ آرٹس کی طرف ہے تو اسے وہی پڑھنے دو۔'' مگر مما نے ان کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دی تھی اور میں جو ابھی تک ان کے گلے لگا کر پیار کرنے پر سرشار تھی بلا چوں چرا ان کی بات مان گئی تھی۔

کالج میں ہم چاروں کا گروپ تو وہی پرانا تھا یعنی میں، ارم، لبنیٰ اور وردہ مگر ہمارے گروپ میں نیا اضافہ فرحانہ کا تھا جو ویسے تو ایج میں ہم لوگوں سے ڈیڑھ دو سال بڑی تھی مگر باتیں بڑی مزے کی کرتی تھی۔ پہلے ہی دن وہ ہمارے گروپ میں شامل ہو گئی تھی اور دوسرے دن بڑے مزے سے اپنے فیانسی کی تصویریں اٹھا کر لے آئی اور بتایا کہ اس کی منگنی عمران سے سال بھر پہلے ہی ہوئی ہے۔ وہ بھی بڑے زبردست قسم کے افیئر کے بعد اور یہ کہ وہ میٹرک میں مسلسل دو سال تک فیل ہوتی رہی، صرف اور صرف اسی چکر کی وجہ سے۔

''یار! میری ممی کہتی ہیں کہ لڑکیوں کو پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے، آخر کرنا تو وہی ہانڈی چولہا ہی ہے نا۔ بس میری تو انٹر کرتے ہی شادی ہو جائے گی۔ کالج بھی میں تو صرف ٹائم پاس کرنے آتی ہوں۔''

وہ بڑے اطمینان سے بتا رہی تھی اور ہم چاروں جنہیں پڑھائی کی خاطر دن رات گھر والوں سے جوتے پڑتے تھے اس کے نصیب پر رشک کرنے لگے۔ اس کی باتوں میں ہم لوگوں کو بڑا مزہ آتا تھا۔ وہ روزانہ تفصیل کے ساتھ اپنی اور عمران کی ٹیلی فونک گفتگو کا احوال سناتی جو رات کو بارہ بجے سے صبح کے چار بجے تک بلا ناغہ جاری رہتی تھی۔ اس کا منگیتر بی کام کر کے اپنے ابا اور بھائیوں کے ساتھ بزنس کرتا تھا۔'' عمران نے یہ کہا، میں شرما گئی، عمران

نے وہ کہا میں بھی شرم سے سر جھکا کر رہ گئی'' اس کی باتوں پر ہم لوگوں کو حسرت سی محسوس ہوتی کہ کیا ہم اس قابل نہیں کہ کوئی ہمیں بھی پسند کرے۔ ہمیں تو آج تک کسی نے لفٹ ہی نہیں کروائی۔ ارم نے تو باقاعدہ اس روز کالج سے گھر آتے ہوئے کہہ بھی دیا۔

''فرحانہ سے تو زیادہ ہی خوبصورت ہوں میں، پتا نہیں لوگوں کی نظریں کمزور کیوں ہو گئی ہیں؟'' مجھے بھی کیونکہ اس کی اس بات سے مکمل اتفاق تھا اس لیے اس کی تائید کرنے لگی اور پھر کافی دیر تک ہم اپنی اس ناقدری پر افسوس کرتے رہے۔

فرحانہ کی باتیں سن سن کر ہم چاروں کو منگنی کروانے یا کم از کم ایک آدھ چکر چلانے کا بڑا شوق ہو گیا تھا۔ فرحانہ نے بتایا تھا کہ عمران نے اسے اسکول سے گھر جاتے ہوئے راستے میں ایک دن لفٹ کی آفر کی تھی اور بس وہیں سے ان کی لو اسٹوری شروع ہو گئی تھی۔

یہ قصہ سننے کے بعد لاشعوری طور پر میں روزانہ کالج آتے اور جاتے وقت اپنے اردگرد آگے پیچھے چلتی تمام گاڑیوں کو نظر میں رکھنے لگی کہ شاید ان ہی میں سے کسی میں ''وہ بھی ہو جو روزانہ میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے گاڑی میری گاڑی کے ساتھ دوڑاتا ہو۔'' مگر وائے افسوس ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم چاروں کی سپاٹ اور بے رنگ زندگی میں کوئی ہلچل نہ مچی۔

اس صبح میں ناشتے کی میز پر خاصی تاخیر سے آئی تو میز پر گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ مما نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور غصے سے بولیں ''ابھی تک یونیفارم بھی نہیں پہنا، کالج جانے کا ارادہ ہے یا نہیں؟'' میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

''مما! آج میرا کالج جانے کا موڈ نہیں ہے۔'' میں نے سستی سے کہتے ہوئے ایک لمبی سی جمائی لی تو میری جمائی پر دادی مجھے گھورنے لگیں۔ بے چاری دادی ساری زندگی میری تربیت پر توجہ دیتی رہیں مگر میں نے بھی سدھر کر نہ دیا۔ مجھے ان کے گھورنے پر خوامخواہ ہنسی آنے لگی۔

''کیا بات ہے آپ کے موڈ کی، انٹر کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔'' مما نے طنز کا نشتر چلایا۔ ان کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر میں آرام سے آملیٹ سے لطف اندوز ہونے لگی۔

''چلو جاؤ جا کر یونیفارم پہن کر آؤ، نوابزادی اب اپنے موڈ سے کالج جایا کریں گی۔'' مما کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''کیا ہے مما! مجھ سے نہیں ہوتی اتنی مشکل پڑھائی۔ فزکس پڑھو، کیمسٹری رٹو پھر میتھ کے ساتھ سر کھپاؤ۔ فائدہ اس ساری مغز ماری کا؟ آخر کرنا تو وہی ہانڈی چولہا ہی ہے ناں۔'' میں نے اپنے طور پر بڑی سنجیدہ بات کی تھی مگر پتا نہیں کیوں عمر کو خوامخواہ کھانسی ہونے لگی تھی اور ڈیڈی نے اپنے لبوں پر مچلنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کا گلا گھونٹتے ہوئے اخبار چہرے کے آگے پھیلا لیا تھا۔ مما خاموشی سے مجھے گھور رہی تھیں اور ان کے گھورنے کی وجہ سمجھنے سے میں قاصر تھی۔

''شاباش ہے، اس بے حیائی کی کسر رہ گئی تھی، چلو وہ پوری ہوئی۔'' دادی نے غصے اور طنز کے ملے جلے انداز میں کہا تو میں ان کے ناراض ہونے پر حیران سی بیٹھی رہ گئی۔

''کیوں میں نے ایسی کیا بات کہہ دی ہے۔ میری کلاس میں آدھی سے زیادہ لڑکیوں کی انگیجمنٹ ہو گئی ہے اور

سب کی شادیاں انٹر کرتے ہی ہو جائیں گی۔'' انگیجمنٹ کا ذکر بڑی حسرت کے ساتھ کیا۔'' تو انہیں کیا فائدہ ہوگا اتنے مشکل سبجیکٹ پڑھنے کا۔ شادی کے بعد ان کی ساس آئن اسٹائن کی Theory of relativity تو سنیں گی نہیں۔'' میں نے بڑی بے نیازی سے بات مکمل کی۔

مما اور دادی کے علاوہ میز پر موجود تمام لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور تو اور مریم بھی جواب خیر سے نو سال کی ہوگئی تھی وہ بھی ہنس رہی تھی۔ مجھے دادی اور مما کے گھورنے پر افسوس ہو رہا تھا۔ بھئی یہ تو قدرتی بات ہے۔ کیا میری کبھی شادی نہیں ہوگی۔ عمر تو باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔ مما پتا نہیں کیوں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ میں بڑے آرام سے ناشتہ کرتی رہی تھی یہ اور بات کہ بعد میں مما نے خوب گھن گرج کے ساتھ مجھ پر برستے ہوئے پاپا اور ڈیڈی کے سامنے اس بے حیائی پر سخت سست سنائی تھیں۔

کچھ ہی دنوں بعد میری برتھ ڈے آئی تو وہ چاروں میرے ساتھ سالگرہ سیلبریٹ کرنے گھر چلی آئیں۔ مما نے بھی میری دوستوں کی آمد کا لحاظ کرتے ہوئے کافی ساری چیزیں بنا کر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے خود تو صرف چائے ہی بنانی آتی تھی۔ ہم پانچوں لان میں بیٹھے کھانے پینے اور ہلا گلا کرنے میں مصروف تھے۔ میں ان لوگوں کے دیئے گفٹس کھولنے لگی ہوئی تھی جب فرحانہ کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ بالکل میرے قریب ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''تاباں! یہ اسمارٹ سالڑ کا کون ہے؟'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے سے بڑی لاپرواہی سے عمر بلیک ٹی شرٹ اور بلیک جینز پہنے شاید جم خانہ جانے کے لیے پورچ کی طرف جا رہا تھا۔

''عمر ہے، میرا کزن۔'' میں نے سرسری سے لہجے میں جواب دیا اور دوبارہ گفٹس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ چاروں تو پرانی سہیلیاں تھیں اس لیے عمر کو پہلے سے جانتی تھیں، فرحانہ نے پہلی دفعہ دیکھا تھا اس لیے پوچھ رہی تھی۔

''یہ اتنا اسمارٹ اور ہینڈسم لڑکا تمہارا کزن ہے اور پھر بھی تم اپنی قسمت پر افسوس کرتی ہو۔'' فرحانہ نے با آواز بلند فرمایا تو گاڑی کا دروازہ کھولتے عمر نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی بے نیازی سے گاڑی نکال کر یہ جا وہ جا۔ میں اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑی اور بولی۔

''اول تو یہ کوئی ہینڈسم وینڈسم نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو مائی فٹ، یہ تو میرا پیدائشی دشمن ہے۔'' عمر کو میں نے کبھی اس قابل سمجھا ہی نہیں تھا کہ دوستوں کے سامنے اس کا تذکرہ کرتی اس لیے ارم، وردہ اور لبنیٰ ابھی اس کی اور میری جدی پشتی دشمنی کے بارے میں زیادہ تفصیل سے نہیں جانتی تھیں۔ پھر فرحانہ کے بے حد اصرار پر میں نے مختصر ترین الفاظ میں اپنی عمر کی خاندانی دشمنی کا احوال سنایا۔ میری ساری کتھا سننے کے بعد فرحانہ بڑے فلسفیانہ انداز میں کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سر اٹھا کر سنجیدہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ بتاؤ، اس کا یہ رویہ صرف تمہارے ہی ساتھ ہے یا وہ باقی ساری کزنز کے ساتھ بھی اسی طرح بی ہیو کرتا ہے؟'' میں اس کے سوال پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''نہیں باقی سب کے ساتھ تو وہ انسان کے بچوں کی طرح رہتا ہے۔ بڑی پھپو، چھوٹی پھپو کی بیٹیوں اور دیگر تمام خاندان کی لڑکیوں کے ساتھ وہ اچھی طرح ملتا ہے۔ دشمنی تو اسے صرف اور صرف مجھ سے ہے۔ وہ تو میرا ازل سے دشمن ہے۔'' میری اس بات پر فرحانہ خوشی سے اچھل پڑی اور مسرت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''بس دیکھ لیا، میرا اندازہ صحیح نکلا۔ ارے بیوقوف وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور جان کر ستاتا ہے۔ لکھ لو میری بات، وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ میرا تجربہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوسکتا۔ ابھی کل ہی میں نے ایک ناول پڑھا ہے جس میں ہیرو ہیروئن کو جان بوجھ کر خوب تنگ کرتا ہے، اسے رلاتا ہے اور اس کے سامنے دوسری لڑکیوں سے دوستی کرتا ہے۔ بے چاری ہیروئن اس غلط فہمی کا شکار رہتی ہے کہ یہ مجھے پسند نہیں کرتا آخر میں ساری بات کھلتی ہے اور دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔'' فرحانہ بڑے عالمانہ انداز سے بول رہی تھی اور میرا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا تھا۔

''یہ عمر کا بچہ اور مجھ سے محبت کرے گا۔ یہ بڑی خبیث روح ہے اور اگر کرے بھی تو میں تو اسے کبھی منہ بھی نہ لگاؤں۔'' میں نے بڑی نفرت سے کہا۔ اس روز تو بات آئی گئی ہوگئی مگر بعد میں ان لوگوں کے ہاتھ جیسے ایک نیا موضوع آگیا۔ فرحانہ کے منگیتر کے قصے سن سن کر سب لوگ شاید اب بیزار ہو چکے تھے۔ اس لیے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے آج کل عمر موضوع بحث بنا ہوا تھا۔

فرحانہ کے ساتھ وہ تینوں بھی مجھے یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ میرے گھر میں اک عدد اتنا ہینڈسم کزن موجود ہے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں۔ ارم نے جس پر فرحانہ کی محبت کا اثر سب سے زیادہ ہوا تھا میرے مسلسل انکار پر آخر ایک دن جل کر کہہ ہی دیا۔

''اترا لو خوب اپنے ہینڈسم اور اسمارٹ کزن پر۔ ارے فرحانہ! ایک عمر پر ہی کیا موقوف، یہ محترمہ کزنز کے معاملے میں خاصی خودکفیل ہیں۔ بدنصیب تو صرف ہم ہی ہیں جو اپنے کزنز کی رومال سے ناک صاف کرتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کی اماؤں کی مدد کے خیال سے ان کے نپی چینج کرتے ہیں۔'' اس کی بات پر ہم سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا تھا۔ اس کے امی اور ابا دونوں اپنے بہن بھائیوں میں بڑے تھے اس لیے اس کے تمام کزنز عمر میں اس سے کافی چھوٹے تھے اور اسے اس بات کا بے حد افسوس تھا۔

قطرہ قطرہ پانی گرتے رہنے سے تو پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے جبکہ میں تو ایک معصوم اور بھولی بھالی سی لڑکی تھی۔ شروع میں ان کی یہ باتیں مجھے بری لگتی تھیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ مجھے بھی ان کی چھیڑ چھاڑ اچھی لگنے لگی۔

اس روز عمر اسٹڈی میں بیٹھا مجھے تھیورم سمجھا رہا تھا۔ میتھ ابھی بھی مجھے عمر ہی پڑھاتا تھا۔ باقی فزکس اور کیمسٹری کے لیے میں نے کوچنگ سنٹر جوائن کیا ہوا تھا۔ وہ بے چارہ بڑی جانفشانی سے مختلف مثالیں دے کر مجھے سمجھانے میں مصروف تھا اور میں زندگی میں پہلی مرتبہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''ہاں، عمر ہینڈسم تو ہے، کم از کم فرحانہ کے اس جوکر سے تو اچھا ہی ہے۔'' میں نے اپنے آپ سے کہا۔ نظروں کا زاویہ بدلا تو مجھے اس میں بہت سی خوبیاں نظر آنا شروع ہوگئیں'' ہائٹ بھی اچھی ہے، اسپورٹس میں بھی اچھا ہے، پڑھائی میں تو خیر کیا بات ہے، وہ ہے ہی جینئس اور پرسنیلٹی تو بڑی زبردست ہے۔ نو ڈاؤٹ اس کی لک بہت ہی مردانہ ہے۔'' میں اس پر نظریں جمائے سوچ رہی تھی۔

''لو اب تم مجھے یہ سوال کر کے دکھاؤ، ذرا جلدی سے، ہری اپ۔'' عمر کی آواز مجھے ہوش وحواس کی دنیا میں واپس لائی۔ وہ مجھے گھور کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے، بیٹھے بیٹھے سوگئی تھیں کیا؟ جلدی سے یہ سوال کر کے دکھاؤ تو میں جاؤں، مجھے کمپیوٹر پر

بہت ضروری کام کرنا ہے۔'' وہ بڑی بے زاری سے بولا تو میں شرمندہ سی آواز میں بولی۔

''سوری عمر! میری سمجھ میں بالکل بھی نہیں آیا۔''

''کیا؟'' وہ چیخ اٹھا تھا۔ ''پاگل کردو گی تم مجھے۔ جنگلی، بدتمیز۔ اتنی دیر سے بیٹھا وقت برباد کر رہا ہوں۔ دفع ہو یہاں سے، ایڈیٹ۔'' وہ میرے اوپر غصہ اتار کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگیا تو میں اپنی چیزیں اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل آئی مگر آج مجھے عمر کی ڈانٹ بری نہیں لگی تھی۔ میرا بھی اس بات پر ایمان پختہ ہو رہا تھا کہ عمر میرے ساتھ ایسا سلوک جان کر کرتا ہے ورنہ باقی سب کے ساتھ تو وہ بہت اچھا ہوتا ہے۔

انہیں گزرتے دنوں میں رمضان آگئے تو فرحانہ نے ایک نیا شوشا چھوڑا۔

''تاباں! تم عید پر عمر کو کارڈ اور کوئی گفٹ دو۔'' پہلے پہل تو میں نے منع کیا مگر وہ سب کی سب ہی میرے پیچھے پڑ گئیں۔ سب کا خیال تھا کہ وہ بے چارہ مجھ سے اظہار محبت کرتے ہوئے ڈرتا ہے اور میری پیش قدمی پر وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ پھر میری سونی زندگی میں بھی بہار آجائے گی اور میں بھی اپنی دوستوں کو 'ان' کے قصے سنا سکوں گی۔ ان لوگوں کے اتنے یقین سے کہنے پر مجھے بھی ایمان لانا پڑا۔ پھر وہیں کالج کی بک شاپ سے ہم نے بلیک کلر کی کارڈ شیٹ خریدی۔ ڈرائنگ تو میری تھی ہی اچھی۔ چنانچہ بلیک شیٹ پر خوبصورت ریڈ کلر کے گلاب کے پھول میں نے پینٹ کیے وہ چاروں میرے اردگرد بیٹھی مختلف مشوروں سے نواز رہی تھیں۔ اس روز ہم نے سارے پیریڈز بنک کیے اور کامن روم میں بیٹھ کر کارڈ بناتے رہے۔ گو بنا تو میں رہی تھی لیکن مشورے وہ لوگ دے رہی تھیں۔ کارڈ تیار ہوگیا تو مسئلہ کھڑا ہوا کہ اس پر لکھا کیا جائے؟ سب کی مشاورت سے بڑی سوچ بچار کے بعد میں نے کٹ پین سے بڑے خوبصورت لکھائی میں کارڈ کے باہر سنہری حروف لکھے۔

Eid wishes to someone very Special

پھر اندر میں نے Dearest Umar لکھا اور اس کے نیچے لکھا۔

Special people like you bring warm thoughts to the mind and warm feelings to the heart.

نیچے اپنا نام لکھا۔ ان لوگوں کے بے حد اصرار پر بھی میں ''تمہاری تاباں'' لکھنے پر تیار نہ ہوئی۔ آخر شرم و حیا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ارم کا خیال تھا کہ کارڈ ابھی کچھ سونا لگ رہا ہے۔ اس میں ایک آدھ شعر بھی ہونا چاہیے۔ ان دنوں ہماری شعر و شاعری کورس کی کتابوں تک ہی محدود تھی چنانچہ اپنی اردو کی ٹیکسٹ بک کھول کر بیٹھ گئے اور بڑی جدوجہد کے بعد مومن خان مومن کا یہ شعر ہمارے معیار پر پورا اترا۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مجھے اس شعر پر خاصا اعتراض تھا مگر وہ لوگ بضد تھیں کہ یہی لکھو، آخرکار کارڈ مکمل ہوا۔

''بس اب تم اس کے ساتھ ایک گفٹ خرید کر چاندرات کو جا کر اسے دے دینا۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ آخر یہ میرا دو سالہ کامیاب تجربہ ہے کوئی مذاق نہیں۔'' فرحانہ بڑے یقین سے کہہ رہی تھی۔

''جب تم اسے یہ کارڈ دو گی تو پہلے تو وہ کچھ حیران ہوگا پھر مسکرادے گا اور اس کے بعد تم سے کہے گا کہ ہاں تابی میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں پتا نہیں کب سے، مگر کہنے سے ڈرتا تھا۔'' فرحانہ نے بڑا رومان پرور نقشہ کھینچا اور ہم سب کی سب مسحور سی ہو کر اسے تکنے لگیں۔

''پھر وہ تمہیں چوڑیاں پہنانے لے جائے گا، ہوسکتا ہے چوڑیاں اپنے ہاتھوں ہی سے پہنائے، اس کے بعد وہ تمہیں آئس کریم کھلائے گا۔ گویا یہ چاندرات تمہارے لیے خوشیوں کے دروازے کھول دے گی۔'' فرحانہ کی باتیں مجھے خیالی دنیا میں لے گئیں۔ عمر کے ہاتھوں سے چوڑیاں پہنتی میں بے تحاشا شرماتی ہوئی۔

''مگر ہم لوگوں کو ساری رپورٹ سنائے بغیر اگر تم چوڑیاں پہننے چلی گئیں تو یاد رکھنا کہ ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' لبنیٰ نے مجھے دھمکی دی۔

''ایک ایک کو روداد سنانے بیٹھی تو چاندرات تو یونہی تمام ہو جائے گی، پھر میں چوڑیاں پہننے کب جاؤں گی؟'' میں نے فکرمندی سے کہا۔

''یہاں بھی فرحانہ کی ''ذہانت'' اور تجربہ کام آیا کہنے لگی ''تمہیں صرف میں فون کروں گی۔ تم ساری داستان سنا دینا، باقی لوگوں کو پھر میں بتا دوں گی۔''

ہم سب نے ہی اس کی بات سے اتفاق کیا اور پھر طے یہ کیا گیا کہ چاندرات کو نو سے دس کے درمیان میں عمر کو کارڈ اور گفٹ دوں گی اور فرحانہ ساڑھے دس بجے فون کر کے مجھ سے ساری تفصیلات سنے گی۔ عید کی وجہ سے چھٹیاں ہو رہی تھیں اور آج ہمارا چھٹیوں سے پہلے لاسٹ ڈے تھا۔ سب کو خدا حافظ کہتی میں اپنی گاڑی میں جا رہی تھی۔

راستے میں ڈرائیور سے گاڑی رکوا کر عمر کے لیے گیمز کی سی ڈی خریدی۔ ان دنوں میری پاکٹ منی مجھے اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ میں کوئی قیمتی پرفیوم یا قلم اسے تحفے میں دے سکتی۔ پھر کمپیوٹر میں تو اسے دلچسپی بھی بہت ہے، میں نے خود کو اطمینان دلایا۔

چاندرات آئی تو میں صبح ہی سے بڑی ایکسائیٹڈ تھی۔ گفٹ تو میں نے رات ہی پیک کر کے رکھ لیا تھا۔ سارا دن خیالوں میں عمر کے سنگ پتا نہیں کہاں کہاں کی سیر کرتی رہی۔ اللہ اللہ کر کے رات ہوئی۔ ٹی وی پر نو بجے چاند نظر آجانے کا اعلان نشر ہوا تو مما وغیرہ فوراً ہی کچن میں گھس گئیں اور میں جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی۔ دھڑکتے دل کیساتھ گفٹ اور کارڈ اٹھایا اور باہر نکلی۔ عمر کے کمرے میں جاتے ہوئے میں اس سے پہلے اتنی نروس کبھی نہ ہوتی تھی جتنی اس روز ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو دل چاہا کہ رہنے دوں مگر پھر اپنی سہیلیوں کا خیال آیا۔ ابھی فرحانہ فون کر کے پوچھے گی اور اگر اسے پتا چلا کہ میں نے کارڈ نہیں دیا تو وہ کتنی گالیاں دے گی اور مجھے جاہل، گنوار اور بزدل کے القاب سے نوازے گی۔

''نہیں، میں بزدل نہیں ہوں۔'' میں نے خود کو سمجھایا اور دل کڑا کر کے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''یس کم ان۔'' کی آواز سنائی دی تو میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ وہ بیڈ پر بیٹھا جوگرز پہن رہا تھا، ایک نظر میری طرف دیکھا اور بولا۔

''فرمایئے۔'' میں نے گفٹ اور کارڈ دونوں اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر کمر سے لگائے ہوئے تھے، اس لیے اسے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ جب دو چار سیکنڈ گزر گئے اور میں کچھ بھی نہ بولی تو وہ جوگرز کے تسمے باندھ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''کیا تکلیف ہے بول بھی چکو، مجھے جاوید کی طرف جانا ہے، جلدی کہو جو کہنا ہے۔'' بڑی بدتمیزی سے کہتا وہ گھڑی پہننے لگا تھا مگر میں نے اس کا لہجہ نظر انداز کر دیا۔ مجھے معلوم تھا ابھی یہی زبان میرے لیے پھول برسائے گی۔ بس ایک لمحے کی بات تھی، میں نے کارڈ اور گفٹ ایک دم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ حیران نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہے یہ؟'' لہجہ بھی حیرت زدہ تھا۔

''وہ عمر! میں نے سوچا ہم ہمیشہ خوامخواہ لڑتے رہتے ہیں جبکہ اب ہم بڑے ہو چکے ہیں تو اب ہمیں آپس میں دوستی کر لینی چاہیے۔ اسی لیے میں تمہارے لیے یہ لائی ہوں۔'' میں نے اس کی طرف بڑی لگاوٹ سے دیکھتے ہوئے یہ جملے ادا کیے تھے۔ ویسے جملے میں لفظ ''بڑے'' پر میں نے خاصا زور دیا تھا۔ اس کی حیرت بھی بجا تھی۔ ہم دونوں نے ساری زندگی کبھی ایک کینڈی یا مونگ پھلی تک تو ایک دوسرے کو دی نہ تھی اور کہاں آج میں اس کے لیے گفٹ لیے کھڑی تھی۔ ایک آدھ سیکنڈ کی حیرانی کے بعد اس نے دونوں چیزیں تھام لیں اور بولا۔

''تھینک یو۔'' میں فوراً ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ کارڈ کھول کر پڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی شوخ مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے میں اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ دروازہ بند کر کے میں نے بیڈ پر گرتے ہوئے اپنی بہادری اور جی داری پر خود کو شاباش دی۔

''فرحانہ کمبخت نے ابھی تک فون نہیں کیا تھا۔ پھر میں عمر کے ساتھ چلی جاؤں گی تو محترمہ ناراض ہوں گی کہ انہیں ساری روداد سنائے بغیر چلی گئی۔'' میں فرحانہ کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے تو ساڑھے دس بجے فون کرنا ہے جبکہ ابھی محض ساڑھے نو بجے ہیں۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو میرا دل دھڑک اٹھا۔

اللہ یہ فرحانہ کو تو آج سے میں گرو مان گئی۔ کتنا درست اندازہ تھا اس کا لیکن مجھے تو اتنی شرم آ رہی ہے، میں عمر کا سامنا کیسے کروں گی؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہی تھی کہ مریم کی آواز سنائی دی۔

''آپی! دروازہ کھولیں، آپ کو مما بلا رہی ہیں۔'' وہ باہر سے چلا کر بولی تھی۔ میں ایک دم اپنے حواسوں میں واپس آئی اور دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ وہ مجھے کچن کی طرف جاتا دیکھ کر کہنے لگی۔

''مما اپنے کمرے میں ہیں۔'' مجھے یہ اطلاع فراہم کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ میں اپنے ہی خیالوں میں گم مما کے کمرے میں داخل ہوئی۔

مما ادھر سے ادھر بڑے غصے میں ٹہل رہی تھیں اور سامنے صوفے پر عمر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے شرارت سے مسکراتے ہوئے چہرے پر ڈالی اور دوسری مما پر جو بڑے غصے اور جلال میں نظر آ رہی تھیں۔ مجھے اندر داخل ہوتا دیکھ کر بھی انہوں نے اپنی مارچ پاسٹ بند نہ کی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں اپنی حیرانی چھپاتے ہوئے سعادت

مندی سے سر جھکا کر بولی۔

''جی مما! آپ نے بلایا تھا؟'' مما جو غصے میں چلتی ہوئی دیوار تک پہنچ گئی تھیں میری بات پر رک کر میری طرف دیکھنے لگیں۔ چند لمحوں تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ مجھے گھورتی رہیں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے؟ میرے خیال سے تو میں نے آج دن بھر میں ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو مما کے غصے کا باعث بنتی، پھر وہ اچانک میری طرف بڑھیں اور بیڈ سے کچھ اٹھا کر میرے منہ پر دے مارا۔

''کیا ہے یہ؟'' ان کی پھینکی گئی اشیاء دیکھ کر میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ میری حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی ہو رہی تھی۔ میرا ہی دیا ہوا کارڈ اور گفٹ میرے قدموں کے پاس پڑا ہوا تھا۔

''تم اتنی بے ہودہ اور بے لگام ہو جاؤ گی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' میں مما کے غصے سے ڈری سہمی سر جھکائے کھڑی کانپ رہی تھی۔ مجھے ساری کائنات گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی میں گر پڑوں گی۔ کاش زمین پھٹے اور میں اس میں سما سکوں۔ میری مسلسل چپ نے مما کا اشتعال اور بڑھا دیا۔

''بولو جواب دو، کیوں کی تم نے یہ اتنی گری ہوئی حرکت؟'' پھر انہوں نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا۔ میری مما نے زندگی میں پہلی مرتبہ میرے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا اور میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی تھی۔ خوف کے مارے آنکھوں سے آنسو بھی نہیں نکل رہے تھے۔

''وہ تو عمر نے مجھے لا کر یہ چیزیں دے دیں، پہلے اگ تو جاؤ پھر عشق کرنا، پتا نہیں کیسی بری دوست بنائی ہوئی ہیں۔ بس آج سے ساری دوستیاں ختم اور اگر آئندہ تمہاری کوئی شکایت سنی تو پڑھائی سے ہی اٹھا لوں گی اور اب دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' مما دھاڑی تھیں۔

میں پتا نہیں کیسے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آئی تو کب کے رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ میں بڑی شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوریڈور میں موجود فون کی بیل بجتی مگر میں اس سے بے خبر روتی رہی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ وہ میری زندگی کی بدترین عید تھی۔ میں بستر پر پڑی سسک رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی۔

''یا اللہ! میں مرنا چاہتی ہوں۔ اس ذلت کے بعد جینے کو جی نہیں چاہتا۔'' میں تکیے میں منہ چھپائے خدا کو پکار رہی تھی۔ پاپا وغیرہ شاید عید کی نماز پڑھ کر آ گئے تھے اسی لیے نیچے سے خوب شور شرابے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سب سے بلند اور خوشی سے بھرپور آواز عمر کی تھی۔ اسی وقت میرے کمرے کا دروازہ کھول کر مما اندر آئیں اور بڑی بے رخی سے بولیں۔

''زیادہ مظلوم بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، فوراً کپڑے بدل کر نیچے آؤ، سب لوگ پوچھ رہے ہیں۔'' دوٹوک انداز میں حکم صادر کر کے مما کمرے سے باہر جا چکی تھیں اور میں ان کے سرد و سپاٹ لہجے سے خائف ہوتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے، بالوں میں برش کیا اور بڑے برے دل کے ساتھ سست رفتاری سے چلتی ہوئی نیچے آ گئی۔ حالانکہ عید کے لیے میں نے میچنگ جیولری اور چوڑیاں وغیرہ سب ہی چیزیں خریدی ہوئی تھیں مگر اس وقت کسی بھی سجاوٹ اور تیاری کے بغیر میں لاؤنج میں آ گئی تھی۔ سامنے ہی ڈیڈی مریم سے میرے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ مجھے آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

"لو آ گئی ہماری بیٹی آ جاؤ بیٹا! عیدی نہیں لو گی کیا؟" وہ بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے تو میری آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے آنکھیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔ کیا فائدہ سب کے سامنے خود کو ایکسپوز کرنے کا۔

مجھے معلوم تھا یہ راز صرف میرے، مما اور عمر کے بیچ ہی ہے۔ آخر مما کو اپنی لاڈلی کی عزت بھی تو عزیز تھی اب جو کوئی مجھے روتا بسورتا دیکھ لے تو ضرور ہی وجہ دریافت کرے گا۔ اس لیے خود کو بمشکل سنبھال کر زبردستی مسکرائی۔ ایسا کرتے ہوئے مجھے کتنی تکلیف ہوئی یہ میں ہی جانتی ہوں۔ میرا دل رو رہا تھا اور میں اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجانے پر مجبور تھی۔ سامنے ہی وہ سفید کاٹن کی شلوار قمیص پہنے کھڑا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں اس وقت اگر لوڈڈ ریوالور ہو تو میں پورا کا پورا اس پر خالی کر دوں۔ وہ مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خوش تھے۔ ظاہر ہے عید کا دن تھا، خوشیوں اور مسرتوں کا موقع تھا۔ خوب چہل پہل اور رونق ہو رہی تھی مگر میرا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی خود پر مرکوز نظریں میرا دماغ خراب کر رہی تھیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر میرے سامنے بیٹھا وہ بڑی شرارت سے میری آنسو بھری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"ہاں، یہ تو وہی تھا میرا برسوں پرانا دشمن۔ میرے اور اس کے بیچ تو صرف اور صرف دشمنی کا ہی رشتہ تھا۔ کیوں میں نے یہ بات فراموش کی۔ اس بات کی سزا تو مجھے ملنی ہی چاہیے تھی۔" دادی بھی میری مسلسل خاموشی سے پریشان سی ہو گئیں اور بولیں۔

"صوفیہ! مجھے لگتا ہے تابی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو تو چہرہ کیسا اترا ہوا ہے۔" زندگی میں پہلی مرتبہ دادی نے میرے لیے فکرمندی کا اظہار کیا تھا۔ ان کی بات پر ممی نے بھی بغور میری طرف دیکھا اور بولیں۔

"ہاں، اس کی طبیعت خراب لگ رہی ہے، کیوں تابی بیٹا! کیسی طبیعت ہے؟ تم نے مہندی بھی نہیں لگائی۔" میں جواب دینے کی پوزیشن میں تھی ہی نہیں۔ منہ سے ایک بھی لفظ نکلنے سے پہلے آنسو نکل آتے۔ میں جانتی تھی اس لیے چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ میری کیفیت دیکھتے ہوئے مما بولیں۔

"ہاں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جاؤ تابی تم کمرے میں جا کر آرام کرو۔" مما کی اجازت ملنے کی دیر تھی میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر کمرے میں آ کر دوبارہ رونے لگی۔ مریم کے ہاتھ میرے لیے کھانا بھجوایا گیا جو میں نے کھائے بغیر واپس کر دیا۔ وہ سارا دن میں نے کچھ بھی کھائے بغیر واپس کر دیا۔

نتیجتاً اگلے دن بخار چڑھا کر بیٹھ گئی۔ مما ساری خفگی بھلائے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں میرے سر پر رکھنے لگیں۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا، پورا گھر میرے کمرے میں جمع ہو گیا تھا، بخار کا زور ٹوٹا تو سب نے سکون کا سانس لیا۔

☆

اس سے اگلے روز میری طبیعت کافی بہتر تھی۔ میں بیڈ پر بیٹھی میگزین پڑھ رہی تھی جب ہلکی سی دستک دے کر عمر اندر آ گیا اور اس کو دیکھ کر میں غصے سے پاگل ہونے لگی۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" بڑے میٹھے لہجے میں دریافت کیا جا رہا تھا۔ میں نے میگزین بند کر کے سائیڈ میں پٹخا اور بیڈ پر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی، وہ ابھی تک میرے جواب کا منتظر بڑی شرافت سے کھڑا تھا مگر اس شرافت

کے پیچھے چھپی خباثت کو میں اچھی طرح پہچان چکی تھی۔ میں اب زندگی بھر اس سے ایک لفظ بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ لڑائی نہ جھگڑا، کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے اسے یونہی کھڑا چھوڑ کر خود کمرے سے باہر نکل آئی اور مما کے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ ذرا سا غور و فکر کیا تھا تو اپنے آپ پر بھی بہت غصہ آیا تھا کہ دوستوں کے الٹے سیدھے مشوروں پر عمل کرنے کی آخر مجھے ضرورت ہی کیا تھی؟ مما کی نظروں سے بھی گر گئی اور وہ باسٹرڈ سمجھ رہا ہو گا کہ میں اس کے عشق میں پاگل ہو گئی ہوں۔ اسے کیا پتا کہ یہ میری دوستوں کی پڑھائی ہوئی پٹیاں تھیں۔ عید کی چھٹیوں کے بعد کالج کھل گیا تھا مگر میرا جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

اس روز میں سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی تو وہ سامنے اسٹڈی سے نکلتا نظر آیا۔ میں اسے نظرانداز کر کے سائیڈ سے ہو کر گزرنے لگی۔ آج کل میرا اس سے اتفاقاً ہی آمنا سامنا ہوتا تھا۔ دوپہر اور رات کا کھانا میں بھوک کا شور مچا کر سب سے پہلے کھا لیتی تھی اور پھر فوراً ہی کبھی سونے کا اور کبھی پڑھنے کا بہانا کر کے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ مجھے خاموشی سے گزرتا دیکھ کر وہ میرے سامنے پھیل کر کھڑا ہو گیا تو مجھے رک جانا پڑا۔

"کیا بات ہے، آج کل تم پڑھنے نہیں آ رہیں۔" وہ یوں بول رہا تھا جیسے ہمارے بیچ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ میں اس کی بات کا کوئی بھی جواب دیئے بنا واپس سیڑھیوں کی طرف جانے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"تمہیں تکلیف کیا ہے؟ میری بات کا جواب دے کر جاؤ۔" میں نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آزاد کرانے کی کوشش کی مگر جب کامیابی نہ ہوئی تو چیخ کر دادی کو آواز دینے لگی۔

"دادی! جلدی آئیں۔" میرے چیخنے پر بے اختیار بوکھلا کر اس نے فوراً ہی میرا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور میں اس پر نظر ڈالے بغیر اپنے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

اس واقعے کے بعد سے اس نے بھی پھر دوبارہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان دنوں ڈیڈی اسے پڑھنے کے لیے امریکہ بھیجنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس لیے وہ بھی گھر پر کم ہی ٹکتا تھا۔ اس واقعے کو کم و بیش مہینہ بھر ہونے کو آیا تھا۔ میں باوجود مما کے کہنے کے کالج نہیں جا رہی تھی۔ مما نے اس دن کے بعد سے دوبارہ مجھے کچھ نہ کہا تھا نہ صفائی مانگی تھی نہ برا بھلا کہا تھا بلکہ اس سارے قصے کو ایک طرح سے انہوں نے نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں اپنی انسلٹ نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی نہیں۔ میری فرینڈز کے فون آتے، میں بات کرنے سے انکار کر دیتی۔ پتا نہیں باقی سب کو میرے کالج نہ جانے کی مما نے کیا وجہ بتائی تھی کہ کسی نے بھی مجھ سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ جتنی دیر وہ گھر پر نہ ہوتا میں سب کے ساتھ رہتی اور جیسے ہی وہ آتا میں کسی بھی بہانے سے اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔

☆

پھر اس مشقت سے بھی میری جان چھوٹ گئی اور وہ امریکہ چلا گیا۔ جس روز وہ جا رہا تھا گھر میں خوب رونا دھونا مچا تھا۔ مما، ممی اور دادی تینوں ہی خوب زور و شور سے رو رہی تھیں۔ میں نے مما کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اسے چھوڑنے ایئرپورٹ نہیں جاؤں گی۔ دادی اور میرے علاوہ باقی سب لوگ اسے سی آف کرنے ایئرپورٹ گئے تھے۔ میں اسے خدا حافظ کہنے کی بھی روادار نہ تھی اسی لیے جس وقت وہ لوگ جانے کے لیے نکل رہے تھے میں نہانے گھس گئی تھی اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ لوگ جا چکے ہیں اس وقت باتھ روم سے باہر نکلی تھی۔ اس کے جانے پر میں نے سکون کا سانس

لیا تھا۔ میں اب اس کی منحوس صورت زندگی بھر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد دادی بے حد اداس رہنے لگی تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کا ذکر لے کر بیٹھ جاتیں۔ اگر انہیں پتا چل جاتا کہ میں ان کے لاڈلے کے جانے پر جشن منا رہی ہوں تو وہ مجھے کچا چبا جاتیں۔ میرے امتحانوں میں صرف تین مہینے رہ گئے تھے اور میری کوئی تیاری نہ تھی۔ سارا سال تو ہم لوگوں نے کھیل تماشوں میں گزار دیا تھا۔ مما نے مجھے کالج جانے کے لیے مجبور کیا تو میں بالآخر مان گئی۔ کالج میں وہ لوگ والہانہ انداز میں میری طرف بڑھی تھیں مگر میں نے کسی سے بھی بات نہ کی تھی۔ میری بے رخی پر وہ لوگ چپ سی ہو گئی تھیں۔

میں بڑی توجہ اور لگن سے پڑھائی کرنے لگی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ مما کو مجھ سے اب کبھی کوئی شکایت ہو۔ مجھے ان کی نظروں میں سرخرو ہونا تھا اور اپنا اعتبار بحال کروانا تھا اس لیے میں دن رات ایک کر کے پڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کبھار مما ہی مجھے ٹوک دیتی تھیں۔

''تابی بیٹا! تھوڑی دیر سو جاؤ۔'' یا ''تابی! تھوڑا آرام کر لو کب سے پڑھ رہی ہو۔'' مگر مجھ پر ایک عجیب سا جنون سوار ہو گیا تھا۔ مجھے اب خود کو ثابت کر کے دکھانا تھا کہ میں نکمی، ناکارہ اور نالائق نہیں ہوں۔ میں مما کے لیے فخر کا باعث بننا چاہتی تھی۔ مجھے اس دن کا شدت سے انتظار تھا جب میں اس قابل ہو سکوں کہ مما کہہ اٹھیں۔

''تابی! میری بہت پیاری اور ذہین بیٹی ہے، مجھے اپنی بیٹی پر ناز ہے۔'' اور یہ جملہ سننے کے لیے میں انتھک محنت کر رہی تھی۔

امتحان شروع ہوئے اور پھر ختم بھی ہو گئے۔ ہم لوگ سیکنڈ ایئر میں آ گئے۔ کلاسیں شروع ہو گئیں۔ میرا اپنی دوستوں سے ابھی بھی وہی رویہ تھا۔ وہ میرے پاس آتیں میں رسمی سا ہیلو کہہ کر ہاتھ ملاتی اور وہاں سے چل دیتی۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا کہ میرا رویہ درست نہیں ہے۔ دوستوں نے میرے گلے پر چھری رکھ کر تو مجھے مجبور نہیں کیا تھا کہ عمر کو ضرور ہی کارڈ دو۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ میں خود ہی ان ساری باتوں کے لیے دل و جان سے آمادہ ہو گئی تھی۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں نے ان لوگوں سے اپنے رویئے کی معذرت کی اور ہم سب پھر پہلے کی طرح اچھی فرینڈز بن گئیں۔ ''اس دن'' کے بارے میں ان لوگوں کی پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مگر سب کو تجسس بھی ہوتا تھا۔ میری ناراضی کے خوف سے کوئی کچھ پوچھتا نہ تھا۔

میں نے خود ہی مختصر ترین الفاظ میں تھوڑا بہت سنسر کر کے ان لوگوں کو اس دن کا احوال سنا دیا تو فرحانہ نے مجھ سے بہت معافی مانگی کہ اس کی وجہ سے مجھے اتنی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ وہ بے چاری باقاعدہ رو پڑی تھی۔ میں نے اسے چپ کروایا اور کہا کہ اس سارے قصے میں اس کا یا کسی اور کا کوئی قصور نہیں۔ غلطی میری تھی اور اب میں اس ٹاپک پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتی اور پھر واقعی ہم دوستوں نے دوبارہ کبھی اس موضوع پر کچھ نہیں کہا۔

☆

انٹر کے امتحان کے فوراً بعد فرحانہ کی شادی ہو رہی تھی۔ میں تو مما کے خوف سے شادی میں شرکت نہ کر سکی باقی تینوں شادی میں گئی تھیں۔ پھر اس کے بعد ہمارا اس سے کبھی کوئی رابطہ نہ ہوا۔ تھرڈ ایئر میں ایڈمشن کا وقت آیا تو مما نے پہلی مرتبہ مجھے میری پسند کے مضامین اختیار کرنے کے لیے کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ مجھے اب ضد سی ہو گئی تھی کہ سائنس

ہی پڑھنی ہے اور اسی میں خود کو ثابت کر کے دکھانا ہے۔ لبنیٰ اور وردہ نے تو سائنس پڑھنے کے نام پر کان پکڑ کر توبہ کی تھی اور ہمارے ہی کالج میں بی اے میں داخلہ لے لیا تھا جبکہ میں نے اور ارم نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ ارم بھی بی اے آنرز کر رہی تھی۔ صرف میں مستقل مزاجی سے اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی۔

وقت بڑی سبک رفتاری سے گزر رہا تھا۔ لبنیٰ اور وردہ کی بی اے کرتے ہی آگے پیچھے شادیاں ہو گئی تھیں۔ جن میں میں نے اور ارم نے بھرپور شرکت کی تھی۔ لبنیٰ اپنے شوہر کے ساتھ کینیڈا چلی گئی تھی جبکہ وردہ یہیں کراچی میں تھی اور کبھی کبھار ہی اس سے فون پر بات ہو پاتی تھی۔

پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی ارم ایم اے انگلش اور میں ایم ایس سی میتھمیٹکس کر کے فارغ ہوئی تھیں۔ جس روز یونیورسٹی کا آخری دن تھا اس دن ارم کے گھر اس کے کلاس فیلو شہباز چودھری کی والدہ اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر چلی آئیں اور ارم حیران رہ گئی کہ میری تو اس سے بحیثیت کلاس فیلو بھی کبھی بات چیت نہ ہوئی تھی۔ منگنی کے بعد پتا چلا کہ موصوف یونیورسٹی کے پورے چار سال ارم کے عشق میں مبتلا رہے ہیں اور یوں ارم کا وہ شکوہ بھی دور ہو گیا تھا کہ میں کسی کو نظر کیوں نہیں آتی۔ دو مہینے بعد اس کی شادی ہونے والی تھی اور آج کل وہ اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

رہ گئی میں تو ان چھ سالوں میں میں بہت بدل گئی تھی۔ مما اور دادی جن کو ہمیشہ مجھ سے شکایتیں رہی تھی، اب مجھ سے بہت خوش تھیں۔ مما خوش تھیں کہ ان کی بیٹی نے ان کا نام نہیں ڈبویا اور کچھ پڑھ لکھ کر آخر کار دکھا ہی دیا اور دادی یوں خوش تھیں کہ اب میں ان کی پسند کے سانچے میں ڈھل گئی تھی۔ بہت سگھڑ اور گھرداری کی شوقین۔ یہ گھرداری اور کھانا پکانے کا شوق بھی اچانک ہی میرے اندر پیدا ہو گیا تھا اور وہ تمام احباب جو میرے مستقبل سے مایوس اور ناامید رہا کرتے تھے اب مجھ سے بہت خوش تھے۔ پاکستانی، انڈین، چائنیز اور اٹالین کھانے بنانے تو میں نے ممی سے سیکھ لیے تھے اور اب فراغت کے ان دنوں میں بیکنگ اور فلاور ارینجمنٹ کے کورسز ''رنگون والا'' سے کر رہی تھی۔

''فاطمہ! چاول تابی سے دم دلوانا، اس کے ہاتھ سے چاول بیٹھتا نہیں۔'' دادی ممی سے کہتیں یا پاپا مما سے کہتے۔

''تم رہنے دو کوفتے تابی بنائے گی۔'' پاپا تو میرے علاوہ اب کسی اور کے ہاتھ کی بنی چائے پینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

پاپا اور ڈیڈی کا مشترکہ خیال تھا کہ تمام خواتین بشمول دادی کو کچن سے ریٹائرمنٹ لے لینی چاہیے۔ اپنے لیے ایسے کمنٹس مجھے بہت خوش کرتے تھے اور میں اور زیادہ لگن سے نئی سے نئی چیزیں بنا کر سب کو کھلایا کرتی اور خوب داد وصول کرتی۔ آج کل کچن مکمل طور میرے کنٹرول میں تھا۔

عمران چھ سالوں میں کبھی پاکستان نہیں آیا تھا۔ ہر سال چھٹیوں میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں نہ کہیں گھومنے چلا جاتا اور میں سکون کا سانس لیتی تھی۔ ڈیڈی اور مما خود ہی سال میں ایک مرتبہ جا کر اس سے مل آتے تھے۔ ایک مرتبہ دادی بھی ان کے ساتھ جا کر لاڈلے پوتے کا دیدار کر آئی تھیں۔ چھ سال وہ یہاں سے دور رہا تھا مگر گھر والوں کے دلوں سے وہ کبھی دور نہ ہوا تھا۔ دادی آج بھی اس سے ویسا ہی عشق کرتی تھیں۔ بس لاڈلے پوتے کی ضد کے آگے مجبور ہو گئی تھیں جوان برسوں میں بزنس ایڈمنسٹریشن اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں پتا نہیں کون کون سی ڈگریز لے کر اپنی قابلیت میں مزید اضافہ کر چکا تھا۔ ان کا بس چلتا تو اسے اپنے سے کبھی دور نہ جانے دیتیں۔ ان چھ سالوں میں شاید اس

نے چھ مرتبہ ہی یہاں فون کیا ہو، وجہ یہ تھی کہ اسے موقع ہی نہیں دیا جاتا تھا۔

کبھی دادی کو پوتا بے طرح یاد آتا، کبھی ممی یا مما کو اس کی بہت یاد ستاتی، کبھی کسی اور کو وہ یاد آتا اور یوں تقریباً ہر دوسرے روز اسے فون کھڑکایا جاتا تھا۔ کبھی اگر اتفاق سے اس کا فون آیا بھی تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے فون ریسیو نہیں کیا۔ میں کرنا بھی نہیں چاہتی تھی یہاں سے کسی فنکشن کی یا کسی اور موقع کی تصاویر اسے بھیجی جاتیں تو میں سب کی نظر بچا کر وہ تصویریں نکال لیتی جن میں میں بھی ہوتی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ میں نے اپنی تصویریں جان کر بھیجی ہیں۔ مجھے اس کی ذہنیت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

ان گزرے برسوں میں میں کافی میچیور ہو گئی تھی۔ مجھے اب اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس روز مما کا رویہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک تھا۔ سولہ سال کی عمر عشق اور محبت جیسے فضول کاموں کے لیے بڑی نامناسب ہے مگر اپنی تمام تر سمجھ داری کے باوجود میں اسے معاف کرنے کے لیے ہرگز بھی تیار نہ تھی۔ اس کے لیے میرے دل میں آج بھی نفرت تھی، بے حد اور بے حد اور بے اندازہ۔ میں اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر ہی نہیں سکتی تھی۔ میری زندگی میں وہ وقت کبھی نہیں آ سکتا تھا جب میں اس سے ہاتھ ملاؤں اور پچھلی تمام باتیں بھول جاؤں۔

اس کی پڑھائی تو چار پانچ مہینے ہوئے ختم ہو چکی تھی مگر وہ سب کے بے حد اصرار کے باوجود بھی آنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔ سب ہی اسے واپسی کا کہہ کہہ کر تھک چکے تھے۔ وہ ہر بار کوئی نیا بہانہ تراش دیتا اور میں سوچتی کہ یقیناً اس نے وہاں کسی امریکن سے یا کسی سے بھی شادی وادی کر لی ہے اور اب اس کا واپسی کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے اور اپنی یہ سوچ مجھے بہت خوشی فراہم کرتی۔ دادی جو پوتے کے سر پر سہرا دیکھنے کی آرزو میں دن گن گن کر گزار رہی ہیں اس کی شادی کا سنیں گی تو اسے کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اپنی تمام تر میچیورٹی کے باوجود میں آج بھی اسے سب کی نظروں سے گرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔ بتایا نا میں بڑی کینہ پرور اور منتقم مزاج ہوں مگر وہ ایک مرتبہ پھر میرے تمام اندازوں کو غلط ثابت کرتا ہوا واپس آ گیا تھا، وہ بھی بالکل اچانک۔

☆

اس کے بارے میں سوچتے سوچتے شاید میری آنکھ لگ گئی تھی۔ مریم کی تیز آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''آپی! کھانا لگ گیا ہے، جلدی سے نیچے آ جائیں۔'' وہ میرے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر بڑے آرام سے چہکتی چلاتی واپس چلی گئی تو میں بیڈ پر سے اتر گئی اور خود کو اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے لگی۔

اس کے آنے کا سن کر موڈ ایسا خراب ہوا تھا کہ کپڑے بدلے بغیر ہی لیٹ گئی تھی۔ خود میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کرتے ہوئے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش چلایا اور دوپٹہ ٹھیک کرتی سیڑھیاں اترتی ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔ میز کے گرد گھر کے تمام افراد ہی کرسیاں سنبھالے بیٹھے تھے۔ ماحول بڑا خوشی سے بھرپور محسوس ہو رہا تھا۔ سب ہی کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ مجھے آتا کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں خاموشی سے آگے بڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بطور خاص کسی کا بھی نام لیے بغیر سلام کیا۔ وہ جو دادی سے کچھ کہہ رہا تھا ایک دم میری طرف متوجہ ہوا اور سلام کا جواب فوراً یوں دیا جیسے میں نے خاص طور پر اسے ہی سلام کیا تھا۔ میری طرف بڑے

غور سے دیکھتا ہوا کہنے لگا۔

''کیسی ہو تابی؟'' میں نے بڑی سرسری سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' لہجہ بڑا فارمل سا رکھنے کی میں نے پوری کوشش کی تھی۔ ایک لمحے کو وہ شاید میرے ''آپ'' پر حیران ہوا اور پھر فوراً ہی اپنی حیرانی چھپا کر بولا۔

''ٹھیک ہوں میں بھی۔'' پھر اس کے بعد ہمارے درمیان اور کوئی بات نہ ہوئی۔ میں نے تو اس سرسری سی نظر کے بعد اس کی طرف دوبارہ دیکھا بھی نہیں تھا۔ کھانے کے بعد سب لوگ لاؤنج میں ہی آ کر بیٹھ گئے۔ انسے اپنے درمیان بٹھائے ہر کوئی اس سے کچھ نہ کچھ بات کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ محبتوں کے معاملے میں بڑا خوش قسمت تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں سب چاہتے ہیں۔ وہ چاہے جاتے ہیں اور بے حد اور بے حساب۔ گھر میں ایک دم جیسے رونق سی ہو گئی تھی۔

میں سب کے چہروں پر پھیلی خوشیوں کے رنگ دیکھ رہی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ دوبارہ کسی بھی قسم کی خوش فہمی کا شکار ہو اس لیے سب لوگوں کے ساتھ میں بھی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی کو خاص طور پر نظر انداز کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ ہم در پردہ اسے بہت اہمیت دیتے ہیں اور میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ میرے لیے ہرگز بھی اہم نہیں ہے۔ وہ بس میرے لیے ایک عام سا آدمی ہے جس سے میں اخلاقاً دو چار باتیں کر سکتی ہوں مگر جس کی میرے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں خاموشی سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ گاہے بگاہے ایک نظر سب لوگوں پر بھی ڈال لیتی تھی مگر کوئی میری طرف متوجہ نہ تھا۔ ایک آدھ مرتبہ اتفاقاً اس پر بھی نظر پڑی تو وہ کسی نہ کسی سے بولتا ہوا ہنستا مسکراتا نظر آیا۔ اتنے سالوں میں وہ بھی کافی تبدیل ہو گیا تھا اور اب جو میرے سامنے تھا وہ ایک گریس فل اور سوبر سا بندہ نظر آ رہا تھا۔ محفل برخاست ہوئی تو میں بھی سب کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلے روز وہ بارہ بجے سو کر اٹھا تو پاپا، ڈیڈی اور مریم اپنے اپنے دھندوں پر روانہ ہو چکے تھے۔ تینوں خواتین بے چینی سے بیٹھی اس کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھیں جبکہ میں کچن میں گھسی لنچ کے لیے کھڑے مسالے کا قیمہ اور یخنی پلاؤ پکانے میں مصروف تھی۔ اسے لاؤنج میں داخل ہوتا میں نے کچن ہی سے دیکھ لیا تھا۔ اسی وقت دادی کی آواز آئی۔

''تابی! عمر کے لیے ناشتہ لاؤ۔'' اب مجھے یہ تو پتا نہیں تھا کہ دادی کے لاڈلے ناشتے میں کیا تناول فرمائیں گے اسی لیے کھولتے ہوئے دماغ کے ساتھ کچن سے نکل آئی۔ اس کی خدمتیں کرنے اور اسے کچھ پکا کر کھلانے سے مجھے سخت چڑ ہو رہی تھی مگر مجھے اپنے رویئے پر قابو رکھنا تھا اس لیے غصہ دباتی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی اور اس سے بولی۔

''کیا کھائیں گے آپ؟''

''بارہ بج گئے ہیں اب تو لنچ ٹائم ہونے والا ہے، سب کے ساتھ کھانا ہی کھاؤں گا، ایسا کرو صرف چائے لے آؤ۔'' اس کے جواب پر میں پلٹ کر کچن کی طرف جانے لگی تو پیچھے سے دادی کی آواز سنائی دی۔

''نہ بچے! خالی پیٹ چائے اچھی نہیں ہوتی، تابی! ایسا کرو اورنج جوس لے آؤ۔'' دادی اس کے نخرے چھوٹے بچوں کی طرح اٹھا رہی تھیں۔ میں نے جوس بنا کر برکت کے ہاتھ بھجوا دیا اور خود دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔

دو بجے میری کلاس ہوتی تھی اس لیے میں جلدی جلدی کام نمٹا کر تیار ہونے کمرے میں چلی گئی۔ کاٹن کا کلف لگا خوب اسٹائلش ریڈ اور یلو کلر کا سوٹ پہنا۔ شولڈرز سے ذرا نیچے آتے بالوں کو برش کر کے یونہی کھلا چھوڑ دیا۔ ہلکی سی لپ اسٹک لگائی۔ بیگ کاندھے پر ڈالا اور سن گلاسز لگاتی گاڑی کی چابیاں اٹھائے نیچے آئی تو لاؤنج میں ابھی تک دادی پوتا راز و نیاز میں مصروف تھے۔

''دادی! میں جا رہی ہوں، خدا حافظ۔'' میں نے ایک لمحے کو رک کر دادی سے کہا۔ وہ بڑی بے نیازی سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک نگاہ بھی میرے اوپر نہ ڈالی تھی۔

''جاؤ بیٹا، اللہ کی امان میں۔'' دادی نے جواب دیا اور میں پورچ کی طرف چلی گئی۔

رات کو میں سونے کے لیے لیٹنے ہی لگی تھی کہ مریم زوردار دھماکے سے دروازہ کھولتی اندر آ گئی۔

''آپی! دیکھیں عمر بھائی میرے لیے کیا کیا چیزیں لائے ہیں۔'' وہ جوش و خروش کا مظاہرہ کرتی بہت ساری چیزیں میرے سامنے رکھنے لگی۔

''یہ دیکھیں پرفیوم، یہ کٹ کیٹ کے پورے دو ڈبے اور یہ شیفر کا فاؤنٹین پین اور سب سے قیمتی گفٹ تو یہ کیمرہ ہے، غور سے دیکھیں یاشیکا ہے وہ بھی اوریجنل جاپانی۔ عمر بھائی کو کیسے میری پسند یاد رہی۔ میں نے انہیں فون پر بتایا تھا کہ مجھے فوٹوگرافی کا شوق ہے اور وہ میرے لیے کیمرہ لے آئے۔'' وہ ایک ایک چیز خوشی سے دکھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی معصومیت اور بھولپن تھا کہ میں ان تمام چیزوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی۔ اس کا دل رکھنے کے لیے تمام چیزوں کی تعریفیں بھی کیں۔

''میں تو عمر بھائی سے خوب لڑی۔'' مریم کی بات پر میں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ ''وہ آپ کے لیے کچھ نہیں لے کر آئے نا میں نے پوچھا تو کہنے لگے مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ دیکھیں ذرا آپ کے لیے گفٹ لانا بھول گئے۔ مجھے تو بڑا غصہ آیا، میں خوب لڑی ان سے، وہ کہنے لگے کہ۔'' مریم آگے کچھ اور بھی کہنے والی تھی کہ میں چیخ اٹھی۔

''مریم! تم کب بڑی ہو گی، تمہیں اس کے سامنے یہ ساری بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی، بیوقوف۔ اب تم کوئی چھوٹی سی بچی نہیں ہو۔ دو مہینے بعد میٹرک کر لو گی۔ کچھ ہوش کے ناخن لو۔'' میرے غصے پر وہ سہم سی گئی اور روہانسی آواز میں بولی۔

''میں تو آپ کی حمایت میں بولی تھی اور آپ۔'' اس کی روہانسی آواز کا کوئی نوٹس لیے بغیر میں غصے سے بولی۔

''اچھا بس جاؤ یہاں سے، میرا موڈ مت خراب کرو۔'' میری ڈانٹ پر وہ ناراض ہو کر باہر چلی گئی۔ مریم کی حماقت پر خاصی دیر تک کوفت کا شکار ہونے کے بعد میرا دھیان اس کی طرف چلا گیا۔

''بہت اچھا کیا عمر فاروق جو تم میرے لیے کچھ نہیں لائے۔ اگر لاتے تو میں نے وہ چیزیں تمہارے منہ پر دے مارنی تھیں۔ شکر ہے تم نے اپنی بے عزتی نہیں کروائی۔'' سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی۔

ایک ڈیڑھ ہفتے تک وہ اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے ملانے میں لگا رہا۔ روزانہ صبح نکلتا تو رات گئے واپس آتا۔ خاندان میں بھی کافی لوگوں نے اس کی دعوتیں کی تھیں۔ اس لیے اس دوران وہ گھر پر کم ہی ٹکا۔ میری تو اتنے دنوں میں تین چار مرتبہ ہی اس سے ملاقات ہوئی وہ بھی سرسری سی، رسمی سی ہائے ہیلو اور بس۔ دعوتوں کا سلسلہ ختم ہوا

تو ممی ڈیڈی نے بیٹے کی کامیاب و کامران واپسی کی خوشی میں فنکشن ارینج کیا۔ مجھے اور مریم کو ممی نے فنکشن کے لیے ہماری پسند کے کپڑے بنا کر دیئے۔

میریٹ کے پول سائڈ پر فنکشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ میں نے وائٹ کلر کی نیٹ کی شرٹ اور وائٹ ہی چوڑی دار پائجامہ پر نیٹ ہی کا لمبا سا دوپٹہ لیا تھا۔ بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ مناسب قسم کے میک اپ کے ساتھ میرا خیال تھا کہ میں ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہوں۔ مریم نے چنری پرنٹ کا گرین اور پرپل کومبینیشن کا شرارہ پہنا تھا۔ ہم دونوں نے تیاری میں دیر لگا دی تو باقی سب لوگ چلے گئے صرف پاپا ہماری وجہ سے رک گئے۔ پاپا کے ساتھ ہم دونوں ہوٹل پہنچے تو ڈیڈی اور عمر مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگ ان کے پاس پہنچے تو مریم چہکی۔

''عمر بھائی! بتائیں ہم دونوں میں سے کون زیادہ اچھا لگ رہا ہے؟'' میرا دل چاہا کہ مریم کا سر پھاڑ دوں۔ میں جتنی ریزرو رہنے کی کوشش کرتی ہوں یہ اتنا ہی مجھے ہر بات میں گھسیٹتی ہے۔ عمر کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی میں آگے بڑھ گئی اور سب لوگوں سے ملنے لگی۔

عمر فنکشن میں سارا وقت اپنے دوستوں اور کزنز کے ساتھ مصروف رہا۔ میری طرف تو اس نے شاید دیکھا بھی نہیں تھا۔ چھوٹی پھپھو کی ماریہ سے البتہ اس کی کافی باتیں ہو رہی تھیں۔ میرا موڈ بہت بری طرح آف ہو چکا تھا۔ رات گئے تقریب ختم ہوئی اور ہم لوگ گھر لوٹے، سونے سے پہلے میں مریم کی کلاس لینا نہیں بھولی۔ میری ڈانٹ تھوڑی دیر تو وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر بگڑ کر بولی۔

''ایسا میں نے کیا کہہ دیا ہے جس پر آپ اتنا خفا ہو رہی ہیں۔ اس دن بھی خوامخواہ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر مجھے اتنا ڈانٹا تھا۔'' وہ کوئی میرے جیسی معصوم سی بچی تو تھی نہیں جو خاموشی سے ڈانٹ سن لیتی، اس کی بات پر میں نے خاصا برا سا منہ بنا کر کہا۔

''بس مجھے اپنا ڈسکس کیا جانا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ میرے برا ماننے پر کچھ دوستانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

''آپی! آپ اور عمر بھائی آپس میں بالکل بھی بات نہیں کرتے، اتنے ریزرو اور فارمل طریقے سے رہتے ہیں جبکہ آپ لوگوں کا تو سارا بچپن اکٹھے گزرا ہے اور مجھے تو دادی بتا رہی تھیں کہ بچپن میں آپ لوگ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے بلکہ تھوڑا بہت تو مجھے بھی یاد ہے۔ اب تو لگتا ہی نہیں ہے کہ آپ دونوں فرسٹ کزنز ہیں۔'' اس کی حیرت کے جواب میں میں نے کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

''اب ہم بچے نہیں ہیں جو بلاوجہ لڑتے رہیں اور جہاں تک ریزرو رہنے کی بات ہے تو تمہیں پتا ہے میری نیچر نہیں ہے زیادہ گھلنے ملنے کی۔''

پتا نہیں مریم کی طرح اس بات کو کسی اور نے بھی محسوس کیا تھا یا نہیں مگر کسی نے مجھ سے کچھ کہا نہیں تھا۔ رات کھانے کے بعد میں کچن میں کچھ سمیٹا سماٹی میں مصروف تھی جب مریم میرے پاس آئی اور بولی۔

''آپی! عمر بھائی ہم لوگوں کو آئس کریم کھلانے لے جا رہے ہیں، جلدی سے تیار ہو جائیں۔'' اس کی گرم جوشی کے جواب میں میں فریزر میں منہ ڈالے ڈالے ہی بولی۔

''تم چلی جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے۔''

"کیا ہے آپی! چلیں ناں، اتنا مزہ آئے گا، آپ تو بالکل ہی ڈل اور بور ہوگئی ہیں۔" وہ میری منت کرنے لگی تو میں پیار سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"مریم جان! تم چلی جاؤ سویٹ ہارٹ! مجھے ابھی کچن میں بہت دیر لگے گی اور پھر میں نے عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی۔" میری معصوم بہن اسے میرے بغیر کوئی تفریح کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے جواب دے کر میں نے فریز بند کیا اور دھلے ہوئے برتن خشک کرنے لگی۔ اس وقت عمر کچن کے دروازے کے پاس آکر مریم سے بولا۔

"چلیں مریم؟" مجھے مکمل طور پر نظر انداز کیے وہ بڑی محبت سے مریم سے مخاطب تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ، یہاں تمہارے ساتھ جانے کے لیے مرکون رہا ہے۔" اس کی بے نیازی پر اپنی انسلٹ محسوس کرتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں اسے دو چار گالیوں سے نوازا۔ میرے انکار پر مایوس ہوتی مریم عمر کے ساتھ چلی گئی۔

کچن سے فارغ ہو کر میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر دادی کے کمرے میں آگئی۔ روز رات کو میں ان کے پیروں پر تیل کی مالش کرتی تھی۔ میرے اور دادی کے درمیان موجود تمام اختلافات اب دور ہو چکے تھے۔ اب میں بھی دادی کی پسندیدہ بن چکی تھی۔ میں تیل مل رہی تھی جب ممی بھی وہیں آکر بیٹھ گئیں۔ ہم تینوں بیٹھے بڑی مزے دار باتیں کر رہے تھے جب عمر اور مریم اندر داخل ہوئے۔ وہ ابھی ابھی واپس آئے تھے۔ مریم نے میرے ہاتھ میں آئس کریم کا لیٹر پیک پکڑایا۔ میں نے لے کر لاپرواہی سے سائیڈ میں رکھ دیا اور دوبارہ دادی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مریم بھی دادی کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی جبکہ عمر سامنے صوفے پر براجمان ہوگیا۔

"کھالو، پگھل جائے گی۔" دادی نے مجھے ٹوکا۔

"دادی! میں برش کر چکی، کل کھالوں گی۔" میں نے بڑی بے توجہی سے جواب دیا۔ ہونہہ اس کمینے کا لایا ہوا تو میں آبِ حیات بھی نہ پیوں۔ میں نے خود سے کہا۔ میں بدستور دادی کے پیر دبانے میں مصروف تھی۔ آخر اسے بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ اب میرے اور دادی کے سفارتی تعلقات مستحکم ہو چکے ہیں اور پاکستان اور امریکہ دوستی کے بیچ اب بھارتی پروپیگنڈا ہرگز کامیاب ہونے والا نہیں۔

"دادی! اب ہمارے گھر میں شادی ہونی چاہیے۔ مجھے اتنا شوق ہے کہ ہمارے گھر میں مایوں، مہندی ہو۔ میں ڈھول بجاؤں اور لڈی ڈالوں۔ بس آپ ایسا کریں، عمر بھائی کی شادی کر دیں۔ بھابھی آئیں گی تو گھر میں کتنی رونق ہو جائے گی۔" مریم دادی سے مخاطب ہوئی تو میرا دل جل کر خاک ہوگیا۔ مجھے اپنی بہن کا اس سے اتنا التفات ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"ہاں بیٹا! اللہ وہ دن ساتھ خیریت کے لائے۔ میں تو اب تم لوگوں کی خوشیاں دیکھنے کے لیے ہی جی رہی ہوں۔" دادی نے خوش ہو کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ مریم بڑے پرجوش انداز میں بولی۔

"بس پھر ہم لوگ عمر بھائی کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کر دیتے ہیں یا آپ اپنی پسند سے کریں گے؟" بات کے اختتام پر وہ عمر کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کی باتوں پر مسکرا رہا تھا۔

"بتائیں ناں؟" مریم نے اسے بولنے کے لیے اکسایا تو سنجیدگی سے بولا۔

"ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں ہے۔" مجھے پتا تھا اس وقت وہ ایکٹنگ کر رہا ہے ورنہ اپنی زندگی کے اتنے اہم

موڑ کے بارے میں کیا اس نے کچھ سوچا نہیں ہوگا۔

"بیٹا! اور کب سوچو گے، میں تو اس دن کے انتظار میں دن گن گن کر گزار رہی ہوں۔" دادی نے اس سے کہا۔ دادی کی بات پر وہ مسکرایا اور بولا۔

"اچھا، میں آپ کی پسند سے شادی کروں گا، لیکن ابھی نہیں کچھ عرصے بعد۔" اللہ رے سعادت مندی۔ میں نے جل کر سوچا۔ ایسے ہی تو دادی اس پر عاشق نہیں ہیں۔ چمچہ گیری میں تو اس کا کوئی ثانی ہی نہیں ہے۔ دادی پوتے کی فرماں برداری پر خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں اور اسے خوب دعاؤں سے نوازا جا رہا تھا۔

"تمہیں تابی کی شادی کا کوئی ارمان نہیں؟" ممی نے مریم سے پوچھا۔ ان کے لہجے میں موجود شرارت میں صاف محسوس کر گئی تھی۔

"شوق اور ارمان تو بہت ہے مگر کیا کریں، ان کی پسند کا بندہ اس روئے زمین پر ملنا تو مشکل ہے۔ ایک ہی شخص میں اتنی ساری خصوصیات کیسے پائی جا سکتی ہیں۔ بندہ ہینڈسم بھی ہو، قابل بھی ہو، اس کا سینس آف ہیومر بھی اچھا ہو، پیسے والا بھی ہو اور اس کے علاوہ کیئرنگ بھی ہو۔ اچھے اچھوں کو یہ گھاس نہیں ڈالتیں تو ہم شوق رکھ کر کیا کریں۔" مجھے مریم کی فضول بکواس وہ بھی اس کمینے کے سامنے زہر لگ رہی تھی۔ اس لیے تیل کی شیشی بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر جانے لگی۔

"تم کہاں چلیں؟ بیٹھو بھئی۔" ممی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"آپی شاید اپنی شادی کی بات پر شرما گئی ہیں۔" مریم کی بکواس پر غصے سے کھولتی میں کچھ بھی بولے بغیر باہر نکل گئی۔

☆

عمر نے باقاعدگی کے ساتھ پاپا اور ڈیڈی کے ساتھ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ آج کل وہ صبح کا گیا رات کو واپس آتا تھا۔ پاپا اور ڈیڈی اس کی کارکردگی سے بہت خوش تھے اور بزنس میں اس کے اتنے زیادہ دلچسپی لینے پر کافی حد تک ریلیکس بھی ہوگئے تھے۔

دادی حسبِ عادت اس کی فکر میں مبتلا رہتیں کہ "میرا بچہ اتنا کام کر کے تھک جاتا ہوگا، یا کیا ضرورت ہے اتنی جان ماری کی آخر پہلے بھی کاروبار چل ہی رہا تھا۔" وغیرہ۔

☆

اس روز ثناء کی شادی کی تاریخ رکھی جانی تھی۔ اس لیے میرے اور ڈیڈی کے علاوہ گھر کے تمام افراد پھپھو کے گھر گئے ہوئے تھے۔ میں ایک تو کچھ تھکی ہوئی بھی تھی اور دوسرے میرا موڈ بھی نہیں تھا اس لیے ڈیڈی کے ساتھ رک گئی تھی۔ عمر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ رات کا کھانا کھا کر ڈیڈی اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی۔ لیونارڈو کی دا بیچ آ رہی تھی اور میں مکمل طور پر فلم میں مگن ہو چکی تھی۔ ہیرو اور ہیروئن قابلِ اعتراض حد تک ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے جب لاؤنج کا دروازہ کھول کر عمر اندر داخل ہوا، اسے آتا دیکھ کر میں نے بے ساختہ انداز میں فوراً ہی ریموٹ سے چینل بدل کر بی بی سی لگا دیا۔

اپنی بے اختیاری پر مجھے خود بہت غصہ آیا، کیا میں اب بھی چھوٹی سی بچی ہوں جس کی وہ مما سے شکایت کر دے گا کہ ''چھوٹی ممی یہ موٹی ٹی وی پر پتا ہے کیا دیکھ رہی تھی۔'' میرے سلام کا جواب دیتا ہوا وہ میرے برابر والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پتانہیں اس نے مجھے چینل بدلتے دیکھا تھا یا نہیں میں اس کے چہرے سے کوئی بھی اندازہ لگانے میں ناکام تھی۔

''کیا بات ہے، بڑا سناٹا ہے، سب لوگ کیا کہیں گئے ہوئے ہیں؟'' گھر میں پھیلی خاموشی محسوس کرکے وہ بولا تو میں نے مختصر لفظوں میں سب کی غیر موجودگی کا سبب بتایا اور پھر مما کی ہدایات کے پیش نظر اس سے کھانے کا پوچھا۔

''آپ کھانا کھائیں گے؟''

''ہاں پلیز! بڑی شدید بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ ایک نظر میرے اوپر ڈال کر بولا، میں کچن میں آگئی۔ آج میں نے مچھلی فرائی کی تھی اور چائنیز رائس بنائے تھے۔ مجھے پتا تھا عمر کو سی فوڈ کتنے پسند ہیں۔ میں اور اس کی خاطریں کروں اسے پکا پکا کر ٹھنساؤں، میرا دماغ کھولنے لگا۔

دوپہر میں دادی کے لیے میں ان کے من پسند پیاز کریلے پکائے تھے۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک شیطانی منصوبہ آیا تو میں نے مچھلی اور چاول دونوں جلدی سے فریزر میں رکھ دیئے۔ خوب ڈونگہ لبالب بھر کر کریلے نکالے۔ کچن ٹیبل پر کریلوں کا ڈونگہ، سلاد کا پیالہ اور ہاٹ پاٹ رکھ کر بے تابی سے اس کا انتظار کرنے لگی۔ وہ کپڑے چینج کرکے کچن میں آگیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی اس لیے جان کر دو چار کیبنٹس میں سے سامان نکال اس طرح پوز کرنے لگی جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہوں۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ وہ بغیر کوئی حیرانی یا ناپسندیدگی ظاہر کیے پلیٹ میں کریلے نکالنے لگا۔ ہاٹ پاٹ میں سے روٹی نکال کر وہ کریلے یوں کھانے لگا جیسے اس سے اچھی نعمت اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے دیکھتی، وہ بڑی رغبت سے کھاتا ہوا نظر آتا اور تو اور اس نے سلاد کی طرف بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ ایک نہ دو پوری تین روٹیاں کھا گیا پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''بڑی شدید بھوک لگ رہی تھی۔ اصل میں آج لنچ کرنے کا ٹائم بھی نہیں ملا تھا۔'' میں اپنی حیرانی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے گردن ہلا کر فرج میں سے اس کے لیے رس ملائی نکالنے لگی جو مما نے بطور خاص اس کے لیے بنائی تھی۔ خود پر قابو پاتے ہوئے میں نے اس سے چائے کا پوچھا تو اس نے گردن ہلا دی۔ کھانا کھا کر وہ واپس لاؤنج میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں چائے لے کر آئی تو وہ چینل بدل چکا تھا اور اب ٹی وی پر دا بیچ چل رہی تھی۔ میرے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے وہ بولا۔

''تھینکس، آؤ تم بھی بیٹھو۔''

''نہیں، مجھے ابھی نماز پڑھنی ہے۔'' میں انکار کرتی اپنے کمرے میں آگئی اور سوچتی رہ گئی کہ کیا چھ سال اتنا طویل عرصہ ہوتا ہے کہ بندے کی پسند ناپسند سب بدل جائے۔ مجھے معلوم تھا میری طرح کریلے اسے بھی زہر لگتے ہیں مگر آج اس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

☆

کچن میں رول بناتے ہوئے میں بڑے سریلے انداز میں گنگنا رہی تھی۔

''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا، اب اس کا حال سنائیں کیا۔''

مجھے اپنے پیچھے کچھ کھٹر پٹر کی آواز سنائی دی تو مڑ کر دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

عمر کیبنٹ کھولے اس میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ میں زبان دانتوں تلے دبائے کچھ شرمندہ سی کھڑی تھی۔ بھلا یہ بے وقت مجھے فریدہ خانم بننے کی ضرورت کیا تھی اور ان موصوف کو بھی اس وقت یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا دیکھ کر وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''پتی کہاں رکھی ہے؟'' میں نے آگے بڑھ کر چائے کی پتی نکال کر دے دی تو وہ چولہا جلا کر اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

میں نے اخلاقاً بھی یہ نہیں کہا کہ لاؤ میں بنا دوں اور دوبارہ سے اپنا کام کرنے لگی۔ وہ چائے بنا کر چلا گیا تو میں نے اپنا کب کا رکا ہوا سانس بحال کیا۔ اس کے سامنے اتنا فضول گانا گانے پر مجھے خود پر سخت غصہ آرہا تھا۔ پتانہیں وہ کیا سمجھا ہوگا۔

رات کے کھانے کے بعد میں کمرے میں بیٹھی میگ پڑھ رہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے کھڑے عمر کو دیکھ کر میں اپنی حیرانی چھپا نہیں پائی۔ جب سے وہ واپس آیا تھا پہلی مرتبہ میرے کمرے میں آیا تھا۔ میری طرف بڑی مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' بڑا مہذب اور رکھ رکھاؤ والا بنا وہ مجھ سے دریافت کررہا تھا۔ میں نے بھی ایٹی کیٹس کا مظاہرہ کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک خوبصورت سا سرخ گلابوں سے مہکتا بکے اور خوبصورت سے پیکنگ پیپر میں لپٹا گفٹ میری طرف بڑھایا اور بولا ''یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں، آج چودہ فروری ہے ناں، ویلنٹائن ڈے۔'' اس کی بات پر میں غصے سے پاگل ہونے لگی۔ وہ مسکراتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

قریب تھا کہ میں وہ چیزیں اس کے منہ پر دے مارتی اور سارے ادب آداب بالائے طاق رکھ کر اسے ایسی ایسی گالیاں دیتی کہ وہ حیران رہ جاتا۔ اپنے اس خیال پر میں عمل کرنے ہی والی تھی کہ ایک اور بات میرے ذہن میں آئی۔ ایسا لگا جیسے کوئی کوندا سا لپکا ہو۔ میری برسوں پرانی آگ ٹھنڈی ہونے کا موقع قدرت مجھے خود فراہم کررہی تھی تو میں کیوں انکار کرتی، اس لیے میں جو غصے سے لال پیلی ہونے لگی تھی۔ ایک دم چہرے کے تاثرات بدل کر مسکرانے لگی اور دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے کر بولی۔

''تھینک یوسومچ۔'' وہ بڑے غور سے میرے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ میرے شکریہ پر وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ اس کی یہ بے موقع ہنسی میری سمجھ سے باہر تھی۔

''تابی! میں نے گھر سے دور رہ کر اتنے سال سب سے زیادہ تمہیں مس کیا ہے۔ کیا تم نے بھی مجھے مس کیا تھا؟'' اس کے محبتوں سے چور لہجے پر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا دماغ ٹھکانے لگا دوں لیکن خود پر جبر کرتی مسکراتے ہوئے بولی۔

بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔

''نہیں، بس میں چلوں گا۔'' اس کے جواب پر میں نے سر ہلا دیا اور بولی۔

''پھولوں کا بہت شکریہ، بہت خوبصورت پھول ہیں۔'' میں نے بڑی ادا سے مسکرا کر کہا۔ آخر تھی تو اس کی کزن، اتنی مکاری تو میں بھی کر سکتی تھی۔ میری بات پر وہ بڑی شریری مسکراہٹ سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پسند کرنے کا بہت شکریہ۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تو میں بیڈ پر بیٹھ کر کتنی ہی دیر تک کھولتی رہی۔ اس خبیث کی یہ جرأت مجھے ویلنٹائن ڈے پر پھول اور گفٹ دے جیسے میں تو کب سے اس کی طرف اظہارِ عشق کے لیے مری جا رہی تھی۔ گفٹ کے اوپر لگا کارڈ کھول کر پڑھا تو اس میں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے بڑی خوبصورت باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ گفٹ کھولنے کی میں نے ضرورت محسوس نہ کی۔

''بیٹا آج تمہیں تمہاری ساری خباثتوں کی سزا نہ دی تو تاباں فاروقی نام نہیں۔'' میں ایک عزم کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھوں میں بکے اور گفٹ اٹھا کر کمرے سے باہر نکلی۔ میرے تصور میں دادی کا صدمے سے چور چہرہ آ رہا تھا۔

''عمر! تمہیں شرم نہیں آئی میری معصوم پوتی سے عشق لڑاتے۔'' پھر مما سامنے آتیں عمر پر بڑی ملامتی نظریں ڈالتی ہوئی کہتیں۔

''ارے ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے، تم نے اپنے ہی گھر میں نقب لگائی۔'' ڈیڈی غصے سے چیختے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، بے حیا، بے غیرت۔ اپنے گھر کی عزت پر بری نظر ڈالتے ہو، کمینے۔'' اس کے بعد ممی اٹھتی ہیں اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارتی ہیں اور کہتی ہیں۔

''عمر! تم نے تو ہمیں صوفیہ اور حسان سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔'' یہ خوش کن نظارا انشاءاللہ ابھی کچھ دیر بعد میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں گی۔ ابھی جب میں آنکھوں میں آنسو بھرے یہ تمام چیزیں جا کر ممی کو دکھاؤں گی تو یقیناً یہی سب کچھ ہو گا۔ اسے سب کی نظروں سے گرانے کی میری برسوں پرانی خواہش آج پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی۔ تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر میں لاؤنج میں داخل ہوئی تو سب ہی وہاں موجود تھے۔

ہاں اس کی ذلت کا تماشا دیکھنے کے لیے سب کو موجود ہونا چاہیے۔ میں اسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ آج میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔

ممی، دادی اور مما ایک صوفے پر بیٹھی تھیں اور پاپا اور ڈیڈی دوسرے صوفے پر جبکہ عمر اور مریم فلور کشنز پر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ مجھے لاؤنج میں داخل ہوتے عمر کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بڑے بھرپور انداز میں مسکرایا۔

پتا نہیں کیوں اس کی آنکھوں میں مجھے اس وقت وہی خاص قسم کی چمک نظر آئی جو بچپن میں مجھے ستانے اور رلانے پر اس کی آنکھوں میں نظر آتی تھی۔ عجیب سی سازشی اور مکار آنکھیں جو دوسروں کو ذہانت سے بھرپور نظر آتی تھیں۔ میں اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھی اور دونوں چیزیں ممی کی جھولی میں ڈال دیں۔ انہوں نے حیران ہو کر میری طرف

دیکھا۔ باقی سب بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ عمر سر جھکا کر کارپٹ پر لکیریں کھینچ رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔

''کیا بات ہے تابی؟'' ممی نے مجھ سے دریافت کیا، ان کا اشارہ میرے چیزیں ان کی گود میں ڈالنے کی طرف تھا۔ اب کسی قسم کی مروت یا لحاظ کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی چنانچہ میں بڑے نڈر انداز میں بولی۔

''یہ مجھے عمر نے دیا ہے۔'' وہ چند لمحے حیرت سے مجھے دیکھتی رہیں پھر کارڈ اور پھولوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''لیکن ایسی چیزیں اماں ابا کو نہیں دکھاتے، یہ نہیں بتایا اس نے تمہیں؟'' ممی کا جواب میری توقع کے بالکل برخلاف تھا۔ ممی کے برابر میں بیٹھی مما نے بھی کارڈ کو مسکراتی نظروں سے دیکھا اور میری طرف دیکھ کر یوں ہنسنے لگیں جیسے میں بڑی بے وقوف ہوں جو یہ اٹھا کر سب کے پاس لے آئی ہوں۔

''اس نے مجھے ویلنٹائن ڈے پر پھول اور گفٹ دیا ہے اور آپ ہنس رہی ہیں۔'' میرا غصے سے برا حال تھا۔ کتنا دہرا معیار ہے ہمارے گھر میں اگر لڑکی کسی لڑکے کو پھول دے تو قابلِ نفرت اور لڑکوں کو کھلی چھوٹ ہے۔ وہ جو چاہے کرتے پھریں۔ میں اپنا اشتعال کنٹرول کرنے سے قاصر تھی۔ میری بات پر سب چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور تو اور دادی بھی مسکرا رہی تھیں جیسے میں کوئی لطیفہ سنا رہی ہوں جبکہ وہ ہنوز کارپٹ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے ہنسی روک رہا تھا۔

''کیوں بھئی عمر! تم نے ہماری بیٹی کو پھول کیوں دیئے ہیں؟'' ڈیڈی میرا لال بھبوکا چہرہ دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے عمر سے مخاطب ہوئے مگر ان کے لہجے میں چھپی شرارت صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ زبردستی سنجیدہ بنے ہنسی ضبط کیے بیٹھے تھے۔ مریم باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس رہی تھی۔

سب کے رویئے میری امیدوں کے برخلاف تھے۔ میرا دل بھر آیا اور میں تیز قدموں سے دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی، پیچھے سے ڈیڈی اور ممی کی آوازیں آ رہی تھیں وہ مجھے منانے کے لیے کچھ کہہ رہے تھے مگر میں کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ کمرے تک آتے آتے باقاعدہ آنسو نکل آئے اور میں دروازہ بند کر کے رونے بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد مریم کی آواز آئی۔ وہ زور زور سے دروازہ پیٹ رہی تھی مگر میں ڈھیٹ بنی منہ سر لپیٹے پڑی رہی۔ صبح ہوئی تو میرا کمرے سے نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اسی لیے نہا کر کمرے ہی میں بیٹھی رہی۔ دروازے پر دستک دی اور مما کی آواز آئی۔

''تابی! بیٹا دروازہ کھولو۔'' مما کی آواز سن کر مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ میرے دروازہ کھولنے پر وہ اندر داخل ہوئیں اور بغور میری طرف دیکھ کر ہنس پڑیں۔

''ابھی تک چھوٹے بچے کی طرح ناراض ہو جاتی ہو۔'' وہ مسکراتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر مما نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بیڈ پر بٹھایا اور میرے بال سنوارتے ہوئے پیار سے کہنے لگیں۔

''اتنی بڑی ہو گئی ہو لیکن عقل نام کو بھی نہیں ہے، رات وہ چیزیں لے کر سب کے پاس آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ عثمان بھائی تو رات گئے تک اس بات پر عمر کا مذاق اڑاتے رہے کہ تم تو اپنی بیوی سے کبھی اظہارِ محبت بھی نہیں کر سکو

گے کہ یہ ابھی جا کر سب کو بتا آئے گی۔'' مما جیسے کوئی بات یاد کر کے دوبارہ ہنسنے لگیں۔ مما کی اس بات پر میں ایک دم چونک گئی، یہ مما کیا کہہ رہی تھیں؟

''کون بیوی؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میرے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

''بیوقوف ہم تمہاری اور عمر کی منگنی کی بات طے کر چکے ہیں اور تم اس بے چارے کا اتنی چاہت سے دیا تحفہ سب کو دکھاتی پھر رہی ہو۔'' مما نے جیسے میری عقل پر ماتم کیا تھا۔ ان کی یہ بات سن کر میں اپنا غصہ چھپا نہیں پائی ایک دم پھٹ پڑی۔

''منگنی میری، وہ بھی اس خبیث سے، نیور۔'' مما میرے خبیث کہنے پر مجھے گھورنے لگیں مگر مجھے ان کے گھورنے کی کچھ خاص پرواہ نہ تھی۔ حد ہو گئی میری منگنی اور شادی کی باتیں کی جا رہی ہیں اور میں ہی لاعلم ہوں۔ مجھے اپنا ردعمل بالکل درست لگ رہا تھا۔

''عمر میں برائی کیا ہے؟'' مما نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس ایڈیٹ میں اچھائی کیا ہے، مجھے اس سے نفرت ہے۔'' اب کے مما کو بھی غصہ آ گیا اس لیے ڈانٹنے والے انداز میں بولیں۔

''کیا بدتمیزی ہے تابی! اس طرح بولتے ہیں۔'' وہ ناراض ہو گئی تھیں۔

''مما! آپ میری بات اچھی طرح سن لیں، میں کنواری مرنا زیادہ پسند کروں گی بہ نسبت اس بات کے کہ میری اس سے شادی ہو۔ میں تو اس کی شادی میں شریک ہونا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔ میری منگنی کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجھ سے پوچھا تک نہیں گیا۔ جیسے میں تو کب سے تیار بیٹھی تھی، بس شہزادہ جانِ عالم کی سواری کا انتظار تھا۔'' مجھے ایک دم ڈھیر سارا رونا آ گیا تو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر دھواں دھار رونے لگی۔

میرے رونے پر مما کا دل پسیج گیا اور وہ قدرے نرم لہجے میں کہنے لگیں۔ ''تابی! وہ بہت اچھا ہے، تم بہت خوش رہو گی۔ پھر یہ اماں کی اور ہم سب کی بھی خواہش ہے۔''

''ہاں، وہ بہت اچھا ہے، بس میں ہی اس کے قابل نہیں ہوں اس لیے آپ لوگ مجھے معاف کر دیں اور اس اچھے کے لیے کوئی اس سے زیادہ اچھی لڑکی ڈھونڈ لیں۔'' میں روتے روتے بولی اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ سامنے کوریڈور میں عمر اور مریم آپس میں کچھ بات چیت کرتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ میری آنسو برساتی آنکھوں کی طرف دونوں ہی نے غور سے دیکھا تھا۔ میں ان کو نظر انداز کرتی مریم کے کمرے میں گھس گئی۔ شام تک میں یونہی کمرے میں پڑی رہی۔ چھ بجے کے قریب مریم کمرے میں آئی اور میرے پاس بیٹھ کر کہنے لگی۔

''آپی!'' میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ ناراض لہجے میں بولی ''میں نے کیا کہا ہے جو آپ مجھ سے بھی ناراض ہو گئی ہیں۔ پلیز آپی اٹھیں ناں۔ یاد ہے کل آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ حرا کی برتھ ڈے کے لیے گفٹ خریدنے میرے ساتھ بازار چلیں گی۔'' اس کی منت پر میں نے تکیے میں منہ دیئے دیئے ہی جواب دیا۔

''مریم! آج میرا موڈ نہیں، یا تو کسی اور کے ساتھ چلی جاؤ اور اگر میرے ہی ساتھ جانا ہے تو کل پر رکھو۔''

''کسی اور کے ساتھ کیوں جاؤں، وعدہ تو آپ نے کیا تھا اور آج ہی جانا ہے، کل تو اس کی برتھ ڈے ہے۔ آپ کو اپنی چھوٹی بہن کا ذرا سا بھی خیال نہیں ہے۔ آپ کی اکلوتی بہن ہوں میں جس کے ساتھ آپ اتنا برا سلوک کر رہی ہیں۔'' وہ رونے کی تیاری کرنے لگی تو مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ اور پھر صرف مریم کا دل رکھنے کی خاطر میں بازار جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

ٹھیک ہے اس سارے قصے میں مریم کا کیا قصور ہے۔ اصل غصہ تو مجھے مما اور پاپا پر تھا۔ مریم تو بے قصور اور معصوم ہے۔ میں نے خود سے کہا اور مریم کا خوشی سے دمکتا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ میرے مان جانے پر بہت مسرور تھی۔ گاڑی کی چابی اٹھائے ہم دونوں لاؤنج میں آئے۔ مما، ممی اور دادی تینوں ہی وہاں بیٹھی تھیں۔ میں نے پھولے منہ سے بازار جانے کا بتایا اور ممی کی معنی خیز مسکراہٹ نظر انداز کرتی باہر آ گئی۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے مین روڈ پر ڈالی تو موسم کی خوشگواری نے میرے آف موڈ پر بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ گاڑی میں اپنی پسند کا کیسٹ لگائے میں اس وقت ڈرائیونگ کو انجوائے کر رہی تھی۔

''آپی! شاپنگ بعد میں پہلے آپ مجھے ''میک ڈونلڈز'' سے برگر کھلوائیں۔'' مریم نے پھیلنا شروع کیا تو میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ صبح سے بھوکی پیاسی ہیں، خالی پیٹ شاپنگ کیا خاک ہو گی۔'' وہ میرے گھورنے پر ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

اس کی بات پر مجھے بھی ہنسی آ گئی اور پھر واقعی مجھے بھوک بھی بہت شدید لگ رہی تھی اس لیے گاڑی ''میک ڈونلڈز'' کے سامنے روک دی۔ اندر داخل ہو کر میں کاؤنٹر کی طرف بڑھتے ہوئے مریم سے پوچھنے لگی۔

''کیا لو گی؟'' وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا رہی تھی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔ میری بات کا جواب بھی اس نے بڑی بے توجہی سے دیا۔

''میں چکن ود چیز اور کوارٹر پاؤنڈر کھاؤں گی مگر پہلے ذرا وہاں چلیں۔'' وہ ایک دم بڑے پرجوش انداز میں میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے مجھے ایک میز کی طرف لے آئی اور وہاں بیٹھی شخصیت کو دیکھ کر میرا پارہ آسمان پر چڑھنے لگا۔

مجھے اپنا غصہ ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مریم میرے غصے اور ناراضی سے بے نیاز اس سے مخاطب تھی۔

''ہم لوگ لیٹ تو نہیں ہوئے؟'' وہ گھڑی دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

''پورے دس منٹ لیٹ ہو۔''

''میں کیا کرتی، آپی نے تیاری میں اتنی دیر لگا دی۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ حرا اپنے ڈرائیور کے ساتھ باہر میرا انتظار کر رہی ہے اور واپسی میں میرے لیے برگر لینا اور مجھے پک کرنا مت بھولیے گا۔'' وہ دونوں مجھے نظر انداز کیے آپس میں مصروف تھے اور میں اپنی چھوٹی بھولی بھالی بہن کی سازشی ذہنیت ملاحظہ کر رہی تھی۔

''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔'' مجھے بہت پہلے کا پڑھا یہ مصرعہ اچانک ہی یاد آیا تھا۔ مارے غصے کے میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ مجھے کرنا کیا چاہیے۔ ایسے ہی تو غصے کو حرام نہیں قرار دیا گیا۔ یہ انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کر لیتا ہے۔ مریم ہاتھ ہلاتی خدا حافظ کر کے جا چکی تھی اور میں اپنی مٹھیاں بھینچے کھڑی پتا نہیں کیا کرنا

چاہتی تھی۔ مجھے خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ مجھے اتنی گھٹیا سازش کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ بڑی تفصیلی اور گہری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ، لوگ تمہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔'' میں نے ایک سرد نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور بولی۔

''اتنی چیپ فلمی قسم کی حرکت کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟''

''تم بیٹھ تو جاؤ، وجہ بھی بتا دیں گے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ دل تو میرا چاہ رہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دوں لیکن ایک دم ہی مجھے خیال آیا کہ ٹھیک ہے آج اس کی تمام خوش فہمیاں اور غلط فہمیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور کر دینی چاہئیں۔ اس لیے کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ میرے بیٹھنے پر اس نے سکون کا سانس لیا تھا اور بڑے آرام سے پوچھنے لگا۔

''کیا کھاؤ گی؟'' جیسے میں اس کی مہمان ہوں جسے اس نے بڑی چاہت سے انوائیٹ کیا ہے اور اب میزبانی کے تقاضے نبھانے کے لیے دل و جان سے تیار ہے۔ میں کوئی جواب دیئے بنا اسے گھورتی رہی۔ میرے گھورنے پر وہ سہمنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔ ''ایسے مت گھورو، میں پہلے ہی خاصا ڈرا ہوا ہوں اسی لیے گھر کے بجائے تم سے یہاں بات کرنے کا فیصلہ کیا کہ گھر میں مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ یہاں کم از کم اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کا لحاظ روا رکھتے ہوئے میری جان بخشی ہو جائے گی۔'' اس کی اوور ایکٹنگ پر میرا خون کھولنے لگا تھا، اسی لیے ایک دم پھنکاری۔

''تم میرے سامنے زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو، میں تمہاری ساری کمینگیاں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' میرے جواب پر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

''اچھا آہستہ تو بولو، لوگ دیکھ رہے ہیں۔ ویسے مجھ میں برائی کیا ہے۔ تمہاری تمام شرائط پر پورا اترتا ہوں یعنی ہینڈسم، کیئرنگ، ویل آف، ایجوکیٹڈ وغیرہ ساری ہی خصوصیات مجھ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔'' وہ شوخ مسکراہٹ چہرے پر سجائے پوچھ رہا تھا۔

''تمہاری سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ تم ایک گھٹیا انسان ہو اور میں تم سے سخت نفرت کرتی ہوں، تمہارے ساتھ تو اگر جنت میں بھی جانے کو کہا جائے تو میں انکار کر دوں گی۔'' میں نے اپنی تمام تر نفرت پوری شدت کے ساتھ اس کے سامنے ظاہر کر دی تھی۔ لیکن وہ ڈھیٹ بنا مسکرائے جا رہا تھا جیسے میں نے ابھی کوئی دل دکھانے والی بات کہی ہی نہ ہو۔

''اچھا تو وہ تمام پرپوزلز کس خوشی میں ریجیکٹ کیے گئے تھے؟ وہ اپنی اصلیت پر آتا میرا دل جلانے لگا تو میں نے بڑے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

''تمہاری وجہ سے، اصل میں مجھے تمہارا انتظار تھا۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''مجھے معلوم تھا، تم نے میری ہی وجہ سے انکار کیا ہوگا۔ تمہاری جیسی اچھی لڑکی تو مجھے اس پوری دنیا میں اور کوئی نہیں ملے گی جو میری خاطر ڈائٹنگ کر کر کے اتنی دبلی ہو گئی ہے۔'' اس کی بات پر میں بلبلا اٹھی۔

''میں کوئی ڈائٹنگ وائٹنگ نہیں کرتی۔''

''شاید تم میرے غم میں اتنی اسمارٹ ہو گئی ہو۔ جب ہی اس دن اتنا دردبھرا گیت بھی گا رہی تھیں۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''عمر! آئی ول کل یو۔'' مارے غصے کے الفاظ منہ سے نہیں نکل رہے تھے۔ وہ میری کیفیت پر ہنستا ہوا بولا۔

''میرا خیال ہے اس وقت تمہیں کسی ٹھنڈی چیز کی اشد ضرورت ہے۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا اور میں خود پر قابو پانے لگی۔ مجھے جذبات کو کنٹرول کر کے اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ میں نے خود کو سمجھایا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور ٹرے میرے سامنے کرتا ہوا بولا۔

''کھاؤ۔'' میں نے ٹرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تو وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''دیکھ لو، اس میں تمہاری پسند کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ میں کتنا اچھا میزبان ہوں۔ اپنے مہمانوں کو مچھلی اور چائنیز رائس فریزر میں چھپا کر کریلے تو ہرگز نہیں کھلاتا۔'' اس کی بات پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ کتنا چالاک ہے، میں نے دل میں سوچا۔ وہ میری شرمندہ سی شکل کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''اس دن صرف تمہاری خاطر وہ کریلے حلق سے اتارے تھے۔ جو میرے اوپر گزر رہی تھی وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔''

اس کی بات پر میں نے ایک نظر اسے دیکھا، وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکنے لگا تو میں نے ایک دم نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کا اس طرح دیکھنا مجھے نروس کرنے لگا تھا اور میں اپنی اس کیفیت پر قابو پانے سے قاصر تھی۔

''اب تو ناراضگی ختم کر دو، اب تو تم مجھ سے بدلہ بھی لے چکی ہو، حالانکہ انگریزوں کے اس فضول سے تہوار کو میں نہیں مانتا مگر تمہاری خاطر فرسٹ فروری سے دن گن گن کر گزار رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا جب تک تم اپنا حساب برابر نہیں کرو گی تمہیں چین نہیں آئے گا۔'' وہ مزے سے کل کے واقعے کا ذکر کر کے میرا دل جلا رہا تھا۔ کل کی ساری بات یاد آئی تو میں نئے سرے سے چڑ گئی اور بڑے تنفر سے بولی۔

''میری تمہارے ساتھ کوئی ناراضی نہیں ہے، نہ ہی تم اتنے اہم ہو کہ میں تمہارے خلاف ناراضیاں پالوں۔ تمہیں اپنے بارے میں بڑی زبردست غلط فہمی ہے۔ تم تو اگر سونے چاندی کے بھی بن کر آ جاؤ میں تمہیں تب بھی منہ نہ لگاؤں۔''

''تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں، ویسے کسی نے مجھے بتایا تھا کہ میں بڑا ''اسپیشل ہوں'' اس کے چہرے پر وہی مخصوص مسکراہٹ تھی جو میرا دل جلایا کرتی تھی۔

''اور کہنے والوں نے تو میری شان میں بڑا خوب صورت شعر بھی کہا تھا۔'' وہ جس بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا وہ میرے لیے باعثِ ندامت تھی اسی لیے میرا سر جھک گیا تھا۔

''تمہیں مجھ سے کس بات کی دشمنی ہے؟ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' میں نے ایک دم ہتھیار ڈال دیئے اور وہ میرے پسپائی اختیار کرنے پر مسکرا دیا۔

''دشمنی اور تم سے؟ ہرگز نہیں، میں تو پچھلے بائیس سالوں سے تمہارے عشق میں مبتلا ہوں۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ میں نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے جذب سے مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری بے وقوف سہیلیوں نے کم از کم یہ ایک بات تمہیں بالکل صحیح بتائی تھی کہ تمہارا ہینڈسم اور اسمارٹ کزن صرف تمہیں اس لیے ستاتا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔ ویسے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنے سے ڈرتا ورتا اس وقت

بھی نہیں تھا بس مجھے مزہ آتا تھا تمہیں چڑا کر، ستا کر۔ میری شرارتوں پر جب تم چڑتی تھیں تو مجھے بڑا لطف آتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ تم ہر وقت میرے بارے میں سوچتی رہو اور دیکھ لو، اپنی اس کوشش میں میں کامیاب رہا۔ تم نے اپنی تمام زندگی میں میرے علاوہ اور کسی کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔''

وہ بڑے یقین سے کہتا میری طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے اتنے پُریقین انداز پر میں نے اپنی ہارٹ بیٹ کچھ ڈسٹرب ہوتی محسوس کی تھی۔ میرا دل میرے خلاف بغاوت کر رہا تھا اور میں اسے بری طرح ڈانٹ رہی تھی۔

''میں تمہاری کسی بھی بکواس پر یقین نہیں کروں گی، تم ایک نمبر کے جھوٹے اور فراڈ انسان ہو، پیٹھ پر وار کرنا تمہاری اضافی خوبی ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ بڑی بے بسی سے سر پکڑ کر بولا۔

''اب میں تمہیں اپنا یقین کیسے دلاؤں؟''

''تم کچھ بھی کر لو، میں تمہارے دھوکے میں کبھی بھی نہیں آؤں گی۔ تمہاری اصلیت مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

''تم جس وجہ سے مجھ سے اتنی شدید ناراض ہو اگر سوچو تو اس سے تمہیں فائدہ ہی پہنچا ہے۔ پھر بھی تمہاری خوشی کی خاطر میں ایکسکیوز کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کی بات پر میں ایک عدد تردیدی بیان دینے ہی والی تھی کہ وہ مزید کہنے لگا۔

''یار! بیس سال کی عمر میں تم مجھ سے کس قسم کی سنجیدگی اور میچورٹی کی توقع رکھتی تھیں۔ ویسے بعد میں کچھ سال گزرنے کے بعد میں نے جب غور کیا تھا تو تمہاری بولڈنیس کو سلام کرنے کو دل چاہا تھا۔ میں مانتا ہوں وہ شرارت ذرا سی سنگین ہو گئی تھی۔ مجھے وہ کارڈ جا کر چھوٹی می کو نہیں دینا چاہیے تھا۔ تم اسے میری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف نہیں کر سکتیں اور اگر سوچو تو اس تمام واقعے نے تمہیں فائدہ ہی پہنچایا ہے۔ تم نے صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے خود کو اتنی اچھی طرح بدلا کہ سب خوش ہو گئے۔ امریکہ میں جب مجھے پتا چلا کہ وہ لڑکی جس کو ایل سی ایم لینا نہیں آتا تھا اور جو میتھ کے پیریڈ میں روز کھڑی کی جاتی تھی اس نے میتھس ہی میں ماسٹرز کر لیا ہے تو میں اتنا خوش ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔ سارے گھر والے بشمول میرے یہی سمجھتے تھے کہ بہت سے بہت ہوا بھی تو یہی ہوگا کہ تم روتے پیٹتے بی اے کر لو گی اور تمہاری قابلیت جولیا رابرٹ، کیٹ ونسلیٹ، کاجل اور شاہ رخ خان کے قصوں سے آگے نہیں بڑھے گی۔ لیکن تم نے سب کے خیالات غلط ثابت کر دیئے اور میں جو یہ چاہتا تھا کہ تم اپنی ذہانت کو درست طریقے سے استعمال کرو مگر کبھی کہہ نہ پاتا تھا تم نے میرے کہے بغیر میری خواہش پوری کر دی۔ اچھی تو تم مجھے ویسے بھی لگتی تھیں اگر اتنا نہ پڑھتیں تب بھی مگر اب میں تم پر فخر کرتا ہوں پہلے صرف محبت کرتا تھا۔'' اس نے زندگی میں پہلی بار بڑی سنجیدگی اور بردباری سے مجھ سے کوئی بات کی تھی۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو ایسا لگا سب کچھ بدل رہا ہے۔ اس کے خلاف دل میں موجود سارا غصہ اور تمام نفرت پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی۔ اس نے شاید میرے چہرے سے میری بدلتی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا اس لیے مسکرا کر بولا۔

''میں یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں اس لیے اب مزید منتیں مت کرواؤ۔ جب دل سے مان چکی ہو تو زبان سے بھی قبول کر لو۔'' میرا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

''شکر ہے تم کچھ شرما ورما بھی لیتی ہو ورنہ مجھے اپنے مستقبل کی بڑی فکر تھی اور ویسے تو تمہارا شکریہ بھی ادا کرنا تھا کہ تم نے دادی کی خدمتیں کر کے ان کا بھی دل جیت لیا ہے ورنہ تم دونوں کی قدیم دشمنی میں میرا تو بیڑا غرق ہو جانا تھا۔''

تمہاری طرح دادی کی چمچہ گیری نہیں کرتی ہوں، سمجھے۔'' میں شرمانا بھول کر اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں بولی تو وہ شوخی سے مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''تمہارا وہ کارڈ آج بھی میرے پاس بڑی حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ شادی کے بعد ہم اسے فریم کروا کر اپنے کمرے میں لگا لیں گے۔'' وہ مجھے چھیڑ رہا تھا اور میں نروس سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

''اور شادی کے بعد جب کسی دن دادی اپنے من پسند پیاز کریلے پکایا کریں گی تو ہم دونوں کمرے میں چھپ کر پیزا کھایا کریں گے۔'' اس کی بات پر میں بھی ہنس پڑی تھی۔

''تمہاری تسلی کے لیے میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تم کیسی بھی فلم دیکھو میں چھوٹی می سے شکایت نہیں کروں گا، چاہے وہ دا بیچ ہو یا شیکسپیئر ان لو یا پھر کوئی اور۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں بولا تو میں نے بے ساختہ اس کو گھورا تھا۔

''عمر! تم واقعی بہت خبیث ہو۔'' میری بات پر وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''دیکھو یہ اتنے پیارے پیارے ناموں سے اکیلے میں پکار لیا کرنا۔ اگر دادی کے سامنے کہا تو نتائج کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔'' اور جواب میں میں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

❀……❀

صرف محبت

جہاز چند لمحوں میں لینڈ کرنے والا تھا۔ وہ بڑے اُلجھے ہوئے انداز میں بیٹھی آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بہت چھوٹی تھی وہ اس وقت جب ابو اور امی کے ساتھ ایک مرتبہ کراچی آئی تھی۔ اتنی چھوٹی کہ اسے اس وقت کی کوئی بات اب یاد بھی نہیں تھی۔ آج اتنے برسوں بعد وہ دوبارہ اس شہر میں آئی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ یہاں اسے کس طرح کے حالات سے گزرنا ہوگا۔ ابو کی وفات کے بعد جس قسم کے حالات سے ان لوگوں کو گزرنا پڑا، انہوں نے اسے کسی حد تک بہادر بنا دیا تھا لیکن پھر بھی ملازمت کے لیے کسی دوسرے شہر جانے کا تو یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ نیا شہر، نئے لوگ۔ وہ پتا نہیں خود کو یہاں پر ایڈجسٹ کر بھی پائے گی یا نہیں اور سب سے بڑھ کر پھوپھو کے گھر قیام.......... کیا وہ ان کے گھر میں رہ سکے گی؟

حالانکہ وہ خود کو بار بار پھوپھو کے اس کے بچپن سے لے کر اب تک کے تمام اچھے رویوں اور محبت بھرے سلوک کے بارے میں یاد دلا رہی تھی، لیکن پھر بھی بہت سی سوچیں اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس کو تشویش اور پریشانی میں مبتلا رکھے ہوئے تھیں۔ پھوپھو بہت اچھی ہیں۔ ان لوگوں سے بہت پیار کرتی ہیں، لیکن پھوپھو کے گھر میں صرف وہ اکیلی تو نہیں رہتیں۔ وہاں انکل اور اس کے کزنز بھی تو رہتے ہیں اور پتا نہیں وہ لوگ اس کے اپنے گھر قیام کو پسند کریں گے بھی کہ نہیں۔ ان لوگوں نے کب پھوپھو اور ان کی فیملی کے ساتھ کوئی بہت اچھے اور محبت آمیز سلوک کر رکھے تھے، جو وہ بدلے میں یہاں اپنی مہمان نوازیوں اور محبتوں کی کوئی اُمید رکھتی۔ جو رویہ ابو اور خاص طور پر امی نے زندگی بھر پھوپھو کے ساتھ روا کیا تھا، اسے دیکھتے ہوئے کسی اور کو تو کیا خود پھوپھو کو بھی اس کی آمد کی کوئی خوشی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ پھوپھو کے گھر یہ بن بلایا مہمان امی نے ہی اسے بنوایا تھا، ورنہ اس کا قطعاً کوئی اِرادہ نہیں تھا، ان کے ہاں قیام کرنے کا۔

کراچی میں ایک سوفٹ ویئر ہاؤس (Software House) میں یہ جاب جس کے لیے اسے اپنا شہر اور اپنا گھر چھوڑنا پڑا، اسے عاقب خالو کے توسط سے ملی تھی۔ گو پنڈی میں اس کو جاب ملی ہوئی تھی، مگر بہت جان توڑ محنت اور انتہائی لگن سے کام کرنے کے بعد مہینے کے اختتام پر جتنے پیسے اس کے ہاتھ میں آتے، وہ ان لوگوں کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے ناکافی تھے۔ اگر وہ شوقیہ ملازمت کر رہی ہوتی تو اپنی اسی جاب کو جاری رکھنے کے ساتھ

ساتھ پنڈی میں ہی کسی مناسب جاب کے لیے کوششیں جاری رکھتی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جاب اس کے لیے شوق، وقت گزاری اور تعلیم کو استعمال کرنے والی چیز نہیں تھی۔ یہ اس کے اور اس کے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے انتہائی ضروری تھی۔

دونوں بھائی جن تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے، وہاں کی فیسیں اور دیگر اخراجات اس کی اس قلیل سی تنخواہ میں پورے نہیں ہو پاتے تھے۔ وہ بہت پریشان تھی۔ دورانِ تعلیم بھائی کہیں ملازمت کریں یا ٹیوشنز پڑھائیں۔ یہ بات نہ اسے پسند تھی نہ امی کو۔ ابو کی زندگی میں جو عیش و آرام ان بھائیوں نے دیکھا تھا اور جتنے بے فکرے ماحول میں اپنے تعلیمی مدارج طے کیے تھے، اس کے بعد اسے یہ بات ناممکن دکھائی دیتی تھی کہ وہ پڑھائی اور جاب ساتھ ساتھ چلا سکتے ہیں۔

پھر ان دنوں جب وہ شدید ترین مایوسی کا شکار ہو کر اپنی کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کی ڈگری کو ایک کاغذ کے معمولی سے پرزے کے برابر سمجھنے لگی تھی، تب عاقب خالو نے اس کے لیے اس جاب کا بندوبست کر کے اسے مایوسی کے اس شدید ترین احساس سے باہر نکالا تھا، ورنہ خالہ کا حال تو یہ تھا کہ ابو کی وفات کے بعد جب جب وہ ان کے گھر آئیں اور بہن کی بیوگی اور معاشی پریشانیوں پر ان کے ساتھ مل کر روئیں تو اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں رونے سے ان کا میک اپ نہ خراب ہو جائے، پھر جب عاقب خالو کی کوششوں کے نتیجے میں اسے جاب ملی تو وہ خود تو بے حد خوش ہوئی، لیکن امی سخت فکر مند۔ اپنی نازوں پلی بیٹی کو ملازمت کے لیے دوسرے شہر بھیجنا ایک بہت مشکل کام تھا، ان کے لیے۔ جتنی بھاری بھر کم تنخواہ والی یہ جاب اسے کراچی میں ملی تھی۔ وہ اس وقت اس کی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ امی نے اسے اس شرط پر کراچی جانے کی اجازت دی تھی کہ وہ وہاں پھوپھو کے گھر میں رہے گی۔

ساری زندگی جس نند کو انہوں نے خود سے کم تر اور بہت حقیر سمجھا۔ اب ابو کی وفات کے بعد انہیں اچانک اس کی وہ محبت اور خلوص نظر آنا شروع ہو گیا تھا، جسے انہوں نے ہمیشہ مکاری اور بھائی کی دولت کا لالچ قرار دیا تھا۔ وہ امی کو منع کرنا چاہتی تھی کہ انہوں نے کراچی پھوپھو کو فون کر کے اس کی جاب اور ان کے گھر رہائش کے بارے میں بات کر لی۔

پھوپھو کی محبت اور خلوص پر تو اسے کوئی شک تھا ہی نہیں۔ بچپن ہی سے اس کے ذہن میں پھوپھو کا ایک بہت ہی ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون کا امیج بنا ہوا تھا، حالانکہ ابو کی زندگی میں وہ پنڈی بہت کم آئی تھیں۔ اتنے برسوں میں شاید دو مرتبہ، لیکن فون وہ ان لوگوں کو باقاعدگی سے کیا کرتی تھیں۔ چاہے امی کو ان کا فون کرنا اچھا لگ رہا ہو یا نہیں۔ وہ فون پر ان لوگوں کی خیریت پوچھنا کبھی نہیں بھولتی تھیں۔

ابو کے انتقال کے بعد جب وہ پنڈی آئیں اور ان لوگوں کے پاس کافی دنوں تک رہیں تب اسے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اپنے تمام رشتہ داروں میں اسے پھوپھو ہی وہ واحد ہستی نظر آئی تھیں، جن کا چہرہ دُکھ اور غم کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ان کا رونا ایسا تھا جیسے انہوں نے کوئی بہت عزیز ہستی کھو دی ہو۔ ان دنوں میں اسے ان کے وجود کی نرمی اور محبت نے بہت متاثر کیا تھا۔ انہوں نے شکوہ شکایت کی کوئی پٹاری نہیں کھولی تھی۔ امی پر کوئی طنزیہ جملے نہیں کسے تھے، بلکہ اس مشکل وقت میں انہیں اپنی طرف سے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا تھا۔

ائیر پورٹ پر اسے لینے کے لیے عاصم بھائی آئے ہوئے تھے۔ وہ انہیں دور سے دیکھ کر ہی پہچان گئی تھی۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے ان سے کبھی ملی نہیں تھی۔ صرف ان کی تصویر ہی دیکھ رکھی تھی۔ وہ انہیں پہچانتے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ ہچکچاتے ہوئے انداز میں ان کی طرف بڑھی، خود انہوں نے پتا نہیں اسے کیسے پہچانا تھا، جو بڑی تیزی سے اس سے پہلے ہی اس تک پہنچ گئے تھے۔

''السلام علیکم''۔ عجیب سی گھبراہٹ اور شرمندگی محسوس ہو رہی تھی، اسے ان کا سامنا کرتے ہوئے۔ ڈرتے ڈرتے اس نے ان کی طرف دیکھا۔ کہیں ان کی آنکھوں میں طنز اور تمسخر تو نہیں؟

''اتنے امیر باپ کی بیٹی نوکری کے لیے شہر شہر ماری ماری پھر رہی ہے۔ بے چارے غریب رشتہ داروں کے ہاں رہائش اختیار کرنے والی ہے، جن سے کبھی اس نے ملنا پسند نہ کیا، ان کے گھر بن بلائی مہمان بننے والی ہے''۔

مگر ان کی آنکھوں میں وہ ان میں سے کوئی ایک جملہ بھی کھوج نہیں پائی تھی، بلکہ ایک پُرخلوص سی مُسکراہٹ جس نے ان کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا، وہ اسے نظر آئی تھی۔ اس کے سلام کا انہوں نے مُسکراتے ہوئے گرم جوشی سے جواب دیا اور پھر اسی خلوص اور اپنائیت کے ساتھ اسے لیے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔

ان کی بالکل نئے ماڈل کی قیمتی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کے ذہن میں بجو کا کئی سال پہلے کا ایک جملہ گونجا تھا۔

''خالی ڈگریوں کو لے کر کیا میں نے چاٹنا ہے۔ بندے کے پاس ڈگریوں کا انبار ہو۔ گلے میں ڈھیر سارے گولڈ میڈلز بھی ہوں، مگر جیب خالی ہو۔ ایسی ڈگریوں اور ایسے میڈلز کو میں دور سے سلام کرتی ہوں۔ میں تو شادی اس سے کروں گی جس کے پاس اتنا پیسہ ہو کہ میرے سب شوق پورے کر سکے۔ مجھے اپنا دل نہ مارنا پڑے، جو عیش و آرام مجھے اپنے باپ کے گھر میں میسر ہیں، وہ مجھے وہاں بھی ملیں''۔

بجو کی کہی باتیں یاد آتے ہی ایک سرد آہ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ بہت بے ساختگی میں اس نے اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے عاصم بھائی کی طرف دیکھا۔ کتنے ہینڈسم اور ڈیسنٹ سے تھے وہ۔ جتنے ہینڈسم وہ اسے تصویروں میں لگے تھے، اس سے بھی بڑھ کر خوبرو تھے وہ۔ غیر شعوری طور وہ ان کا جلال بھائی کے ساتھ موازنہ کرنے لگی تھی۔ اسے امی، ابو کی چوائس پر ہمیشہ سے بھی بڑھ کر آج افسوس ہوا تھا۔ کرخت چہرے والے جلال بھائی جب اپنے نام کے معنی پورے کرتے ہوئے واقعی جلال میں آتے تو لمحہ بھر میں کسی کے بھی سامنے بجو کو بے عزت کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ ویسے بیوی بچوں کے ساتھ اچھی طرح، بڑی محبت سے رہتے تھے۔ بجو اور بچوں کی ہر شاپنگ دبئی، سنگاپور اور لندن سے ہوتی تھی۔ ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں وہ لوگ یورپ میں گزارتے تھے۔ بجو سونے اور ڈائمنڈز سے لدی رہتی تھیں، لیکن یہ سب عیش و آسائش وہ ایک ہی منٹ میں برابر بھی کر دیا کرتے تھے۔ اپنے کرائے ہوئے عیش اور شاپنگ کے بجو کو بیچ محفل میں طعنے دے کر۔

''میں یوں گھماتا ہوں، یوں شاپنگ کراتا ہوں، اس قدر عیش کرواتا ہوں، تھی تمہاری اوقات اس سب کی؟ تمہارے باپ نے تو بس اتنی دولت کمائی تھی کہ ایک جھٹکے میں سب ختم ہو گیا''۔

وہ ابو، امی کی لاڈلی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینے والی لالہ رُخ ظفر جو شادی سے پہلے بہت نخریلی اور دوستوں کے حلقے میں بڑی مغرور مشہور تھی، پتا نہیں اپنے شوہر کے ہاتھوں یہ ذلت کس طرح سہتی تھی۔ خود دانیا کا جلال بھائی کا یہ انداز

دیکھ کر ذلت اور غم و غصے سے بُرا حال ہو جاتا تھا۔

ایک بار اس نے بہت غصے کے عالم میں بجو کو ان کی بے حسی اور بے غیرتی کا احساس دلانا چاہا تو وہ جواباً بڑی سنجیدگی سے سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''شوہر کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے بیوی کو تھوڑا سا بے غیرت بننا ہی پڑتا ہے۔ اس رشتے میں انا کو لے آئیں تو یہ رشتہ نبھایا نہیں جا سکتا۔ اچھا یا بُرا جیسا بھی ہے، اب مجھے اسی شخص کے ساتھ گزارا کرنا ہے''۔ عجیب سا تھا ان کا فلسفہ۔ جس سے اس کو بہت اختلاف تھا۔

وہ یونہی گم صم سی بیٹھی بجو اور جلال بھائی کے بارے میں ہی سوچے چلے جا رہی تھی۔ تب ہی اچانک عاصم بھائی کی آواز پر چونکی تھی۔ وہ اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ اپنے ذہن سے سب سوچوں کو جھٹکتے ہوئے، وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ گاڑی بہت سے انجانے اور نئے راستوں سے گزرتی ہوئی اس نہایت ہی عالی شان مکان کے خوب صورت سے پورچ میں جا کر رُکی تو وہ اس مکان کی خوب صورتی اور مکینوں کے ذوق کو سراہتی ہوئی گاڑی سے اُتر گئی۔ پھوپھو شاید اس کی آمد کے انتظار میں گیٹ کی طرف ہی دھیان لگائے بیٹھی تھیں، جو فوراً ہی داخلی دروازہ کھولتی، تیزی سے درمیانی راستہ عبور کرتے پورچ میں آ گئی تھیں۔

''آ گئی میری بیٹی''۔ ہمیشہ کی طرح ان کا انداز والہانہ اور محبت بھرا تھا۔ ان کے وجود میں سے وہی پیاری سی سانسوں کو معطر کر دینے والی خوشبو آ رہی تھی، جو ہمیشہ اسے مسحور کر دیا کرتی تھیں۔

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر آ گئیں۔

''ردا!'' انہوں نے بھابھی کو آواز دی، جو غالباً کچن میں تھیں۔ ان کی آواز سنتے ہی وہ فوراً لاؤنج میں آئیں۔

''کیسی ہو دانیا؟'' پھوپھو کے تعارف کروانے پر انہوں نے مُسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نرم و نازک سے سراپے والی خوب صورت سی ردا عاصم کو اس نے بہت غور سے دیکھا۔

پھوپھو اسے گھر کے باقی افراد کی عدم موجودگی کی بابت بتا رہی تھیں۔

''ثمین ابھی کالج سے نہیں آئی۔ داؤد اور تمہارے انکل بھی شام میں گھر آئیں گے''۔

''آپ کو بھی میری وجہ سے اپنے آفس سے جلدی اُٹھنا پڑ گیا ہو گا''۔ اس نے اپنے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے عاصم بھائی سے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ ایسے جیسے اپنی وجہ سے ان کا وقت ضائع کروا دینے پر نادم ہو رہی ہو۔

وہ ابھی اس کی اس پُرتکلف سی بات کے جواب میں کچھ بول بھی نہیں پائے تھے کہ بھاگتے دوڑتے دو بچے آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔ عاصم بھائی کی طرف جاتے جاتے وہ دونوں اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رُکے اور پھر فوراً ہی اس کے پاس آ گئے۔

''السلام علیکم۔ آپ دانیا پھوپھو ہیں نا''۔

لڑکی نے اس سے پوچھا تھا۔ اس نے مُسکراتے ہوئے سر ہلا دیا اور پھر اس کے سلام کا جواب دے کر بولی۔

''تم میرال ہو اور یہ شارم ہے''۔

''آپ کو ہم لوگوں کے نام کیسے پتا چلے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ اس کی حیرت پر ہنس پڑی۔

”پھوپھو، عاصم بھائی اور بھابھی بھی اس گفتگو پر مُسکرا رہے تھے۔

”مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ تم دونوں کون سے اسکول میں اور کون سی کلاسز میں پڑھتے ہو“۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر ان دونوں کو اپنے پاس بٹھالیا۔

”بھئی اگر کھانا کھلا رہی ہو تو جلدی سے کھلا دو، ورنہ پھر میں چلوں“۔ عاصم بھائی نے بھابھی سے کہا تو وہ جلدی سے واپس کچن میں چلی گئیں۔

کھانے کے بعد وہ پھوپھو اور بھابھی کے ساتھ بیٹھ کر باتوں میں مصروف تھی کہ ”لو ثمین بھی آ گئی“، ثمین کو اندر آتا دیکھ کر بھابھی بولیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ پھوپھو، عاصم بھائی اور بھابھی کے برخلاف وہ اس کے ساتھ بڑے روکھے اور خشک سے انداز سے ملی۔ چہرے پر ہلکی سی خیر مقدمی مُسکراہٹ لانے کی بھی اس نے زحمت نہیں کی تھی۔

”بھابھی! بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔ جلدی سے یہ بتائیں کہ آج پکایا کیا ہے“۔ اس سے سلام دُعا کرتے ہی وہ بھابھی کی طرف گھومی۔

”تمہاری پسند کی ڈشز ہیں، فکرمت کرو۔ جاؤ فریش ہو کر آؤ۔ میں تب تک تمہارے لیے کھانا نکالتی ہوں“۔ بھابھی نے تسلی دینے والے انداز میں کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی فوراً کھڑی ہوگئی۔

پھوپھو اور ابو وہ دو ہی تو بہن بھائی تھے۔ کیسی بے غرض تھی پھوپھو کی محبت، جسے بھائی سے لاتعلقی اور بے گانگی کا کوئی شکوہ نہیں تھا۔ بہن کو زندگی بھر بھلائے رکھنے پر کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھے چلی جارہی تھی۔ عصر کی اذانوں کے وقت ہی ان کی باتیں ختم ہوئی تھیں۔ نماز کے لیے اُٹھتے ہوئے انہوں نے اسے کچھ دیر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

”باتوں میں لگائے رکھا میں نے تمہیں، ایسا کرو، تھوڑی دیر سو جاؤ“۔ اسے نہ تو نیند آرہی تھی اور نہ ہی یہ وقت اسے سونے کے لیے مناسب لگ رہا تھا۔ اس لیے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں اپنے بالکل فریش ہونے کا یقین دلایا تھا۔

مغرب کے بعد انکل اور پھوپھو دونوں اس کے پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔

”بالکل اپنا گھر سمجھ کر رہنا یہاں۔ کسی قسم کا تکلف کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے“۔ انکل شاید اس کے تکلف کو محسوس کر گئے تھے، اسی لیے بڑی اپنائیت سے اس سے یہ بات کہی۔

اسی وقت لاؤنج کا دروازہ کھول کر گھر کا وہ آخری فرد اندر آیا تھا جس سے ابھی تک وہ ملی نہیں تھی۔

”بہت دیر لگا دی بیٹا“۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھوپھو نے کہا تو وہ جواباً بڑی سنجیدگی کے ساتھ دیر ہو جانے کی وجہ بتانے لگا۔

وہ اندر آتے ہی اسے دیکھ چکا تھا، لیکن اس نے از خود اس کے ساتھ ہائے ہیلو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ پھوپھو کے تعارف کروانے پر بہت رسمی اور ہلکی سی مُسکراہٹ صرف اتنی کہ اس میں کسی قسم کی گرم جوشی اور اپنائیت ظاہر نہ ہو، چہرے پر لاتے ہوئے اس نے دانیا سے سلام دعا کی...... اور پھر معذرت کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آفس میں پہلا دن ویسا ہی گزرا جیسا وہ توقع کر رہی تھی۔ کام کی نوعیت سمجھنے اور ساتھ کام کرنے والوں کا

تعارف حاصل کرتے۔ جن کے انڈر میں اسے کام کرنا تھا۔ وہ بہت ہی اصول پسند، سخت مزاج اور پروفیشنلزم پر انتہائی حدوں تک یقین رکھنے والے انسان نظر آرہے تھے۔ آفس کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی کوئی سہولت نہیں تھی، لیکن اس کی بعض کولیگز نے اپنے طور پر آفس آنے جانے کے لیے وین لگوائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے لیے بھی اسی میں آنے جانے کا بندوبست کروالیا تو بڑا اسکون محسوس ہوا۔ کم از کم ایک پریشانی تو دور ہوگئی تھی۔

گھر واپسی پر پھوپھو کا اپنے لیے محبت بھرا پُرتشویش انداز اسے اجنبی فضاؤں میں اپنائیت کا بھرپور احساس دلا گیا تھا۔ وہ اس کی جاب کے بارے میں، وہاں کے ماحول کے بارے میں، کولیگز کے رویے کے بارے میں، ایک ایک بات پوری تفصیل سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ ماں سے دور تھی مگر ماں کی طرح ہی اپنے لیے فکرمند ہونے اور محبت کرنے والی ایک ہستی اس کے پاس تھی۔

☆

آنے والے چند دن اس نے اس گھر کے ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے اور آفس میں کام سمجھنے میں گزار دیئے تھے۔ آفس جاب اس کے لیے نئی بات نہیں تھی، اس لیے تھوڑی سی کوشش کے بعد خود کو وہاں پر ایڈجسٹ کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ مگر حیرت تو اسے اس بات پر تھی کہ پھوپھو کے گھر میں جو وہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ رہ ہی نہیں پائے گی تو اس کا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوا تھا۔

ان کے گھر کا ماحول اس کے گھر کے ماحول سے بالکل مختلف تھا، لیکن پتا نہیں کیا بات تھی، اسے ان کے گھر کی ہر بات اچھی لگ رہی تھی۔ ان سب گھر والوں کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت۔ پھوپھو کی اپنے شوہر اور بچوں سے محبت۔ وہ کسی این جی او اور کسی سوشل ورک کے غم میں مبتلا نہیں تھیں۔ اپنے گھر کی فکر چھوڑ کر وہ معاشرے کو سدھارنے کی فکر میں نہیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان بہن بھائیوں کی آپس میں محبت۔ عاصم بھائی کی اپنی بیوی اور بچوں سے محبت۔

وہ پیسہ کمانے کی دھن میں اس حد تک مگن نہیں ہو گئے تھے کہ اپنی فیملی کو نظر انداز کر دیتے۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس گھر میں پیسے کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن اسے اس حد تک اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے کہ رشتوں پر اسے ترجیح دے دیتے۔ اپنے گھر میں کب اس نے یہ ماحول دیکھا تھا۔ ساری زندگی ابو کو دولت بڑھانے اور آگے سے آگے بڑھنے کی فکر کرتے دیکھا تھا۔ وہ بزنس جو ابتدا میں انہوں نے بہت چھوٹے پیمانے پر شروع کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اسے پھیلاتے چلے گئے تھے۔ اس معاملے میں امی، ابو میں زبردست ہم آہنگی تھی۔ وہ لوگ کوئی ہمیشہ سے ہی اس شان و شوکت سے نہیں رہ رہے تھے۔ اس کے پیچھے قسمت کے ساتھ ساتھ ابو کی یہ خوبی بھی تھی کہ وہ پیسہ کمانا جانتے تھے۔ لوگوں سے کونٹیکٹس کیسے بڑھانے ہیں، کن لوگوں سے ملنا فائدہ مند ہے اور کن لوگوں سے ملنا بے فائدہ اور یہی عادات امی کی بھی تھیں۔ جیسے جیسے ان کا اسٹیٹس اونچا ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنے تمام پرانے ملنے والوں اور دوستوں کو چھوڑتے چلے گئے۔ ان کے گھر میں آئے دن گیٹ ٹو گیدرز ہوا کرتی تھیں۔ بہانے بہانے سے گھر پر پارٹیز ارینج کی جاتی تھیں اور ان پارٹیز میں چُن چُن کر ان تمام کاروباری دوستوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ جن سے کسی بھی طرح کا فائدہ حاصل ہونے کی اُمید تھی۔

انہیں نئے زمانے کے ساتھ چلنے کے تمام انداز آتے تھے۔ ایمان داری اور اصولوں کو وہ کتابی باتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند ہی سالوں میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ سوائے اپنے سگے بہن بھائیوں کے امی

سی کم حیثیت آدمی سے ملنا ہرگز پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان بہن بھائیوں نے اسی ماحول میں پرورش پائی تھی۔

لیکن اس پر پتا نہیں کیوں ان باتوں کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ دوستی کرتے وقت کبھی مقابل کے اسٹیٹس کی طرف دھیان نہیں دیتی تھی۔ حالانکہ بجو اس معاملے میں بالکل امی اور ابو کی جیسی سوچ رکھتی تھیں۔ امی اور بجو کو اس سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ پتا نہیں وہ کس پر پڑی تھی۔ اسے ملازمین کے ساتھ برابری کے درجے پر بات کرتا دیکھ کر امی کا بلڈ پریشر ہائی ہو جایا کرتا تھا۔ بجو اس کی غریب پروری کا مذاق اُڑایا کرتی تھیں۔

بعض دفعہ کئی کئی دن ہو جاتے ابو کو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے ہوئے۔ اسے یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ اس کا دِل چاہتا تھا وہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کیا کریں۔ ساتھ کھانا کھایا کریں۔ وہ کبھی ایسی کسی خواہش کا اظہار کرتی تھی تو امی جھٹ اسے ٹوک دیتیں۔

''بہت ضروری ڈنر میں شرکت کرنا ہے، تمہارے ابو کو۔ پتا ہے وہاں کون کون آیا ہوا ہو گا۔ اس قسم کے ڈنرز کو تو کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہیے''۔ ہنس کی چال چلنے کی کوشش کرتے وہ اپنا اصل ہی بھول گئیں تھیں۔ اپر کلاس کی بیگمات والے تمام شوق انہوں نے اختیار کر لیے تھے۔ کرسٹلز اور ڈائمنڈز کی باتیں، دبئی کے شاپنگ مالز کی باتیں، سوشل ورک اور مظلوم عورتوں کو ان کے حقوق دلوانے کی باتیں۔

پھوپھو ہمیشہ ان لوگوں سے فون پر رابطہ رکھا کرتی تھیں۔ کبھی ابو گھر پر ہوتے تو ان سے بات کر لیتے، ورنہ اگر کوئی اور فون اٹینڈ کر کے بعد میں انہیں میسج دیتا تو انہیں کبھی اس بات کے لیے وقت نہیں ملتا تھا کہ انہیں جوابی کال کر لیں۔

وہ شاید اس حد تک مادہ پرست ہو گئے تھے کہ سگی بہن سے ملتے ہوئے بھی ان کے ذہن میں یہ بات رہتی تھی کہ اس سے ملنے میں کیا فائدہ ہے۔ ایک کالج پروفیسر کی بیوی سے ملنے میں نہ امی کو کوئی فائدہ نظر آتا تھا نہ ابو کو، لیکن وہ بھائی سے یقیناً بہت محبت کرتی تھیں، جو کبھی ان کے رویے پر ناراض نہ ہوئی تھیں۔

اسی طرح ہر دوسرے تیسرے مہینے فون کر کے بھائی، بھاوج اور بچوں کی خیریت معلوم کیا کرتی تھیں۔ امی نے انہیں کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی مگر ایک روز جب وہ اپنے اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر کنگلے بیٹے کا رشتہ ان سے مانگ لینے کی جسارت کر بیٹھیں تو امی تو امی خود بجو بھی سخت طیش میں آ گئیں۔ پھوپھو نے فون پر ابو سے رشتے کی بات کی تھی۔

''یہ اچھا شارٹ کٹ نکالا ہے۔ سوچا ہو گا ماموں اتنا مال دار ہے، میرے بیٹے کی تو زندگی بن جائے گی۔ خود کے میاں میں تو کوئی گٹس تھے نہیں۔ ساری زندگی حلال حرام کرتے، پروفیسری کرتے گزار دی۔ اب بھائی سے محبت کا ڈرامہ رچا کر بیٹے کا مستقبل سنوارنے کی تدبیر کی جا رہی ہے''۔

امی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پھوپھو کو ایسی ایسی سنائیں کہ ان کی طبیعت صاف ہو جائے۔ ان کی جرأت کیسے ہوئی ان کی نازوں پلی حسین بیٹی کا اپنے بیٹے کے ساتھ نام بھی لینے کی۔ وہ عاصم بھائی کے کیریر کی شروعات تھی۔ انہوں نے نئی نئی جاب شروع کی تھی، اگرچہ یہ بات کسی اندھے کو بھی نظر آ سکتی تھی کہ ان کے کیریئر کا آغاز ہی بہت شان دار ہے۔ آگے ترقی اور کامیابی کے واضح امکانات تھے، مگر غرور اور گھمنڈ کی جو پٹی امی کی آنکھوں پر بندھی تھی، اس نے انہیں یہ بات دیکھنے ہی نہیں دی تھی کہ وہ خود اپنے ہاتھوں ایک ہیرے کو ٹھکرا رہی ہیں۔

پھوپھو کو انکار کر کے امی ابو نے جلال بھائی کا رشتہ قبول کر لیا تھا، وہاں رشتہ طے کرنے میں فائدے ہی

فائدے تھے۔ اپنے سے بھی اونچے خاندان میں بیٹی بیاہ کر انہوں نے اپنی عقل مندی اور بیٹی کی خوش قسمتی پر ناز کیا تھا۔ رشتے سے انکار ہونے پر پھوپھو کو یقیناً دکھ تو ہوا ہو گا، لیکن انہوں نے پھر بھی بھائی سے قطع تعلق نہیں کیا تھا، لیکن اب امی ان سے پہلے سے بھی زیادہ چڑنے لگی تھیں۔ انہیں ایسا لگتا تھا کہ وہ بھائی کی دولت پر نظریں لگائے بیٹھی ہیں اور یہ محبت صرف ڈھکوسلہ ہے۔

ابو جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام دولت انہوں نے اپنی ذہانت اور عقل مندی سے کمائی ہے۔ اب اپنی تمام تر ذہانت اور عقل مندی کے باوجود وہ اسے ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ جس کام میں اپنی طرف سے خوب سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالتے، اسی میں انہیں بھاری نقصان ہوتا۔ وہ بہت پریشان اور اُلجھے ہوئے رہنے لگے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہیں کوئی [illegible] ہے۔ تقدیر کی مہربان پری ان سے روٹھ گئی تھی جو لوگ ان سے تعلقات بڑھانے اور کاروباری معاملات نے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے، آہستہ آہستہ ان سے کھنچنے لگے تھے۔ دوستوں کا رویہ تبدیل ہونے لگا تھا۔

اپنے آفس ہی میں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اتنا شدید کہ وہ اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ اس روز بھی انہوں نے اپنے نقصان کی خبر سنی تھی۔ ان کا پہلے ہی سے پریشان اور فکروں میں ڈوبا دل اس خبر کو برداشت نہیں کر پایا تھا۔ خود کو اس مالی بحران سے نکالنے اور کاروبار کو سنبھالا دینے کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں سے مختلف شکلوں میں بے تحاشا قرض لے رکھا تھا۔ ان کی زندگی میں تو وہ لوگ اس بات سے آگاہ نہیں تھے مگر ان کے مرنے کے بعد جب یہ ہولناک خبر ان لوگوں کو ملی تو ابو کا غم بھول کر وہ لوگ اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ اب ہو گا کیا۔

ان کی سب پراپرٹی، سارا بینک بیلنس سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ بہت ساری جائیداد جو اتنے سالوں میں انہوں نے بڑی محبت سے بنائی تھی، سب فروخت کرنی پڑ گئی تھی۔ صرف وہ گھر جس میں وہ لوگ رہتے تھے، بکنے سے رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا، اب ان لوگوں کو زندگی نئے سرے سے شروع کرنی پڑے گی۔

وہ ان دنوں اپنے آخری سمسٹر میں مصروف تھی۔ امی کی ساری سوشل ایکٹویٹیز، فنکشنز، لوگوں سے میل جول، سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دِن کمرے میں چپ چاپ پڑی رہتی تھیں۔ عادل اور شہود بھی اُداس اُداس اور خاموش رہنے لگے تھے۔ جلال بھائی کا رویہ تو ابو کی زندگی ہی میں بہت بدل گیا تھا۔ وہ بھی ابو اور امی کی طرح رشتہ داری میں بھی فائدہ نقصان ذہن میں رکھا کرتے تھے۔ اب سسرال سے کوئی فائدہ ملنے کی اُمید نہیں تھی، اس لیے وہ ان لوگوں کے ہاں زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

امتحانوں سے فارغ ہوتے ہی اسے جاب مل گئی تھی، جتنی اس کی سیلری تھی، اتنے پیسوں کی ابو کی زندگی میں وہ ڈھنگ کی شاپنگ تک نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے مہینے جب اپنی بے حد معمولی مگر بڑی محنت سے کمائی ہوئی تنخواہ اس کے ہاتھ میں آئی تو خوشی کے ساتھ ساتھ اسے ایک عجیب سا احساس بھی ہوا۔ اتنے پیسے تو امی بڑے آرام سے بیوٹی پالر میں خرچ کر آیا کرتی تھیں۔ جتنے پیسوں میں آج ان کی بیٹی کو نوکری ملی تھی۔ آخر وہ بھی تو اسی گھر اور اسی ماحول کا حصہ تھی۔ اس نے بھی تو یہیں پرورش پائی تھی، پھر آخر اسے ہی صرف ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ یہ ان لوگوں کے بڑے بولوں کی سزا ہے۔ امی کی اپنے سے کم تر کو حقیر سمجھنے کی سزا ہے۔

☆

اسے پھوپھو کے گھر رہتے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ ثمین کے علاوہ یہاں سب کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا۔ داؤد گو اس کے ساتھ بہت زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا۔ اکثر کھانے کی میز یا آتے جاتے اس پر نظر پڑنے پر سلام دعا کر کے ''کیسی ہو؟''، ''جاب کیسی چل رہی ہے؟'' جیسے رسمی جملے بول دیا کرتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے آپ کسی مہمان کے ساتھ رسمی طور پر اخلاق برتتے ہیں۔

اس سے براہِ راست کچھ کہے بغیر بھی ثمین نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ اس سے سخت نفرت کرتی ہے اور اس سے بات کرنا، اس کے ساتھ بیٹھنا اسے کچھ بھی پسند نہیں ہے۔ چند ابتدائی کوششوں کے بعد وہ خود بھی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اسے ثمین کے رویے پر دُکھ ہوتا تھا، وہ اسے اس رویے کے لیے حق بجانب بھی سمجھتی تھی۔

پھوپھو کے اپنے سسرالی رشتہ داروں سے مثالی تعلقات تھے۔ ان کی نندیں، دیور سب ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ہر کام کرنے سے پہلے ان سے مشورہ کرنا پسند کرتے تھے۔ ان کی رائے اور ان کا مشورہ سب کے لیے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ بھابھی خود پھوپھو کی نند کی بیٹی تھیں اور شادی کے اتنے برسوں بعد، رشتے کے نوعیت تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی بھابھی کے میکے والوں سے پھوپھو کے تعلقات اتنے ہی اچھے تھے، جتنا اس رشتہ سے پہلے تھے۔ کسی کے گھر میں کوئی مسئلہ، کوئی پریشانی ہوتی تو وہ پھوپھو کے پاس یوں دوڑتا ہوا آتا جیسے کوئی بچہ پریشانی میں ماں کو تلاش کرتا ہوا آتا ہے۔ ان سب کزنز کی بھی آپس میں بہت اچھی دوستی تھی۔

ثمین جس کے چہرے پر اس کے لیے ہلکی سی دوستانہ مُسکراہٹ بھی نہیں آتی تھی۔ اپنی کزنز کے ساتھ بلند بانگ قہقہے لگاتی تھی۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پھوپھو کے دیور کا گھر ان سے اگلے ہی بلاک میں تھا۔ ان لوگوں کا ایک دوسرے کے گھر بہت زیادہ آنا جانا تھا۔ اس روز ثمین اپنی دونوں کزنز کے ساتھ لان میں بیٹھی باتیں کرتی ہوئی سموسوں اور چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ چھٹی کا دن تھا۔ بالکل فارغ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتی وہ بے تحاشا بور ہو رہی تھی۔ گلاس ڈور سے اس پار لان میں باتیں کرتی وہ لوگ اسے صاف نظر آ رہی تھیں۔ زندہ دلی سے ہنستی، قہقہے لگاتی اس نے یونہی اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ان لوگوں کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ اسے ان خوش باش ہنستی کھلکھلاتی لڑکیوں کو دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔

اس کا بھی جی چاہا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھے مگر یہ صرف لمحہ بھر کی سوچ تھی۔ ثمین کا اجنبی سا انداز ذہن میں آیا تو اس نے فوراً سر جھٹک کر نظریں دوبارہ ٹی وی کی طرف کر لی تھیں۔ ''کیا بات ہے دانیا! تم اکیلی کیوں بیٹھی ہو''۔ عاصم بھائی، بھابھی اور بچے کہیں باہر سے گھوم پھر کر واپس آئے تھے۔ چلتے وقت اخلاقاً انہوں نے اس سے بھی چلنے کو کہا تھا، مگر اس نے تھکن کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی تھی۔

''ہاں۔ باہر وہ ثمین، ندا اور سحر بیٹھی ہیں۔ تم ان کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھیں۔ اکیلے بور نہیں ہو رہیں''۔ بھابھی نے بھی محبت سے اس سے کہا۔

''اصل میں یہ پروگرام بڑا زبردست آ رہا ہے۔ اسے انجوائے کرتے ہوئے مجھے بور ہونے کا وقت ہی نہیں ملا''۔

اس سے یہ بات کہی نہیں جا سکی تھی کہ ثمین نے اسے باہر بلایا ہی نہیں تھا، لیکن عاصم بھائی نے بڑی سنجیدگی سے اس کی بات سنی۔ بہت غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے، وہ شاید کوئی بات اخذ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظروں

سے کنفیوژ ہو کر وہ انہیں اس ٹی وی پروگرام کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

وہ رات کو اپنے اگلے دن پہننے والے کپڑے استری کر کے واپس لاؤنج میں آئی تو پھوپھو ثمین کو ڈانٹ رہی تھیں۔ عاصم بھائی اور داؤد بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔

''آپ محبت نچھاور کریں اپنی لاڈلی بھتیجی پر۔ میں ایسے رشتے داروں کو دور سے سلام کرتی ہوں''۔

پتا نہیں اس سے پہلے پھوپھو نے اس سے کیا کہا تھا، جس کے جواب میں اس نے بہت چڑچڑے انداز میں کہا۔

''جو بھی ہے، وہ ہمارے گھر مہمان ہے۔ میں کئی دنوں سے تمہیں اس حوالے سے ٹوکنا چاہ رہا تھا۔ آج وہ جس طرح اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، مجھے بہت بُرا لگا''۔ عاصم بھائی نے بہن کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''ہماری امی ہی کافی تھیں، سارے جگ پر محبتیں نچھاور کرنے کے لیے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے بھیا! زہر لگتی ہے مجھے ماموں کی ساری فیملی۔ اپنا مطلب پڑا تو رشتہ داری یاد آ گئی، ورنہ کبھی پلٹ کر بہن کو پوچھا تک نہیں تھا۔ یہ بھی تو ممانی ہی کی بیٹی ہے۔ اپنی اماں اور بہن صاحبہ سے کیا مختلف ہو گی''۔

ثمین نے بڑی خفگی سے ان کی بات کا جواب دیا۔ وہ چپ چاپ آ کر سونے لیٹ گئی تھی۔

اسے ثمین کی اپنے لیے نفرت بہت بُری اور تکلیف دہ لگی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ میں ایسی نہیں ہوں جیسا تم سمجھ رہی ہو، لیکن اسے یہ بات بتا نہیں سکتی تھی۔

☆

صبح وہ معمول کے انداز میں ہی جلدی جلدی تیار ہو کر بھابھی کے پاس کچن میں آ گئی۔

''مجھے بتائیں، کیا کام رہ گیا ہے۔'' اس نے کچن میں آتے ہی بھابھی کو مخاطب کیا۔ جو شارم کو دودھ پینے کے لیے بڑی مشکلوں سے راضی کر رہی تھیں۔ شارم اور میرال دونوں کچن ٹیبل پر ہی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ بھابھی نے بڑے تشکرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شکر ہے تم آ گئیں۔ داؤد کو آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ ذرا جلدی سے یہ آملیٹ فرائی کر کے اسے دے آؤ''۔ وہ سرہلاتی ہوئی کوکنگ رینج کی طرف مڑی تھی۔ چولہے پر فرائنگ پین رکھ کر اس نے جلدی جلدی آملیٹ تیار کیا تھا۔ بڑی احتیاط کے باوجود بھی اس سے اس شکل صورت کا آملیٹ نہیں بن سکا تھا، جیسا بھابھی بناتی تھیں۔ وہ اس کی شکل وصورت پر غور کرتی پلیٹ اُٹھا کر ڈائننگ روم میں آئی۔

اخبار پڑھتے داؤد کے سامنے اس نے پلیٹ رکھی تو بھابھی کے بجائے اسے اپنی خدمت کرتا دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے چونکا۔ وہ پلیٹ رکھتے ہی فوراً واپس پلٹ گئی۔ کچن کے دروازے پر رُکی، وہ داؤد کو آملیٹ کی طرف حیرت سے دیکھتا دیکھ رہی تھی۔ روزانہ سے مختلف شکل والا یہ آملیٹ اسے یقیناً حیران کر رہا تھا، لیکن بس اس نے ایک لمحہ ہی کے لیے اسے حیرت سے دیکھا تھا، پھر اس کے بعد وہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

☆

ثمین نے اس کے ساتھ اپنے رویے میں قدرے تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ بہت پُرتکلف انداز میں وہ اس کے ساتھ تھوڑی، بہت بات چیت کرنے لگی تھی مگر اس کے چہرے پر بیزاری اور جھنجھلاہٹ صاف نظر آیا کرتی تھی۔ اس روز وہ

آفس سے واپس آئی تو ثمین کو کچن میں دل و جان سے مصروف دیکھ کر چونک گئی۔ کچن میں نظر آتا پھیلاوا اور ثمین کی مصروفیت یہ ظاہر کر رہے تھے کہ شاید گھر میں کوئی دعوت ہے۔

''بہت شاندار دعوتی اہتمام ہو رہا ہے'' وہ کپڑے بدل کر پھوپھو کے پاس ہی آ کر لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

''بس یہ ان بچوں کے شوق ہیں۔ آج کالج بھی نہیں گئی ثمین، صبح سے کچن میں لگی ہے۔ میرے اور ردا کے کچن میں داخلے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ پتا نہیں شمیم کو ساتھ لگائے کیا پکا رہی ہے'' انہوں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''آپ نے اب تک کپڑے بھی نہیں بدلے'' ثمین کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھی۔

''ارے ہٹاؤ بھی۔ اب اس عمر میں کوئی یہ چونچلے اچھے لگتے ہیں۔ سالگرہ بچوں کی منائی جاتی ہے یا بڈھوں کی۔ ٹھیک ہیں یہی کپڑے'' انہوں نے بیٹی کی فرمائش کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ جو بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سالگرہ کے ذکر پر خود ہی بات سمجھ گئی۔

''پلیز امی! میں نے کپڑے استری کر کے آپ کے کمرے میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کی خاطر ہی تیار ہو جائیں'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

ابھی ان دونوں کے درمیان یہ بحث ہو ہی رہی تھی کہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر داؤد اندر آیا۔ بہت سے شاپنگ بیگز ہاتھوں میں پکڑے، خوب لدا پھندا۔

''سنبھالو انہیں'' اس نے ثمین کو سارے تھیلے پکڑائے تھے۔ وہ کھڑے کھڑے ہی تمام تھیلے چیک کرنے لگی۔

''شکر ہے آپ کیک لے آئے داؤد بھائی! میں یہی سوچ رہی تھی کہ آج تو میں نے بھی کیک بیک نہیں کیا۔ اگر آپ کیک لانا بھول گئے تو مزہ آ جائے گا'' ثمین نے گویا اطمینان کا سانس لیا تھا۔

''کیک لانا تو میں بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ بڑی یاد سے صبح ہی آرڈر کرتا ہوا گیا تھا۔ پچھلی بار جو تم نے شان دار قسم کا کیک بنایا تھا، اسے کاٹنے کے لیے سب آری ڈھونڈ رہے تھے، اس کے بعد تو میں کسی بھی طرح کا رسک لے ہی نہیں سکتا تھا''۔

وہ ثمین کو چڑاتا ہوا پھوپھو کے برابر ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ موبائل ایک طرف ڈالتے ہوئے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی۔ ''یہ سب بعد میں دیکھ لینا۔ پہلے مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ آفس سے تھکا ہارا بازاروں میں خوار ہوتا ہوا آ رہا ہوں''۔

اس نے سامان کا جائزہ لیتی ثمین کو ٹوکا تو وہ سب چیزیں ہاتھوں میں اٹھائے واپس کچن میں چلی گئی۔ اور بہت خاموشی سے داؤد کو پانی لا کر دیا۔ اسی دوران سیڑھیاں اترتی بھابھی بھی اسے نظر آ گئیں۔ بہت خوب صورت بلیک کلر کی ساڑھی پہنے وہ خوب بجی سنوری اور پیاری لگ رہی تھیں۔

''کیا مزے دار اور دلچسپ اتفاق ہے کہ ہم لوگوں کی ویڈنگ اینورسری ایک ہی دن ہوتی ہے''۔

''سوئیٹ بھابھی جان! یہ اتنا زیادہ اتفاقیہ واقعہ بھی نہیں ہے۔ آپ لوگوں کی شادی کی وہی ڈیٹ رکھنے میں جو امی، پاپا کی بھی شادی کی تاریخ تھی۔ میرے خیال سے پاپا کی اس سوچ کا زیادہ دخل تھا کہ میرے بیٹے کی شادی شدہ زندگی بھی اتنی ہی اچھی اور کامیاب گزرے جتنی میری گزری''۔

داؤد نے بھابھی کی بات کا جواب بڑے شرارتی سے انداز میں دیا۔ آپس میں بات چیت کرتے ہوئے وہ لوگ عاصم بھائی کا انتظار کر رہے تھے، جن کے آفس سے آنے پر سالگرہ منائی جانی تھی۔ اسے ثمین پر شدید قسم کا غصہ آ رہا تھا۔ لاکھ وہ اسے ناپسند کرتی ہے، مگر اسے کم از کم یہ بات تو دانیا کو بتا دینی چاہیے تھی کہ آج پھوپھو اور انکل اور عاصم بھائی اور بھابھی کی شادی کی سالگرہ ہے۔ وہ ان کے گھر کی فرد نہیں، مگر فی الحال تو وہ ان ہی کے گھر میں رہ رہی ہے۔ اسے بے تحاشا انسلٹ کا احساس ہوا تھا۔

اسے ایسا لگا وہ ان سب سے الگ ہے۔ وہ بالکل پرائی اور غیر۔ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے۔ اپنی یہاں موجودگی اسے بڑی بے معنی اور فضول لگ رہی تھی۔

''ہر سال یہ لوگ اس طرح امی پاپا کو اور مجھے اور عاصم کو سرپرائز دیتے ہیں۔ ایک ایسا سرپرائز جو اتنا زیادہ سرپرائز بھی نہیں ہوتا۔ پتا ہوتا ہے ہمیں کہ کچھ نہ کچھ خفیہ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کھانے کے لیے مینو سوچا جا رہا ہے۔ چھپ چھپ کر تحفے خریدے اور پیک کیے جا رہے ہیں'' بھابھی مسکراتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ گئیں۔ اس کا ان کی بات کے جواب میں کچھ بھی بولنے کا دل نہیں چاہا۔ وہ رسمی سے انداز میں مسکرائی تک نہیں۔

بھابھی نے اس کی خاموشی پر کچھ چونک کر بغور اس کی طرف دیکھا۔ انہیں ایک دم احساس ہوا تھا کہ وہ بہت زیادہ چپ بیٹھی ہوئی ہے۔

''تمہیں کیا ثمین نے بتایا نہیں تھا؟'' انہوں نے آہستگی سے پوچھا

سامنے بیٹھی پھوپھو جو اس سالگرہ کے سارے اہتمام کو ایک بچکانہ بات سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔ وہ بھی بے ساختہ بھتیجی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ثمین پر بہت زیادہ غصے کے باوجود وہ اس وقت اپنی وجہ سے وہاں کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھوپھو اور باقی تمام افراد اس بات پر یقیناً ثمین کو بہت کچھ کہتے۔ خوشی کی تقریب میں اس کی وجہ سے ٹینشن اور بدمزگی پیدا ہو، یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے بہت خوش خوش لاؤنج میں آئی اور اپنے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھی ثمین کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر جواباً بولی۔

''اس وقت بیٹھی میں اسی بات کا تو افسوس کر رہی ہوں۔ پتا نہیں میری یادداشت اتنی خراب کیوں ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے اب مجھے نہار منہ بادام کھانے شروع کر دینے چاہئیں۔ ابھی گھر واپس آ کر سارا اہتمام دیکھ کر بھی مجھے یاد نہیں آیا کہ آج کیا دن ہے

حالانکہ پچھلے ہفتہ ثمین نے مجھے بتایا تھا کہ 16th کو آپ لوگوں کی شادی کی سالگرہ ہے اور شرمندہ ہو رہی ہوں کہ آفس سے جلدی آ جاتی کچھ ثمین کی ہیلپ ہی کرا دیتی۔ بے چاری اکیلی کاموں میں لگی رہی''۔

ثمین کا چہرہ جو اس کے جواب سے پہلے بالکل فق ہو گیا تھا، ایک دم نارمل ہو گیا۔ اس نے اتنے مضبوط لہجے میں جھوٹ بولا تھا کہ اس پر جھوٹے ہونے کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاتھ ملتی وہ بہت ہی متاسفانہ انداز میں اپنی یادداشت کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

''چھوڑو بھی یہ کون سی ایسی خاص تقریب ہے، جس کے یاد نہ رکھے جانے پر افسوس ہو۔ میں تو ان لوگوں سے کہتی ہوں کہ بس عاصم اور ردا کی شادی کی سالگرہ منائی جانی کافی ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ ہم بڑھیا بڈھے کو بھی

گھسیٹ لیتے ہیں''۔ پھوپھو سے بھتیجی کا افسوس زیادہ دیر تک برداشت نہیں ہوا۔ ثمین اس سے نظریں چرائے بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

داؤد جو بڑی دیر سے لاپروائی سے بیٹھا شارم سے باتیں کر رہا تھا۔ اپنی گفتگو موقوف کر کے اس نے بہت غور سے اسے اور پھر ثمین کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی ایک نظر کے بعد کسی بھی طرح ردِعمل ظاہر کیے بغیر وہ دوبارہ شارم کے ساتھ کھیلنے لگا۔ اسے گدگدا کر ہنساتا، وہ بھتیجے کے ساتھ مگن تھا جبکہ بھابھی، پھوپھو کے اس دن کی مخالفت میں دیئے جانے والے کمنٹس سے اختلاف کر رہی تھیں۔

''آخر حرج کیا ہے امی اس بات میں۔ ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں تو زندگی کا حُسن ہے۔ بڑی خوشیاں تو زندگی میں بہت کم کم اور بہت دنوں میں آتی ہیں۔ کیا یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ جن لوگوں کے ساتھ آپ زندگی گزار رہے ہیں وہ وقتاً فوقتاً آپ کو اپنی محبت کا احساس دِلاتے رہیں۔ یہ بتاتے رہیں کہ آپ کا وجود ان کے لیے بہت اہم ہے۔''
پھوپھو، بھابھی کی بات پر تائیدی انداز میں مُسکرا دیں۔ یوں جیسے ان کی بات سے سو فیصد متفق ہو گئی ہوں۔
عاصم بھائی کو آتا دیکھ کر ثمین جلدی سے سجی ہوئی ڈائننگ ٹیبل کو فائنل ٹچز دینے کے لیے اُٹھی تھی۔ کچھ دیر پہلے کیونکہ وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کر چکی تھی کہ اس نے ثمین کی اس سارے اہتمام میں کوئی مدد نہیں کروائی، اسی لیے اپنی بات نبھانے کے لیے خود بھی اُٹھ کر اس کے پاس ڈائننگ روم میں آ گئی تھی۔ ثمین بہت شرمندہ سی نظر آ رہی تھی، وہ بغیر کچھ جتائے اس کی مدد کروانے لگی تھی۔

سب کے ساتھ مل کر اس گھریلو سی تقریب میں شرکت کرتی وہ خود کو اس ماحول کا حصہ ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی، ورنہ درحقیقت اس کا دل یہاں سے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔
آئی ایم سوری دانیا! مجھے آپ کو یہ بات بتا دینی چاہیے تھے''۔ وہ سونے کے لیے لیٹ ہی رہی تھی، جب ثمین اس کے کمرے میں آئی۔

وہ آج کی بات پر ثمین سے بہت بُری طرح متنفر ہو گئی تھی۔ اسے اس لڑکی پر بے پناہ غصہ تھا، لیکن اس وقت جس طرح وہ شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر اسے بے ساختہ اس بات کا احساس ہوا کہ بظاہر بدتمیز اور بداخلاق نظر آنے والی یہ لڑکی اصل میں ایسی نہیں۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی، اپنے رویے پر شرمندگی تھی، اس کے بڑے پن کا اعتراف تھا۔

''آپ نے میری بدتمیزی کو اتنے بڑے پن سے نبھایا۔ سب کے سامنے جھوٹ بول کر میری بداخلاقی پر پردہ ڈالا۔ اگر امی اور پاپا کو اصل بات پتا چل جاتی تو وہ مجھ پر بہت ناراض ہوتے۔ سب کا موڈ خراب ہوتا اور تقریب کا سارا مزہ ہی ختم ہو جاتا''۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔ سر جھکائے وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔
''چلو کوئی بات نہیں، میں نے تمہیں معاف کیا۔ تم بھی کیا یاد کرو گی، لیکن اب میں اتنی اچھی بھی نہیں ہوں۔ تھوڑی بہت پینلٹی تو تمہیں دینی ہی پڑے گی۔ اکیلے شاپنگ کرنے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں۔ اب کل تم ہی مجھے بازار لے کر چلو گی تاکہ میں پھوپھو اور انکل اور عاصم بھائی اور بھابھی کے لیے گفٹس خرید سکوں۔ کل میرا آف ڈے ہو گا۔ تم لنچ کے بعد تیار رہنا۔ کھانا کھاتے ہی ہم بازار چلیں گے''۔ ثمین نے بڑی بہنوں والے اس کے انداز پر بڑے متعجب سے انداز

میں اس کی طرف دیکھا۔
''ٹھیک ہے نا''۔ اس کی طرف دیکھتے اس نے تصدیق چاہی تو ثمین نے گردن ہلا دی۔
''آپ بہت اچھی ہے دانیا! میں آپ کو بالکل غلط سمجھتی تھی''۔
''ہم اکثر لوگوں کو غلط ہی سمجھتے ہیں۔ دراصل لوگوں کو سمجھنا ہے ہی بہت مشکل کام۔ اتنا مشکل کہ میرا خیال ہے اس سبجیکٹ میں بھی یونیورسٹیز میں کوئی ڈگری پروگرام شروع ہونا چاہیے''۔ وہ بے تکلفی سے کہتے ہوئے مُسکرائی۔ ثمین بھی اتنی دیر میں پہلی مرتبہ مُسکرائی۔
''ویسے چھوٹا بننے والے کوئی مسئلے مجھے لاحق نہیں ہیں۔ تم چاہو تو بڑی خوشی سے مجھے آپی، باجی جو چاہے کہہ سکتی ہو۔ میں ہرگز برا نہیں مانوں گی''۔
وہ شرارتی سے انداز میں مُسکرائی۔ ثمین اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''اکثر لوگ برا مان جاتے ہیں ناں۔ اس لیے میں تو کوشش کرتی ہوں کہ اپنے سے بڑی کسی خاتون کو آنٹی، باجی کہے بغیر صرف آپ جناب سے ہی کام چلا لوں''۔ وہ بے تکلفانہ انداز میں اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔

☆

عاصم بھائی، بھابھی اور بچے گھومنے کے لیے ہانگ کانگ اور بنکاک گئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد گھر میں بہت خاموشی اور اُداسی سی محسوس ہو رہی تھی اسے۔ بچوں کے ہونے سے گھر میں خوب شور شرابا اور ہنگامہ رہا کرتا تھا۔ اب ان کے بغیر بڑی خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔
''بھیا لوگوں کے جانے سے بڑی بوریت ہو رہی ہے ناں''۔ رات کے کھانے کے بعد وہ اور ثمین لان میں واک کرتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ اس نے گردن ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔
''چلو یار سونا نہیں ہے''۔ ثمین کا اندر جانے کا موڈ نہ دیکھ کر اس نے خود ہی اسے ٹوکا۔ وہ اس کے جمائی لینے اور اندر جانے کی بات پر چڑ گئی تھی۔
''آج تو ویک اینڈ ہے۔ آج بھی آپ جلدی سوئیں گی''۔ وہ اس کے جلدی سونے کی عادت پر ناراض نظر آ رہی تھی۔

''سونے کو تھوڑی کہہ رہی ہوں۔ اندر چلتے ہیں۔ کمرے میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھیں گے اور ساتھ باتیں کریں گے''۔ وہ اس کی ناراضی کے خیال سے سونے کا خیال ملتوی کر گئی اور ثمین کے ساتھ اس کے کمرے ہی میں آ گئی۔ ثمین کا غالباً خوب دیر تک جاگنے کا موڈ تھا، اسی لیے بڑے اہتمام سے کافی بنا کر اور پلیٹ میں ڈھیر سارے چپس رکھ کر کمرے میں آ گئی۔ دھڑا دھڑ چپس کھاتی وہ دونوں مختلف چینلز بدل بدل کر کبھی کوئی پروگرام دیکھنے لگیں تو کبھی کوئی۔
''یہ فلم اچھی لگ رہی ہے''۔ کوئی انگلش مووی تھی۔ اسکرین پر نظر آتا ہینڈسم سا بندہ دیکھ کر ہی ثمین نے فلم کے اچھا ہونے کی پیشن گوئی کر دی تھی۔
''فلم اچھی نہیں ہے۔ یہ کہو تمہیں ہیرو اچھا لگ رہا ہے''۔ دانیا نے اسے چھیڑا۔
''یہ تو مجھے کوئی ہارر مووی لگ رہی ہے۔ چینل چینج کرو ثمین''۔ رات کا وقت، سنسان جنگل اور وہاں ایک اکیلی

خوف زدہ لڑکی اسے اگلے سین میں نظر آئی تو بے ساختہ ثمین کو چینل تبدیل کرنے کے لیے کہا تھا۔

"نہیں۔ ہارر تو نہیں لگ رہی۔ میرا خیال ہے کچھ Detective اور سسپنس ٹائپ کی مووی ہے"۔ ثمین کی ساری دلچسپی اس سین میں تھی۔

وہ تنہا لڑکی درختوں اور جھاڑیوں میں اُلجھتی پتا نہیں کس چیز سے بھاگ رہی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک آدمی کے صرف پیر بھی دکھائے جا رہے تھے۔ لانگ شوز پہنا، وہ آدمی جیسے اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ صرف ہلکی سی پیروں کی جھلک۔ اس کے پیروں تلے آ کر پتوں کی چڑچڑاہٹ تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ ثمین کو ٹوکنے کے باوجود وہ خود بھی اسکرین ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ڈر تو لگ رہا تھا، مگر ایک تجسس سا بھی محسوس ہو رہا تھا۔ آگے کیا ہوگا۔ ہوتے ہوتے وہ آدمی اس لڑکی کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اس ویران سے جنگل میں اندھا دھند بھاگتے اس لڑکی کو ایک پرانا کھنڈر نما مکان نظر آیا تو وہ خود کو بچانے کے لیے اس میں گھس گئی۔ بہت بڑا حویلی نما مکان۔ وہ مکان کا مرکزی دروازہ مضبوطی سے بند کر کے سیڑھیاں چڑھتی، تیزی سے ایک کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ چٹخنی لگا کر جیسے ہی وہ مڑی تو اس کے بالکل پیچھے ایک بہت لمبا چوڑا آدمی کھڑا ہوا تھا۔ پورے چہرے کو ہیٹ سے ڈھانپے ہوئے، لمبا سا اوورکوٹ پہنے ہوئے۔ اِدھر فلم میں اس لڑکی کے منہ سے چیخ نکلی تھی، اُدھر اس کے پلٹنے پر اس آدمی کو کھڑا دیکھ کر ان دونوں کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ ثمین کے نزدیک ہو گئی تھی۔ اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹالی تھیں، لیکن کانوں میں تو ساری آوازیں آ رہی تھیں۔ اس لڑکی کی چیخیں، اس آدمی کے بے ہنگم قہقہے۔

"کیا ہوا مر گئی جولی؟" کچھ دیر بعد اس نے ثمین سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، مر گئی ہے"۔ اس نے "خیال" کے لفظ پر ثمین کی طرف چونک کر دیکھا تو پتا چلا کہ وہ محترمہ بھی اسکرین سے نظریں ہٹائے صرف آوازوں پر کان لگائے بیٹھی ہیں۔

ڈرتے ڈرتے ان دونوں نے اسکرین کی طرف دیکھا تو وہ آدمی جولی کی لاش کو گھسیٹتا ہوا نظر آیا۔ جس کمرے میں وہ جولی کو لایا تھا۔ اس کمرے میں ڈھیر ساری انسانی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ درمیان میں رکھی چپس کی پلیٹ ہٹاتے ہوئے ثمین اس سے بالکل چپک کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ بالکل جڑ کر بیٹھی وہ ہینڈسم ہیرو کو جولی کا سر تن سے الگ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ اس کا سر الگ کر کے اس نے ہاتھوں میں لیا اور اس میں سے بہتا ہوا خون دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگا۔

اگلا سین بالکل نارمل تھا۔ وہ ہینڈسم ہیرو جو یونیورسٹی میں لیکچرر تھا، کلاس روم میں اپنے اسٹوڈنٹس کو لیکچر دیتا نظر آیا تھا۔ کلاس روم میں داخل ہوتی ایک نئی اسٹوڈنٹ کو دیکھ کر ایک پل کے لیے اس کے چہرے پر شیطانی مُسکراہٹ اُبھری تھی۔

"میرا خیال ہے، یہ اسی طرح چن چن کر خوب صورت لڑکیوں کو مارتا ہے۔ دیکھو باقی بھی تو کلاس میں کتنی اور لڑکیاں ہیں، وہ کسی کو اس انداز سے نہیں دیکھ رہا۔ آگے فلم میں بتائیں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے، لیکن بہر حال بات یہی ہے۔ جولی بھی تو کتنی خوب صورت تھی"۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔

ثمین نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

اسی طرح ڈرتے اور ہر خوفناک سین پر اسکرین سے نظریں ہٹاتے ان دونوں نے پوری فلم دیکھی تھی۔ فلم ختم ہونے پر ٹی وی بند کر کے ثمین بیڈ کی طرف واپس آئی تو وہ ہنوز بیڈ پر جمی بیٹھی تھی۔

"ثمین! آج میں یہیں سو جاؤں"۔ یہ بات کہتے ہوئے اسے شرمندگی تو بہت ہو رہی تھی۔

"میں خود آپ سے یہی کہنے والی تھی دانیا آپی"۔ ثمین کی بات نے اس کی شرمندگی زائل کر دی تھی۔ بغیر لائٹ بند کیے وہ دونوں سونے کے لیے لیٹ گئیں۔

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے ثمین!" کچھ دیر بعد اپنے برابر لیٹی ثمین کو اس نے آواز دی۔

"بہت زیادہ۔ جیسے ہی آنکھیں بند کر رہی ہوں۔ ڈھیر ساری کھوپڑیاں نظر آنے لگتی ہیں"۔ ثمین نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

ساری رات یونہی ڈرتے اور سوتی جاگتی کیفیت میں گزر گئی تھی۔

پھوپھو فجر کی نماز کے لیے ثمین کو اُٹھانے آئیں تو ان دونوں کو ایک ساتھ اور وہ بھی لائٹ جلائے سوتا دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔ اس وقت تو وہ بغیر کچھ پوچھے صرف اُٹھا کر چلی گئیں، لیکن بعد میں کچن میں ناشتے کی تیاری کے دوران انہوں نے ان دونوں سے اس بارے میں پوچھا۔

پھوپھو نے ان دونوں کو مشترکہ ڈانٹ پلائی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ثمین اپنے شام میں پہننے والوں کپڑوں اور جیولری وغیرہ کے چکر میں لگ گئی تھی۔ آج اس کی بیسٹ فرینڈ کی منگنی تھی۔ دوپہر کے کھانے سے بھی پہلے وہ داؤد کے ساتھ اپنی دوست کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کا رات میں وہیں رُکنے کا ارادہ تھا۔

ثمین کے جانے کے بعد گھر میں مزید خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ پھوپھو کے ساتھ باتیں کرتی چھٹی کا دن گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ لوگ شام کی چائے پی رہے تھے، جب حیدرآباد سے انکل کے ایک عزیز کے انتقال کی خبر آئی۔ بہت افراتفری میں پھوپھو اور انکل حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ رات میں کھانے کی میز پر صرف وہ اور داؤد تھے۔ آپس میں ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کھانا کھایا۔

"کافی لاؤں آپ کے لیے؟" ثمین روز رات میں داؤد کو کافی بنا کر دیا کرتی تھی۔ آج وہ نہیں تھی تو اس نے اخلاقاً داؤد سے پوچھا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو پلیز"۔ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے داؤد نے اسے جواب دیا۔ وہ کافی بنا کر لائی تو داؤد اس کے ہاتھ سے کپ لے کر شکریہ کہتا ہوا صوفے پر سے اُٹھ گیا تھا۔

"بہت دنوں سے اپنی میلز نہیں دیکھیں میں نے۔ اس وقت فرصت ہے، میرا خیال ہے یہ کام کر ہی ڈالوں"۔ وہ اپنے یوں اُٹھ جانے کی وجہ بتاتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

لائٹ آف کرنے کے ساتھ ہی اسے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا۔ وہ خوف جو آج دن بھر میں ایک مرتبہ بھی محسوس نہیں ہوا تھا، اس وقت ہو رہا تھا۔ قصداً اپنا دھیان ہر طرف سے ہٹا کر وہ آیت الکرسی پڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ معاً اسے لان میں کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ پتوں کی چڑچڑاہٹ .... وہ بے ساختہ اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک نظر بہت

ڈرتے ڈرتے اس نے اس بند کھڑکی کی طرف ڈالی جو بالکونی میں کھلتی تھی اور جس کے پیچھے لان میں اس وقت پتا نہیں کون تھا۔ اس کا دِل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے برف۔ اچانک کھڑکی بجی تھی، ایسا لگا تھا کہ کوئی کھڑکی کے باہر بالکونی میں کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُٹھی اور دروازہ کھول کر اندھا دھند بھاگتی ہوئی داؤد کے کمرے کی طرف آئی۔ زور زور سے دروازہ پیٹتے ہوئے وہ اسے آواز بھی دے رہی تھی۔

''داؤد! دروازہ کھولیں پلیز''۔ اسے آواز دینے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پیچھے بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ ہر بار پیچھے دیکھنے پر یہی لگتا کہ کوئی اس کے عین سر پر کھڑا شیطانی انداز میں ہنس رہا ہے۔ داؤد شاید سو چکا تھا۔ دروازہ کھول کر نیند سے بوجھل آنکھیں لیے اس نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''کیا ہوا دانیا؟'' اسے یوں متوحش دیکھ کر اس کی نیند بالکل بھاگ گئی تھی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے، گھر میں کوئی گھس آیا ہے۔ میں نے لان میں کسی کے چلنے کی آواز سنی ہے''۔ پسینے میں نہائی تھر تھر کانپتی وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ داؤد اس کی بات سنتے ہی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ وہ خود بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی۔ اسے لاؤنج میں آ کر بے دھڑک دروازہ کھولنے کا ارادہ کرتا دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے پاس آئی۔

اس طرح سے تو ایک دم باہر مت نکلیں، اگر واقعی کوئی ہوا اور اس کے پاس اسلحہ بھی ہوا تو پھر''۔ اس نے داؤد کو ہاتھ پکڑ کر روکا۔

اس نے ایک نظر دانیا کے خوف زدہ چہرے پر ڈالی اور پھر اس کا ہاتھ ہٹاتا ہوا باہر نکل گیا۔ صرف لان کا ہی کیا اچھی طرح ہر طرف کا جائزہ لینے کے بعد وہ واپس اندر آ گیا۔

''کوئی نہیں ہے۔ یونہی تمہیں وہم ہوا ہے''۔ لاؤنج کا دروازہ واپس بند کر کے وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ وہ بھی سست قدموں سے اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

داؤد اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، جبکہ وہ بھی اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ کمرے کا دروازہ کھولتے کھولتے وہ ایک جھرجھری سی لے کر فوراً رُک گئی۔

''وہاں لان میں مجھے کہاں ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں تو یہاں بیٹھا ہوں''۔ اسے ایسا لگا جیسے ہی وہ دروازہ کھولے گی، اسے وہ سامنے ہی ہیٹ سے منہ چھپائے بیڈ پر بیٹھا نظر آئے گا۔ وہ بے ساختگی میں اُلٹے قدموں بھاگتی داؤد کے پاس آئی۔ اسے یوں دوڑ کر اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کمرے میں جاتا جاتا رُک گیا۔

''اب کیا ہوا؟'' اس بار اس کے لہجے میں واضح جھنجھلاہٹ اور کوفت تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' بغیر شرمندہ ہوئے وہ اسے یہ اطلاع دے رہی تھی۔

''کس چیز سے ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھ تو لیا ہے میں نے سب طرف۔ کوئی نہیں ہے، جاؤ آرام سے سو جاؤ شاباش''۔ اس نے بڑی مشکلوں سے اپنے آپ کو بدلحاظ ہونے سے روکا تھا، ورنہ اس کی ان حرکتوں پر اسے ٹھیک ٹھاک غصہ آ رہا تھا۔

''نہیں۔ میں اپنے کمرے میں نہیں جاؤں گی''۔ وہ اس سے پہلے اس کے کمرے میں گھس گئی۔

''مجھے پلیز، یہاں پر بیٹھا رہنے دیں''۔ وہ اس کے چہرے پر نظر آتی برہمی اور ناگواری کو دیکھتے ہوئے التجائیہ لب و لہجہ اختیار کر گئی تھی۔

''آخر تمہیں ڈر لگ کس چیز سے رہا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں نظر آتے آنسو دیکھ کر اس نے اپنے لہجے کی سختی کم کی۔

''مجھے پتا ہے، کہیں پر بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ سب میرا وہم ہے، لیکن پھر بھی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ داؤد لائٹ آن کرتا سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

''اصل میں کل میں نے اور ثمین نے ایک بہت ہی ہارر موڈی دیکھی تھی۔ شاید اسی کا اثر ہے، ابھی تک''۔ بہت شرمندہ سے لہجے میں وہ سر جھکا کر اسے صحیح بات بتانے لگی۔ داؤد نے اس کی بات سن کر شاید منہ ہی منہ میں لاحول ولاقوۃ کہا تھا۔

''ایک سفاک قاتل تھا، اس میں۔ وہ چن چن کر اپنے گرد موجود خوب صورت لڑکیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا کرتا تھا۔ پھر ان کے سر جسم سے الگ کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتا تھا''۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں اسے فلم کی کہانی سنانے لگی تھی۔ انداز کچھ ایسا تھا کہ دیکھو میں بیکار میں نہیں ڈر رہی۔ بڑی معقول وجہ ہے، میرے پاس خوف زدہ ہونے کی۔ وہ جو اتنی دیر سے جھنجھلایا ہوا اور کوفت میں مبتلا، اس کی شکل دیکھ رہا تھا، بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''خوب صورت لڑکیوں کو''۔ اس نے لفظ خوب صورت کو خوب لمبا کھینچا تھا۔ ایسے جیسے اس لفظ کو بہت انجوائے کر رہا ہو۔

''اب اپنے کمرے میں جاتے ہوئے تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ وہ وہاں پہلے سے موجود ہوگا۔ ایک اور خوب صورت لڑکی کو قتل کرنے کے لیے۔ اس کا سر اپنے پاس اسٹاک کرنے کے لیے''۔ وہ ابھی تک با آواز بلند ہنس رہا تھا۔ وہ اس وقت جتنی خوف زدہ تھی، ایسے میں اس کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

''تمہیں ایسا نہیں لگ رہا کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔ دیکھو غور سے''۔ اس کے ہاتھ جیسے کوئی بہت ہی دلچسپ بات لگی تھی۔ وہ اس کے مذاق پر ایک پل کے لیے تو واقعی اس کی طرف غور سے دیکھنے لگی تھی، پھر اس کے چہرے کی شرارتی سی مُسکراہٹ پر نظر پڑی تو بری طرح شرمندہ ہو کر نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

''اچھا تو دانیا ظفر! جو ایک خوب صورت لڑکی ہیں، اس وقت سخت خوف زدہ ہیں۔ ایک انجانے قاتل سے۔ خوب صورت لڑکیوں کی کھوپڑیاں جمع کرنا جس کی ہابی ہے''۔ اس کا انداز سراسر مذاق اُڑانے والا تھا، لیکن اس وقت وہ اس کی کسی بھی بات کا بُرا نہیں مان رہی تھی۔

''اتنے خوف کی حالت میں خود ستائی کا یہ عالم ہے''۔ اس نے داؤد کی سرگوشی نما خود کلامی سنی۔ وہ بیڈ روم فریج میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ چند سیکنڈز بعد وہ پلٹا تو اس کے ہاتھ میں جوس کے دو کین تھے۔

''پی لو۔ پہلے ہی تمہارا خاصا خون خشک ہو چکا ہے''۔ کین کھول کر جوس پیتے ہوئے اس نے گم صُم سی دانیا کو مخاطب کیا۔

''میری وجہ سے آپ کی نیند ڈسٹرب ہو رہی ہے''۔ اسے خود پر سخت غصہ بھی آ رہا تھا، شرمندگی بھی محسوس ہو

رہی تھی، مگر یہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں واپس جانے کے خیال سے ہی اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔

''ہاں۔ نیند تو میری ڈسٹرب ہو رہی ہے، لیکن کیا کریں مجبوری ہے۔ وہاں وہ ظالم اور سفاک قاتل جو انتظار میں بیٹھا ہے، ایک خوب صورت لڑکی کے۔'' اس نے جیسے لفظ خوب صورت کو اس کی چھیڑ بنا لیا تھا۔ اسی ایک لفظ کو لے کر مسلسل اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

وہ اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر خفگی کا اظہار کرتی بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ جوس کا کین خالی کر کے اسے ڈسٹ بن میں پھینکتا ہوا، وہ کمپیوٹر آن کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ انٹرنیٹ کنیکٹ (Connect) کرتا وہ مکمل طور پر مانیٹر کی طرف متوجہ تھا۔

''آپ کو سونا ہے تو سو جائیں'' وہ اس کی وجہ سے سو نہیں پا رہا اور وقت گزارنے کے لیے کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گیا ہے، یہ بات سمجھتے ہوئے وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔ مجھے سونا ہے تو میں سو جاؤں۔ بہت شکریہ، بڑی نوازش۔ آپ کی اتنی کرٹسی اور میری نیند کا خیال کرنے پر'' وہ اس کی طرف سر گھما کر کچھ طنزیہ سے انداز میں بولا اور پھر دوبارہ اپنا رُخ کمپیوٹر کی طرف کر لیا۔

گھڑی دو بجا رہی تھی۔ کتنی دیر تک وہ داؤد کو انٹرنیٹ پر مصروف دیکھتی رہی۔ وقت گزارنا اور صبح کا انتظار کرنا بہت ہی مشکل کام لگ رہا تھا۔ کتنی دیر بعد گھڑی کی طرف دیکھا تو بھی گھڑی کی سوئیاں تھوڑا سا ہی آگے بڑھی تھیں۔

آخر صبح کب ہو گی، دن نکل آئے۔ ہر طرف روشنی پھیل جائے۔ رات ختم ہو گی تو یہ خوف بھی ختم ہو جائے گا۔

کہیں بہت دور سے اذان کی ہلکی سی آواز آنی شروع ہوئی تو اس نے سکون اور طمانیت بھری گہری گہری سانس لی۔

کتنی دیر سے وہ بے دلی سے میگزین کے اوراق پلٹ پلٹ کر وقت کو گزارنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ میگزین بند کر کے رکھتے ہوئے اس نے کمپیوٹر ٹیبل کی طرف دیکھا۔ داؤد ٹیبل پر سر رکھ کر بے خبر سو رہا تھا۔ اپنی وجہ سے اس کی نیند خراب کرنے پر افسوس کرتی، وہ آہستہ سے اُٹھی تھی۔ اس کی نیند نہ ٹوٹے، یہی سوچ کر اس نے اپنی طرف سے بڑی احتیاط سے اور بغیر آواز پیدا کیے دروازہ کھولا، لیکن پھر بھی وہ ایک دم چونک گیا تھا۔ ٹیبل سے سر اُٹھا کر اس نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ایک نگاہ گھڑی پر ڈال کر وہ جلدی سے اُٹھا اور پھر اس سے بھی پہلے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ اسے اپنے سے آگے تیز تیز چلتا ہوا تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر گھسا اور پھر بغور پورے کمرے میں نظریں دوڑانے لگا۔

''خوب صورت لڑکی آپ اندر آ سکتی ہیں۔ یہاں کوئی جن بھوت وغیرہ نہیں پائے جاتے'' وہ دروازہ کھول کر بالکونی میں جھانکتا ہوا با آواز بلند اس سے بولا۔ اس کے ہاتھوں اپنی یہ شامت اس نے خود ہی بلوائی تھی۔

''داؤد پلیز۔'' وہ روہانسی آواز میں چلائی۔ اسے ڈرتا دیکھ کر اس نے ہنستے ہوئے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

☆

عاصم بھائی اور بھابھی واپس آ گئے تو گھر کی ساری رونق بھی واپس آ گئی۔ باقی سب کے ساتھ ساتھ بھابھی،

اس کے لیے بھی تحفے [illegible] ان کے وہ تحفے اس نے بڑی خوشی خوشی قبول کر لیے تھے۔

''پھوپھو! آپ کے گھر میں مجھے ایسا کیوں لگتا ہے، جیسے میں اپنے ہی گھر میں ہوں۔ ذرا سی بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا، حالانکہ آپ لوگوں کا رہن سہن، طور طریقے، سب ہمارے گھر کے رہن سہن سے مختلف ہیں۔ بعض دفعہ تو مجھے ایسا لگتا ہے، یہ میرا ہی گھر ہے۔ میں جیسے ہمیشہ ہی سے یہاں رہتی رہی ہوں'' اس روز وہ پھوپھو سے کہہ بیٹھی تھی۔ وہ اس کی بات سن کر کھل کر مسکرا دیں۔

''یہ تمہارا ہی گھر ہے میری جان'' پھوپھو کا جواب ویسا ہی محبت بھرا تھا، جیسا ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ داؤد کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ وہ اس وقت پھوپھو کے کمرے میں ان کے پاس بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ داؤد پھوپھو کو ان کی دوا دینے آیا تھا۔ دوا پکڑ کر وہ جس سنجیدگی سے آیا تھا، اسی سنجیدگی کے ساتھ فوراً ہی چلا بھی گیا تھا۔

اسے اپنی یہ جذباتی سی باتیں داؤد کے سن لینے پر بہت بُرا محسوس ہوا۔

☆

''یہ رافعہ کیا تم لوگوں کی فرسٹ کزن ہے؟'' اس نے ثمین سے پوچھا۔

''فرسٹ کزن تو نہیں ہے۔ ہے تو کچھ دور کی رشتہ داری۔ مجھے تو سیدھے سادے رشتے ہی مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اتنے دور کے اور اُلجھے ہوئے رشتے تو میرے سر پر سے گزر جاتے ہیں'' ثمین نے اوون آن کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

چھٹی کا دن تھا اور ثمین کا اچانک ہی چکن پیزا بنانے کا موڈ بن گیا تھا۔ وہ بھی اس کی مدد کرانے کچن میں آ گئی تھی۔ کام کرتے کرتے اس نے ثمین سے اس کی صبح سے گھر آئی ہوئی اس کزن کے بارے میں دریافت کیا تھا، جس سے آج وہ پہلی مرتبہ ملی تھی۔

''سی اے کر رہی ہے نا، رافعہ۔ کبھی پڑھائی میں کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو داؤد بھائی سے ہیلپ لینے آ جاتی ہے۔'' ثمین نے اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

صبح گیارہ بجے سے رافعہ ان کے گھر آئی ہوئی تھی اور باقی سب سے خیر خیریت اور تھوڑی سی گفتگو کرنے کے بعد وہ داؤد کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ڈھیر ساری کتابیں اور فائلیں پھیلائے بیٹھی تھی اور اب جبکہ تین بج چکے تھے، تب بھی وہ دونوں اسی طرح مصروف نظر آ رہے تھے۔

''بہت بولڈ اور نڈر قسم کی ہے رافعہ! ہم لوگوں کی طرح کی نہیں ہے'' ثمین مزید گویا ہوئی۔ یہ بات تو ثمین کے بتائے بغیر بھی اس نے محسوس کر لی تھی۔

''ابھی پچھلے دنوں دو لڑکوں نے اس کی گاڑی گن پوائنٹ پر چھین لی تھی۔ اس نے بجائے نروس ہونے یا رونے دھونے کے بڑے سکون سے گاڑی کی چابی انہیں پکڑا دی اور کہا گاڑی بے شک تم لوگ لے جاؤ، مگر اس میں میری کتابیں اور کچھ اہم ڈاکومنٹس وغیرہ ہیں، وہ مجھے نکال لینے دو۔ میں اس کی جگہ ہوتی تو بے ہوش ہی ہو جاتی۔ وہ دونوں بھی اس کی شخصیت کے رعب میں آ گئے اور اسے ڈاکومنٹس وغیرہ نکال لینے دیئے۔ یہ صاحبہ بڑے سکون سے رکشہ میں بیٹھ کر گھر آ گئیں۔ ثمین ہنستے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ پیزا اوون میں رکھے جا چکے تھے، اب وہ دونوں مل کر سارا پھیلاوا

سمیٹ رہی تھیں۔

''بھابھی کا اور میرا مشترکہ خیال ہے کہ وہ داؤد بھائی کو پسند کرتی ہے۔ خود داؤد بھائی کا اس بارے میں کیا خیال ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ بہت بے تکلفی کے باوجود میری ان سے اس طرح کی بات پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی''۔

''پچھلے چار گھنٹوں سے وہ اسے جس خلوص سے پڑھا رہے ہیں، اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش رہ تو نہیں جاتی، ورنہ کوئی اور ہوتو چڑ جائے کہ ایک چھٹی کا دن ملا ہے''۔ اس نے ثمین کی بات کا سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بات تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں اور یہ بات تو خیر مجھے معلوم ہے ہی کہ داؤد بھائی کو ڈرپوک قسم کی لڑکیاں زہر لگتی ہیں۔ مجھے اکثر ڈانٹتے ہیں۔ انہیں بولڈ اور نڈر لڑکیاں اچھی لگتی ہیں''۔ کچن میں کام ختم ہو چکا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ دونوں لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔

مغرب سے کچھ پہلے رافعہ واپس گئی تھی۔ اسے رُخصت کر کے داؤد عاصم بھائی کے ساتھ لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پھوپھو کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی، جب بھاگتی دوڑتی ثمین کمرے میں آئی تھی۔

''چلیں دانیا آپی! داؤد بھائی ہم لوگوں کو بڑی زبردست سی آؤٹنگ کرانے لے جا رہے ہیں۔ میں، آپ، میرال اور شارم مہمانوں میں شامل ہیں۔'' وہ بہت پُرجوش نظر آ رہی تھی۔

''جلدی اُٹھیں، ایسے موقع روز روز نہیں آتے''۔

''میرا موڈ نہیں ہو رہا ثمین! تم لوگ چلے جاؤ''۔ اس کی دعوت پر اس نے سنجیدگی سے انکار کیا۔ اس کا انکار سنتے ہی ثمین کا موڈ بگڑنے لگا تھا۔

''اتنا اچھا ہم نے تفریح کا پروگرام بنایا ہے اور آپ نخرے کر رہی ہیں۔ چلیں نا، بہت مزہ آئے گا''۔

وہ اسے ہر قیمت پر ساتھ لے جانا چاہتی تھی، جبکہ اس کا اس وقت کہیں بھی جانے کا دِل نہیں چاہ رہا تھا۔

''چلی جاؤ دانیا! تھوڑی سی تفریح تو زندگی میں ہونی چاہیے۔ روز تو وہی گھر سے آفس اور آفس سے گھر والا ہی روٹین ہوتا ہے تمہارا''۔

پھوپھو کا یہ محبت بھرا انداز وہ ٹال ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے اُٹھتا دیکھ کر ثمین خوش ہوگئی۔

''آپ ساتھ نہیں جاتیں تو مجھے بالکل مزہ نہیں آتا''۔ وہ اس کی محبت اور خلوص پر مُسکرا دی۔

''ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں۔'' وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔

''خاص اور عام کا تو مجھے نہیں پتا، لیکن بس آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ آپ پوز نہیں کرتی۔ سادگی سے رہتی ہیں۔ بننے بنانے اور پوز کرنے والے لوگوں کے ساتھ میری دوستی بھی نہیں بنتی۔'' وہ دونوں پورچ میں آگئیں۔ داؤد، میرال اور شارم گاڑی میں ان لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔

''آپ بتائیں، کہاں چلیں۔'' ثمین نے اگلی سیٹ سے گردن موڑ کر اسے مخاطب کیا۔

''جہاں سب کا موڈ ہو رہا ہے۔ میرا اپنا کہیں جانے کا موڈ نہیں''۔ اس نے آہستگی سے اسے جواب دیا۔

''اب میری وجہ سے بغیر موڈ کے آ ہی گئی ہیں تو تھوڑا سا انجوائے بھی کر لیں''۔ ثمین کو اس کی بے نیازی پر غصہ آگیا۔

''مشکل ہے بہت۔ تم لوگوں کا کسی ایک جگہ پر متفق ہونا۔ میرا خیال ہے میں خود ہی یہ کام کر لوں۔ اب لانگ ڈرائیو ہوگی اور ڈنر ہوگا اور وہ بھی میں اپنی مرضی کی جگہ پر کراؤں گا''۔ داؤد نے ان لوگوں کی بحث وتکرار پر چڑ کر کہا۔

کھانے کے بعد بھی ان لوگوں کا فوراً گھر واپسی کا ارادہ نہیں تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر یونہی ڈرائیو کرتے وہ لوگ باتیں کرتے میوزک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرال اور ثمین میں اپنی اپنی پسند کے گانوں پر جھگڑا ہو رہا تھا۔

''فاخر کا ''دیوانہ'' لگے گا''

''نہیں ابرار کا پریتو''۔

ثمین بالکل بچی بنی اس کے ساتھ جھگڑ رہی تھی۔ ڈرائیو کرتے کرتے داؤد نے بیک ویو مرر سے دانیا پر ایک نظر ڈالی۔ اس جھگڑے سے بے نیاز وہ کھڑکی سے باہر پتا نہیں کیا دیکھ رہی تھی۔ کچھ سوچ کر ایک شرارتی سی مُسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی تھی۔

''ثمین! یہ جو اُلٹے ہاتھ پر جھاڑیاں نظر آرہی ہیں۔ پتا ہے یہاں سے پچھلے ہفتہ ایک لڑکی کی سرکٹی لاش ملی ہے''۔ ثمین لاش اور وہ بھی سرکٹی ہوئی لاش کا ذکر سن کر سارے جھگڑے بھول بھال بھائی کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''بہت ڈھونڈا پولیس نے مگر اس کا سر کہیں بھی نہیں ملا''۔ اس نے بہت چپکے سے ایک نظر پھر پیچھے ڈالی۔ وہ خاموش تو اب بھی بیٹھی تھی، مگر بے نیازی اور لاتعلقی والا انداز ختم ہوگیا تھا۔

''آپ نے اخبار میں پڑھی ہوگی، یہ خبر''۔ ثمین نے بڑے خوف زدہ سے انداز میں پوچھا۔

''اخبار میں آئی ہوگی شاید یہ خبر، لیکن میں نے اسے اخبار میں نہیں پڑھا۔ میرے ایک کولیگ کی جاننے والی تھی، وہ لڑکی۔ مجھے تو ان کے ذریعے پتا چلا۔ پنڈی سے کراچی آئی ہوئی تھی، جاب کے لیے بے چاری۔ سب کہہ رہے تھے کہ شاید وہ قاتل پنڈی سے ہی پیچھا کرتا ہوا اسے قتل کرنے کراچی آیا تھا''۔

ثمین اس نادیدہ لڑکی کے قتل پر افسوس کا اظہار کر رہی تھی، جبکہ اس نے داؤد کو بیک ویو مرر میں اپنی طرف دیکھتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس لیے دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆

وہ میرال کے ساتھ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ دانیا اس کے ساتھ آکر بیٹھی اور اسے بہت پرفیکٹ طریقے سے کھٹا کھٹ کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ وہ ماؤس کو ہاتھ لگائے بغیر ہر کام کی بورڈ کے ذریعے کر رہی تھی۔

''تم مجھ سے کیا سیکھو گی۔ تمہیں تو خود سب آتا ہے''۔ اس نے ستائشی انداز میں کہا۔

اسی وقت دروازہ کھول کر داؤد اندر داخل ہوا ''کیا کام ہو رہا ہے، اتنی توجہ کے ساتھ؟'' وہ مانیٹر پر نظریں دوڑاتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''چاچو! میں دانیا پھوپھو سے ''Software Down Loading'' سیکھ رہی ہوں۔ انہیں انٹرنیٹ کے بارے میں اتنی ساری چیزیں آتی ہیں''۔ میرال نے گردن گھما کر معصومانہ سے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا۔ وہ اس سے لاتعلق سی مانیٹر کی طرف دیکھتی کی بورڈ کے ساتھ مصروف تھی۔

''کچھ ہمیں بھی سکھا دیجئے، اس مشین کے بارے میں۔ تھوڑا سا فیض ہم بھی حاصل کر لیں۔ کچھ تو فائدہ ہو اتنی ذہین فطین کزن کے ہونے کا''۔ دونوں ہاتھ میز پر رکھے وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے مفت میں ٹیوشنز پڑھانے کا کوئی شوق نہیں ہے''۔ بہت بے ساختہ یہ بات اس کے منہ سے نکلی تھی اور منہ سے نکلی اس بات پر جو محظوظ سی ہنسی اس کے چہرے پر نظر آئی، اس نے اسے اچھا خاصا نروس کر دیا تھا۔

وہ یوں مُسکرایا تھا، گویا کوئی بہت ہی دلچسپ بات سن لی ہو۔ اپنے بے سوچے سمجھے بولے، اس جملے میں اس کو خود ہی طنز اور جیلسی کی بو آئی تھی۔

''مفت نہیں، میں فیس دوں گا۔ تم سے یہ اُمید کی بھی نہیں جاسکتی کہ رشتہ داری کا کوئی لحاظ کرو گی''۔ وہ جیسے اس کے چہرے پر پھیلتے شرمندگی بھرے تاثرات کو جی بھر کر انجوائے کرنے لگا۔

''میرال یونہی تعریف کر رہی ہے۔ مجھے اتنا کچھ خاص نہیں آتا''۔ اسے اپنی جان چھڑانی مشکل ہو رہی تھی۔ ثمین کو اسٹڈی میں آتا دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

رات گئے تک وہ اپنے اس فضول سے فقرے پر خود کو لعنت ملامت کرتی رہی تھی۔ دِل ہی دِل میں خود سے عہد کرتی رہی تھی کہ آئندہ وہ کم بولا کرے گی اور داؤد کے سامنے تو خاص طور پر۔

ضرورت سے زیادہ ذہین اور اسمارٹ لوگوں سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔ ایسے لوگوں کے سامنے خود کو چھپانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ اسے ایسا لگا کہ اس روز ڈنر کے لیے جب وہ لوگ گئے تھے، تب بھی وہ سارا وقت اس کی فیس ریڈنگ کرتا رہا تھا۔

اگلے روز ابھی اسے آفس سے آئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ تب ہی فون کی بیل بجی تھی۔ اس نے فون اٹینڈ کیا تو دوسری طرف رافعہ تھی۔

''میں رافعہ بول رہی ہوں۔ داؤد ہیں؟'' وہ اسے یہ جواب دینے ہی والی تھی کہ داؤد ابھی آفس سے نہیں آیا کہ وہ اندر آتا دکھائی دے گیا۔

''آپ کا فون ہے''۔ اسے ہولڈ کرنے کا کہہ کر اس نے داؤد سے کہا۔ بہت بیزار سی شکل ہو رہی تھی، اس کی۔ شاید اس وقت وہ کوئی بھی کال اٹینڈ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اپنا چائے کا کپ اُٹھائے بغیر ہی وہ لاؤنج سے چلی گئی تھی۔

''کیا پک رہا ہے خواتین''۔ بھابھی نے نرگسی کوفتے بنائے ہیں اور میں نے دال چڑھائی ہے۔ آپ کے اور اپنے لیے دال چاول پکا رہی ہوں اور اس کے ساتھ اچار''۔ اس معاملے میں اس کی اور ثمین کی پسند سو فیصد ایک جیسی تھی۔

''کتنا اچار کھاتی ہو تم''۔ بھابھی نے کہا۔

''آپ کو اچار کے فائدے ہی نہیں معلوم''۔ اس نے جواباً تاسف سے کہا۔ ''پتا ہے آپ کو قلوپطرہ کے حسن کا ایک بڑا راز اچار بھی تھا۔ تھوڑے دن پہلے میں ایک کتاب میں پڑھ رہی تھی کہ قلوپطرہ اپنے حسن کی حفاظت کے لیے اچار کا استعمال بڑی پابندی سے کرتی تھی''۔

''پھر تو واقعی خوب صورت لڑکیوں کو اپنے حسن کی حفاظت کے لیے اچار ضرور کھانا چاہیے''۔ داؤد نے کچن

میں آتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ وہ اس کی بات پر کچھ نہیں بولی تھی۔

''کب آئے تم؟'' اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے، بھابھی نے دریافت کیا۔

''کافی دیر ہوگئی۔ رافعہ کا فون آیا ہوا تھا۔ اس سے بات کر رہا تھا''۔ وہ اس کے بالکل سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''اچھا۔ رافعہ کا فون آیا تھا؟''۔ بھابھی نے چولہے کی آنچ ہلکی کرتے ہوئے پوچھا۔

''حالانکہ میرا بات کرنے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ میں نے اشارے سے ان محترمہ کو منع بھی کیا تھا، مگر انہوں نے پھر بھی اسے ہولڈ کروا دیا''۔ دانیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے ناراضی سے کہا۔

''آپ نے منع تو نہیں کیا تھا''۔ وہ خود پر الزام رکھے جانے پر چپ نہیں رہ سکی۔

''ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ منہ سے چیخ کر تو کہہ نہیں سکتا تھا''۔

''اشاروں کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی''۔ وہ خود سے کیے عہد کے برخلاف بولنے میں مصروف تھی۔

''پھر کون سی زبان سمجھ میں آتی ہے؟'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بھابھی! میں پھوپھو کے پاس جا رہی ہوں۔ کوئی کام ہو تو آواز دے لیجئے گا''۔ وہ اس کا سوال اَن سُنا کر کے کرسی پر سے اُٹھ گئی۔

''تم لوگوں کی بحث و تکرار میں اصل بات تو رہ ہی گئی۔ فون کس لیے کیا تھا رافعہ نے؟'' بھابھی کاموں سے فارغ ہو کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''فون، ہاں وہ''۔ کہتے کہتے وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوا۔

''کیا ہوا تم گئیں نہیں؟'' وہ سامنے سے بھاگ کر کچن میں آتے شارام کو راستہ دینے کے لیے صرف ایک سیکنڈ ہی رُکی تھی، جب پیچھے سے یہ جملہ اس کے کانوں سے ٹکرایا تھا۔ شارم کو آگے سے ہٹاتے وہ فوراً باہر چلی گئی۔

بھابھی اور ثمین اس کی بات سننے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے اس کا ایک دم غصے سے باہر نکلنا محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

☆

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ وہ بہت تیزی اور بھاگ دوڑ بھی مچاتی، تب بھی گاڑی لازماً مس ہو ہی جانی تھی۔ تیار ہو کر باہر نکلی تو پورچ میں اپنی گاڑی کے پاس کھڑا داؤد کسی سے موبائل پر بات کرتا ہوا نظر آیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ گیٹ کی طرف بڑھی تو پیچھے سے اس نے اسے آواز دی۔

''تمہاری گاڑی مس ہوگئی ہے نا۔ چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں''۔

''شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی''۔ اس نے بردباری سے جواب دیا۔

''اچھا۔ میں تمہیں ٹھہر کر فون کرتا ہوں''۔ اس نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر بات ختم کی، پھر قدرے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں بلاوجہ فارمل ہونے کا زیادہ شوق ہے۔ جب مجھے وہاں سے گزرنا ہی ہے تو تمہیں بھی چھوڑ دوں گا''۔

جملے کے اختتام پر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''جلدی بیٹھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے''۔ وہ اس حکمیہ انداز پر کچھ چڑتی ہوئی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ بہت خاموشی سے ڈرائیو کرتا وہ اس سے مکمل طور پر لاتعلق سا بیٹھا ہوا تھا۔

''بہت سے کام انسان کو رشتہ داری کے لحاظ میں کرنے پڑ جاتے ہیں۔ اپنی خوشی سے یا ناخوشی سے نہیں، لیکن بعض اوقات رشتہ داری میں انسان کو لحاظ اور مروّت سے کام لینا ہی پڑتا ہے''۔ کافی دیر بعد اس نے داؤد کی سنجیدہ سی آواز سنی۔ اس نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کی طرف دیکھے بغیر وہ اسی طرح ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

''جیسے اس وقت آپ رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے آفس ڈراپ کرنے جا رہے ہیں؟'' اس کا انداز استفہامیہ تھا۔ وہ اس کی بات پر دھیمے سے ہنسا۔

''ہاں۔ یہ بھی لحاظ اور مروّت کی ہی ایک قسم ہے۔ ویسے اس وقت میں کسی اور بارے میں بات کر رہا تھا''۔

کافی دیر تک وہ اس کے مزید کچھ اور بولنے کا انتظار کرتی رہی، لیکن اس ادھوری بات کو مکمل کرنے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے جیسے جو بول گیا، وہی بہت کافی ہے۔ وہ اسے خاموش دیکھ کر خود بھی سڑک پر نظریں دوڑانے لگی تھی۔

گاڑی اس کے آفس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ بیگ کندھے پر ڈال کر اس نے جلدی جلدی رسمی قسم کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک دو فقرے مرتب کیے تھے، لیکن وہ تمام فقرے کہنے کی نوبت نہیں آئی، اسے اُتارتے ہی وہ خدا حافظ کہہ کر فوراً چلا گیا تھا۔

شام میں واپس آئی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل اور رونق محسوس ہوئی۔

''کون آیا ہے؟'' وہ بھابھی کے پاس کچن میں آ گئی۔ وہ ثمین اور شمیم کو ساتھ لگائے بہت مصروف نظر آ رہی تھیں۔

''بہت خاص مہمان ہیں''۔ بھابھی نے ثمین کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تو بات سمجھتے ہوئے وہ پُرتجسس سے انداز میں بولی۔

''مہمانوں کا خاص ہونا تو مجھے اس غیر معمولی اہتمام سے ہی نظر آ رہا ہے۔ ذرا کچھ اور تفصیلات تو ارشاد فرمایئے''۔

''تفصیل کچھ یوں ہے کہ بابل کا گھر چھوڑ کر گوری پیا گھر جانے والی ہے''۔ وہ بہت شرارتی موڈ میں تھیں۔ پھر اس کے چہرے پر پھیلے تجسس کا خاتمہ کرنے کے لیے وہ اسے سنجیدگی سے ساری بات بتانے لگیں۔

''داؤد کے دوست کی فیملی ہے۔ بہت پرانی دوستی ہے، داؤد کی سفیان کے ساتھ، اتنی پرانی کہ اب ان لوگوں کے ساتھ ہمارے فیملی ٹرمز ہیں۔ اسی کا چھوٹا بھائی ہے۔ فرید۔ انڈس ویلی سے گریجویشن کیا ہے، اس نے۔ تین چار سال پہلے ان کی ممی نے ثمین اور فرید کے رشتے کی بات کی تھی۔ اس وقت ثمین بھی بہت چھوٹی تھی اور فرید بھی پڑھ رہا تھا۔ اس لیے رشتے سے انکار تو نہیں کیا گیا تھا، لیکن ان لوگوں کو چند سال انتظار کرنے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔ اب کیونکہ فرید مزید اسٹڈیز کے لیے امریکہ جا رہا ہے تو میرا خیال ہے کہ آج آمد اسی سلسلے میں ہوئی ہے کہ رشتہ طے کر کے

با قاعدہ منگنی وغیرہ کر لی جائے''۔

''ہے کیسا وہ۔ میں نے دیکھا ہوا ہے کیا اسے؟'' اس کا تجسس ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

''ہاں دیکھا ہوا، کیوں نہیں ہوگا۔ داؤد سے کافی دوستی ہے، اس کی۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو وہ آیا تھا۔ کافی دیر بیٹھا رہا تھا، داؤد اور عاصم کے ساتھ لان میں اور پھر ڈنر بھی ہم لوگوں کے ساتھ ہی کر کے گیا تھا''۔ بھابھی نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی تو وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے یاد آ جانے پر مُسکرائی۔

''ہاں یاد آ گیا۔ وہ جس کے آنے پر اس دن اچانک ہی ثمین کو کھانے کے وقت بھوک نہیں لگ رہی تھی'' اور بعد میں جب بھوک لگے گی'' کہہ کر یہ محترمہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں''۔ اس نے ثمین کو گھورا۔

''کتنی گھنی لڑکی ہے یہ۔ مجھے کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی کسی بات کی اور میں اتنی بے وقوف کہ ساری بات سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ پتا ہی نہیں چلا کہ اچانک بھوک پیاس کیوں اُڑ گئی ہے''۔ وہ ثمین کے سر پر کھڑی غصے سے بولی۔

''اس دن مجھے بتا دیا ہوتا تو میں بندے کو ڈھنگ سے دیکھ تو لیتی۔ اشارتاً ہی بتا دیتیں کہ یہی ہیں پرنس چارمنگ۔'' ثمین لاپرواسی بنی ٹرالی سیٹ کرنے میں مصروف تھی، لیکن اس کے چہرے پر بکھری شرمیلی سی مُسکراہٹ اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

''بھابھی! آج پہلی مرتبہ مجھے پتا چلا ہے کہ افسانوں کی ہیروئنوں اور گرگٹ کے علاوہ بھی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رنگ بدلتے ہیں۔ سچی بات ہے''۔ آج پہلی بار میں نے کسی لڑکی کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا ہے۔

بھابھی اس کے کمنٹس پر کھلکھلا کر ہنس دیں، جبکہ ثمین اسے شرارتی موڈ میں دیکھ کر سب کام وام چھوڑ کر کچن سے ہی چلی گئی تھی۔ مہمانوں کو رُخصت کر کے جب گھر کے سب افراد لاؤنج میں بیٹھے تو وہ بھی وہیں آ گئی۔

''کیا طے ہوا پھوپھو؟'' وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''نکاح کی تاریخ طے کر کے گئے ہیں وہ لوگ، اگلے ہفتے کی۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہول اُٹھ رہے ہیں۔ اتنے کم دنوں میں ساری تیاری کیسے ہوگی''۔ اسے جواب دینے کے ساتھ انہوں نے اپنی فکرمندی کا بھی اظہار کیا۔

''ہو جائے گا سب۔ کون سی رخصتی ہو رہی ہے۔ صرف نکاح ہی تو ہے۔ خواہ مخواہ ٹینشن مت لو''۔ انکل نے انہیں سمجھایا تو وہ جواباً ناراضی سے بولیں۔

''تب بھی سو کام ہوتے ہیں۔ ماشاءاللہ اتنا بڑا خاندان ہے۔ صرف لوگوں کو انوائٹ کرنا ہی بہت بڑا اور تھکا دینے والا کام ہوگا۔ پھر بازاروں کے چکر الگ لگیں گے''۔ وہ اُلجھ رہی تھیں۔ اس وقت تو وہ خاموش رہی تھی، لیکن رات میں جب پھوپھو ہی کے کمرے میں اور بھابھی ان کے ساتھ اسی حوالے سے گفتگو کر رہی تھیں، تب اس نے اپنے آفس سے چھٹی لے لینے کا اِرادہ ظاہر کیا تھا۔

''میں تین چار دن کی چھٹی لے لیتی ہوں''۔

''تمہیں مسئلہ تو نہیں ہوگا؟'' پھوپھو کے استفسار پر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''مسئلہ کیسا۔ ویسے بھی اتنے سارے دنوں کی جاب میں، میں نے ابھی تک ایک بھی چھٹی نہیں کی''۔

اور پھر واقعی اس نے چھٹی لے لی تھی۔ ثمین اسے جتنی پیاری ہوگئی تھی تو ایسے میں اس کی زندگی کی یہ خوشی اسے اپنی ہی خوشی لگ رہی تھی۔

اس صبح اسے گھر کے حلیہ میں بیٹھا دیکھ کر داؤد نے تعجب سے پوچھا۔

”تمہیں آفس نہیں جانا کیا؟“ تو اس کے جواب سے پہلے ہی پھوپھو اسے اس کی آفس سے چھٹی لے لینے کے بارے میں بتانے لگیں۔ ان کے لہجے میں اس کے لیے محبت تھی۔ فخر تھا۔

”دیکھو کتنی اچھی ہے میری بھتیجی۔“ ان کی آنکھوں میں لکھی یہ تحریر اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔

”تم اس طرح آکر ہم لوگوں کے ساتھ گھل مل گئی ہو دانیا کہ غیریت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ کبھی تمہارے سامنے بات کرتے ہوئے یہ نہیں سوچنا پڑتا کہ یہ غیر ہے، اس کے سامنے یہ بات نہیں کرنی۔ تھوڑا سا تکلف قائم رکھنا ہے۔“

اس روز جب وہ بھابھی کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تو انہوں نے اس سے کہا اور جس پیار سے وہ میرال کے سرخ غرارے کے ساتھ میچ کرتی سرخ چوڑیاں پسند کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ یہ بات ان کے منہ سے نکلی۔

”میں نے کبھی خود کو غیر سمجھا بھی نہیں بھابھی۔ یہ میری پھوپھو کا گھر ہے۔“ وہ اس کے جواب پر مسکرا دیں۔

”تم امی کی بھتیجی کے بجائے بیٹی لگتی ہو۔ ثمین سے زیادہ تمہاری عادتیں ان کے جیسی ہیں۔ داؤد کا تمہارے بارے میں یہی خیال ہے۔“ ان کی اس بات پر اس کا دل بڑی بے ترتیبی سے دھڑکا تھا۔

”کیا خیال ہے ان کا؟“ بظاہر اس نے لاپروا سے انداز میں پوچھا۔ ایسے جیسے یونہی پوچھ رہی ہو۔

”وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ یہ خاتون کچھ کچھ ہماری امی جیسی نہیں ہیں۔“ وہ جواب دیتے ہوئے مسکرائیں۔

”اس دن جب ہم لوگوں کی شادی کی سالگرہ تھی۔ اس کے بعد دیئے تھے، اس نے یہ کمنٹس۔ بھئی! سچی بات ہے مجھے تو پتا نہیں چلا تھا کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اور ثمین نے تمہیں جان بوجھ کر نہیں بتایا، لیکن داؤد کو معلوم نہیں کس طرح تمہارے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا تھا۔ امی کی بھی تو یہی عادت ہے، لڑائی جھگڑے سے انہیں ٹینشن ہوتی ہے، دوسروں کو بہت آسانی سے معاف کر دیں گی۔ ان کی غلطیوں کو چھپالیں گی، تاکہ جھگڑوں اور بدمزگی سے بچا جا سکے اور تم نے بھی تو اس روز اسی لیے جھوٹ بولا تھا۔“

اپنے لیے یہ تعریفی جملے اسے درحقیقت خوشی کا بہت انوکھا احساس بخش گئے تھے۔ کوئی ہے جو اسے بہت اچھا سمجھتا ہے۔ ساری زندگی اس کے گھر والے اس کی جن عادتوں سے بیزار رہے، یہاں کسی کے لیے وہ سب عادتیں قابلِ ستائش ہیں۔

☆

اس کی امی سے فون پر بات ہوئی تو اس کے پوچھنے سے پہلے ہی انہوں نے ثمین کے نکاح پر اپنے کراچی آنے کا بتایا۔ پھوپھو نے انہیں فون پر بلاوا دیا تو تھا، لیکن اسے یقین نہیں تھا ان کے آنے کا، جبکہ خود اس کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ کراچی آئیں۔ کتنے دن ہو گئے تھے ان سے ملے ہوئے۔ اس کا امی کے ساتھ ویسا تعلق نہیں تھا، جیسا ماں بیٹی کا ہوا کرتا ہے۔ کبھی انہوں نے ساتھ بیٹھ کر ایک دوسرے سے اپنے دکھ سکھ نہیں کہے تھے، لیکن پھر بھی وہ اس کی ماں تو تھیں۔

ان کی بہت سی باتوں سے اختلاف کے باوجود اسے ان سے بہت پیار تھا اور اب تو ابو کی وفات کے بعد سے وہ بہت تبدیل بھی ہوگئی تھیں۔

وہ امی کی آمد کی شدت سے منتظر تھی۔ نکاح سے ایک روز پہلے ہی وہ آگئیں تو اسے بہت خوشی ہوئی۔ سب ان سے بہت اچھی طرح ملے تھے، بغیر کسی پرانی بات کا حوالہ دیئے۔ اسے یاد تھا کہ عاصم بھائی کی شادی پر کس طرح ابو کھڑے کھڑے بالکل مہمانوں کی طرح شریک ہو کر فوراً ہی پنڈی واپس آ گئے تھے۔ تب دولت ان کے گھر کی باندی تھی۔ آج اس کے برعکس تھا۔ دولت کا توازن اُلٹ چکا تھا، لیکن آج جن لوگوں کے پیچھے وہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی، وہ آج بھی ویسے ہی تھے جیسے اس دولت کے بغیر ہوا کرتے تھے۔

اب جب وہ ملیں تو اس نے پھوپھو کی فیملی کی تعریفوں میں زمین آسمان ایک کر دیئے تھے۔

”اتنا آئیڈیل گھر ہے یہ امی! یہاں سب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔“ وہ اس کی تعریفوں کے جواب میں خاموشی سے مُسکرا دیں۔

انہوں نے اس سے اس بارے میں کچھ کہا تو نہیں تھا لیکن پھر بھی اسے اندازہ تھا کہ اس کی طرح امی کو بھی یہاں آکر پہلا قدم رکھتے ہی پچھتاوے کا احساس ہوا ہوگا۔ انہوں نے عاصم بھائی کے ساتھ جلال بھائی کا موازنہ بھی ضرور کیا ہوگا اور اپنے غرور اور غلط فیصلوں پر انہیں ندامت بھی ہوئی ہوگی۔

پھوپھو نے اسے فنکشن کے لیے کپڑے بنا کر دیئے تھے۔ خود ساتھ لے جا کر اسے اس کی پسند کا ڈریس دلوایا تھا۔ یہ اور بات کہ اس پسند میں صرف اس کا نام شامل تھا، ورنہ ڈریس پسند انہوں نے ہی کیا تھا۔ اس کے پسند کے سادہ سادہ سے لباس انہیں اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ ان کا پسند کیا ہوا آف وائٹ لباس اسے بہت بھاری لگ رہا تھا، لیکن انہوں نے اسے ڈانٹ کر چپ کروا دیا تھا۔

”میرا نکاح تھوڑی ہے پھوپھو۔“ انہیں پے منٹ کرتا دیکھ کر وہ منمنائی تو انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

”ایسے کپڑے تو لڑکیاں شادی بیاہ میں بڑے شوق سے پہنتی ہیں۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو اتنا ہلکا سا کام تمہیں اوور لگ رہا ہے، دیکھنا کتنا سجے گا یہ رنگ تم پر۔“

اور اب جب وہ پھوپھو کا دلوایا یہ لباس پہن کر تیار ہوئی تو سب نے ہی اس کی تعریف کی۔ عام دنوں میں وہ جتنے سادہ سے انداز میں رہا کرتی تھی، اس کے بعد یہ چینج سب کو ہی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ فنکشن کا ارینجمنٹ لان میں کیا گیا تھا۔ امی مہمانوں کی طرح بیٹھی بیٹی کو میزبانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

وہ ثمین کے پاس اسٹیج پر جا رہی تھی، تب درمیان ہی میں بھابھی نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ وہ اپنے ساتھ کھڑی ایک خاتون کا اس سے تعارف کروا رہی تھیں۔

”یہ میری کزن ہیں۔ جرمنی میں رہتی ہیں۔ آج کل پاکستان آئی ہوئی ہیں اور تہمینہ باجی! یہ دانیا ہے، عاصم کی ماموں زاد بہن۔“ اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

سلام دُعا کے بعد اس کی چند منٹوں تک ان سے رسمی سی بات ہوئی، پھر وہ معذرت کرتی ثمین کے پاس اسٹیج پر آگئی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں کھنچوا کر اور مووی بنوا کر وہ اسٹیج سے اُتری تو رافعہ داؤد کے ساتھ باتیں

کرتی نظر آئی۔

صرف رافعہ ہی کیا، وہاں اس کی کئی کزنز کا داؤد پر فدا ہونے والا انداز تھا۔ چند ایک کو چھوڑ کر اکثریت کا یہی رویہ تھا۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کزن جو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑے شاندار سے عہدے پر کام کر رہا ہے۔ بہت زبردست قسم کی سیلری وصول کر رہا ہے اور سب سے بڑھ کر ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔ سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ لڑکیوں کا اس کے ساتھ پوز کر کر کے باتیں کرنا اور بہانے بہانے سے اپنی طرف متوجہ کروانے والا اسٹائل اسے بہت بُرا لگ رہا تھا۔

فنکشن ختم ہونے پر جب سب مہمان چلے گئے تو وہ فوراً ہی اس لباس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اوپر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور داؤد اتر رہا تھا۔ اسے بہت تیزی میں دیکھ کر وہ چڑھنے کے لیے راستہ دیتا خود ایک طرف ہو گیا تھا۔ وہ اس کے قریب سے گزری تو ایک سرگوشی نما آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''یہ رنگ اکثر پہنا کرو''۔ اسے ایسا لگا، اس کا دل اب سے پہلے کبھی اس رفتار سے نہیں دھڑکا تھا۔ بغیر رُکے وہ اوپر تو چڑھ گئی تھی۔ اس کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں تھا، لیکن خود ابھی تک جیسے عالمِ حیرت میں تھی۔

فنکشن کے دوران ایک بار بھی اس نے اس کی خود پر نظریں محسوس نہیں کی تھیں۔ ایک بار بھی ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے اور اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس بات پر اسے دُکھ بھی ہو رہا تھا کہ آج سب نے اسے سراہا ہے، لیکن جہاں سے سراہے جانے کی اسے خواہش تھی، وہاں سے ایک نگاہ تک اسے نہیں ملی۔

کمرے میں آ کر اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو ہموار کرتی، وہ کتنی دیر تک اس لمحہ کی گرفت میں رہی۔ کتنا وقت گزر گیا تھا اسے یونہی بیٹھے، اس بات کا اسے خود احساس نہیں تھا۔

''تم نے ابھی تک کپڑے نہیں بدلے''۔ امی کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر شرمندہ سی ہوتی کھڑی ہو گئی۔

''جی بس اُٹھ ہی رہی تھی، کپڑے بدلنے کے لیے''۔ وہ اس کا جواب بے توجہی سے سنتی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر جیولری اُتارنے لگی۔

''کیا بات ہے امی! بہت خوش نظر آ رہی ہیں آپ؟'' شیشے میں اسے ان کا مطمئن اور خوش باش چہرہ نظر آیا تو جھٹ سے پوچھا۔

''خوشی کی بات جو ہے۔ میں نے تمہاری پھوپھو سے تمہارے اور داؤد کے رشتے کے بارے میں بات کی ہے اور انہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ تم انہیں بہت پسند ہو۔ بس وہ داؤد اور وقاص بھائی سے اس بارے میں بات کر لیں، پھر مجھے فائنل جواب دیں گی اور فائنل جواب ظاہری بات ہے، ہاں ہی ہو گا۔ سب تمہیں پسند کرتے ہیں، یہاں پر''۔ کانچ کی چوڑی بہت زور سے اس کی کلائی میں چبھی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہ اس ٹوٹی چوڑی اور خون نکلنے کی تکلیف پر توجہ دیے بغیر مُڑ کر ان کے پاس آ گئی تھی۔

''کیا بات کی ہے آپ نے پھوپھو سے؟'' شاید اس نے کچھ غلط سنا تھا۔ امی شاید کچھ اور بات کہہ رہی تھیں، وہ شاید بات سمجھی نہیں تھی۔

''کیا ہو گیا تمہیں۔ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو۔ میں نے تمہارے رشتے کی ہی تو بات کی ہے۔ اس میں غلط کیا ہے۔'' وہ ناراضی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

''پہلے تو میرا ارادہ نہیں تھا، یہ بات کرنے کا، لیکن یہاں جس طرح میں نے لڑکیوں اور ان کی ماؤں کو داؤد اور آپا کے آگے پیچھے دیکھا تو مجھے اپنا کہہ دینا مناسب لگا۔ کہیں ہم شرماشرمی میں رہ جائیں اور کوئی اور رشتہ دار ہاتھ مار جائے۔ تمہاری پھوپھو تو ہیں ہی سدا کی بے وقوف، جو اچھی طرح مل لے اسی کی گرویدہ۔ اب کم از کم میں نے بات تو ان کے کان میں ڈال دی۔ تمہیں تو ویسے بھی یہاں سب اتنا پسند کرتے ہیں۔ داؤد بھی مجھے ایسا نہیں لگتا کہ تمہیں ناپسند کرتا ہے۔ یہ دونوں بھائی اپنے خاندان کے ساتھ بہت مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں اور اسی لڑکی کو پسند کریں گے جو ان کی فیملی کو اپنا سمجھ کر اور یہاں کی ہر چیز کو اپنا کر رہے گی اور تم نے تو اتنے عرصے میں خود کو ایسا ہی ثابت کیا ہے۔ ایسی کوئی اور لڑکی انہیں کہیں اور ملے گی بھی کہاں۔ جس میں بیک وقت اتنی ساری خوبیاں ہوں۔ شکل وصورت میں تم لاکھوں میں ایک ہو۔ عادتوں اور مزاج سے وہ تمہارے واقف ہیں اور اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو۔ کمی کس چیز کی ہے، تم میں؟ اب کیا میں بیٹھ کر اس بات کا انتظار کرتی کہ رشتہ وہ دیں۔ آج کل کا دور اسی طرح کا ہے۔ بیٹیوں کے اچھی جگہ رشتے طے کرنے کے لیے ماؤں کو بہت ہاتھ پاؤں مارنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کر قسمت کا بند دروازہ کھلتا ہے''۔

وہ گم صم سکتے کی کیفیت میں ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس کی گم صم سی کیفیت سے لاتعلق اپنے صحیح موقع پر صحیح بات کر لینے پر نازاں نظر آ رہی تھیں۔

''ابھی ان کے کمرے میں بیٹھی میں ان سے یہی سب باتیں تو کر رہی تھی۔ کل رات میں نے عاصم سے عادل کی جاب کے بارے میں بھی بات کی ہے۔ آخری سمسٹر ہے اس کا۔ اچھی سے اچھی پوزیشن کے ساتھ بھی ایم بی اے کر لے، تب بھی نوکریاں اتنی آسانی سے کہاں ملتی ہیں۔ کوئی کیریئر والی جاب ہو، جس میں ترقی اور کامیابی کے امکانات ہوں۔ عاصم اور داؤد کے بہت کونٹیکٹس ہیں۔ مجھے اس نے انکار بھی نہیں کیا۔ کہہ رہا تھا کہ پوری کوشش کرے گا، عادل کی جاب کے لیے۔

پھر میں سوچ رہی ہوں کہ اگر عادل کی جاب کراچی میں ہو گی تو میں بھی گھر بیچ کر یہیں شفٹ ہو جاؤں۔ تمہاری شادی بھی یہیں ہو گی''۔ وہ اتنی خوش تھیں کہ اس خوشی میں انہیں اس کا اُجڑا ہوا دھواں دھواں چہرہ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

''آپ بالکل نہیں بدلیں امی! آپ بالکل بھی نہیں بدلیں۔ آپ آج بھی وہی ہیں، بالکل ویسی ہی۔ ہر کام Calculate کر کے کرنے والی۔ نفع نقصان کا حساب کتاب کر کے''۔

وہ خاموش کھڑی ویران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ سامنے بیٹھی عورت اس کی ماں تھی۔ وہ ان سے لڑ نہیں سکتی تھی۔ انہیں کوئی تلخ بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ ان سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی۔

''آپ نے کیا مجھے یہاں بھیجا ہی اس لیے تھا۔ آپ کو پتا تھا آپ کی بیٹی ان لوگوں کے دِلوں سے تمام بدگمانیاں دور کر دے گی۔ آپ کی بچھائی بساط پر میں ایک مُہرہ تھی۔ آپ نے سب چالیں سوچ سمجھ کر چلیں۔ سب فائدہ

نقصان ذہن میں رکھ کر''۔اس کا پورا وجود سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔وہ شکوہ بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

امی اس کی خاموشی پر دھیان دیئے بغیر واش روم میں چلی گئی تھیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا،کل وہ اس گھر کے مکینوں کا سامنا کس طرح کرے گی اور وہ شخص جو اس کی خوبیوں کا معترف ہے۔اسے اپنی ماں کی جیسی عادتیں رکھنے والی شخصیت قرار دیتا ہے۔کل وہ اسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لے گا۔یہ سب ان ماں بیٹی کی چالاک ذہنیت تھی۔سب کچھ ان کے پلان کا حصہ تھا۔

اسے اپنا کیا ایک ایک کام یاد آرہا تھا۔وہ سب جو اس نے خلوص اور محبت میں کیا تھا،لیکن جسے اب مکاری اور اپنی اداؤں کے جال میں پھنسانا قرار دیا جائے گا۔وہ اب کیونکر کسی کو یقین دلا پائے گی کہ میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی تھی۔میں یہ ضرور چاہتی تھی کہ آپ سب لوگ مجھے اپنا سمجھیں،اچھا سمجھیں،لیکن یہ میری ایک سادہ اور معصوم سی خواہش تھی۔اس کے پیچھے کوئی مقاصد نہیں تھے۔اس نے نادانستگی میں،وہ سب کیا جو امی چاہتی تھی۔تب تو داؤد نے ایسا کچھ نہیں سوچا ہوگا،لیکن اب جب پھوپھو اسے سب کچھ بتائیں گی تو ضرور سوچے گا اور اب جب وہ اس بارے میں سوچے گا تو وہ اس کے سامنے کس طرح کی لڑکی ثابت ہوگی۔اپنی بھولی بھالی اور معصوم شکل کو وہ کس کس طرح استعمال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنے اس حسین چہرے سے گھن آئی تھی۔اس کا دل چاہا کہ وہ اس خوب صورت چہرے پر تیزاب پھینک دے۔تاکہ یہ اس قابل نہ رہے کہ اس کی خوب صورتی کو کیش کروایا جاسکے۔

اسے یاد آیا،ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ داؤد کی کزنز کو اس کے آگے پیچھے پھرتا دیکھ کر بڑے تمسخرانہ انداز میں ہنسی تھی اور انہیں حقارت اور تمسخر سے دیکھتے وقت وہ اپنی طرف دیکھنا بھول گئی تھی۔اس کی وہ سب کزنز دانیا ظفر سے بہت بہتر تھیں،اس سے لاکھ گنا بہتر۔وہ صرف اسے پسند ہی تو کر رہی تھیں۔ان کی خواہش یہی تو تھی کہ یہ خوبرو بندہ ہمیں مل جائے،لیکن اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے انہوں نے کوئی گیم نہیں کھیلا تھا۔کوئی پلاننگ نہیں کی تھی۔خود کو بہت اچھا بنا کر اس کے سامنے پیش نہیں کیا تھا۔ان میں سے کسی کی ماں نے دکان داری نہیں کی تھی،جبکہ اس کی ماں نے دکان داری ہی تو کی تھی۔بیٹی کی خوبیاں گاہک کے سامنے رکھ کر۔اس کی چمک دمک دکھلا کر۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں خود کو دیکھے چلی جارہی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

☆

امی نے غصے کے اظہار کے طور پر صبح اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔وہ خود بھی بالکل خاموش تھی۔داؤد انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جارہا تھا۔وہ بہت مشکلوں سے خود کو گھسیٹ کر کمرے سے باہر لائی تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک دم بالکل بے وقعت اور حقیر ہوگئی ہے۔اس میں پھوپھو کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔داؤد کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا،لیکن پھر بھی وہ ان سب کا سامنا کر رہی تھی۔داؤد نے ایک بار بھی براہِ راست اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔اس سے نظریں ملائے بغیر امی کو پورچ میں ہی خدا حافظ کہہ کر وہ پھوپھو کے ساتھ واپس اندر آگئی تھی اور پھر ان سے تھکن کا بہانہ بنا کر دوبارہ کمرے میں چلی گئی۔

اس کا کمرے سے باہر نکلنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں غائب ہوجائے۔دوبارہ ان سے کبھی بھی نہ ملے،لیکن جو وہ سوچ رہی تھی،ایسا ہونا ناممکن تھا۔کہیں چلے جانا اور غائب ہوجانا اس کے بس سے باہر کی

باتیں تھیں۔ثمین اسے لنچ کے لیے بلانے آئی تھی۔

''مجھے بھوک نہیں لگ رہی ثمین''۔اس سے نظریں چراتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔

''بھوک کیسے نہیں لگ رہی۔خوشی میں میری بھوک ختم ہوجائے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔آپ کی بھوک کو کیا ہوا ہے''۔اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔

''صرف سوئیٹ ڈش کھا لیجئے گا۔چلیں تو سہی۔سب انتظار کر رہے ہیں کھانے پر''۔وہ اسے کمرے سے گھسیٹ لائی۔

وہ ثمین کے ساتھ آکر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی تھی۔کھانا کھاتے ہوئے سب ہی آپس میں کل کے فنکشن کے حوالے سے کچھ نہ کچھ گفتگو کر رہے تھے۔وہ سر جھکائے اپنی پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے دانیا؟''پتا نہیں اس کے چہرے پر ایسی کیا چیز نظر آئی تھی جس نے پھوپھو کو یہ سوال کرنے پر مجبور کیا تھا۔

''جی پھوپھو''۔اس نے مختصر جواب دیا۔

''ہاں کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی ہے دانیا۔میرا خیال ہے کل کی تھکن کا اثر ہے''۔انکل نے پھوپھو سے کہا تو ثمین ایک نظر اس پر ڈال کر ان سے بڑے شوخ اور شگفتہ سے انداز میں بولی۔

''تھکن نہیں ہے پاپا!اصل میں کل یہ خوب صورت بہت لگ رہی تھیں۔ضرور کسی کی نظر لگی ہے انہیں''۔انکل ثمین کے کمنٹس پر مُسکرائے تھے۔وہ خود کو موضوعِ گفتگو بنتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔اس نے چاہا کہ وہ خود پر خوش گفتاری اور خوش اخلاقی کا ملمع چڑھا کر روزانہ کی طرح سب سے باتیں کرے۔

کھانے کے بعد پھوپھو نے اس کے کمرے میں آکر دوبارہ اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا۔وہ شاید یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ اپنی بیماری چھپا رہی ہے۔ان کی تشویش اور محبت اس کی آنکھوں میں آنسو لے آئے تھے۔

''پھوپھو!میں آپ کی بیٹی کیوں نہیں؟کاش میں آپ کی بیٹی ہوتی۔یا پھر میری امی آپ کے جیسی اچھی ہوتیں۔میں خود اپنی نظروں سے گر گئی ہوں پھوپھو!خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی''۔اس کا دل چاہا کہ وہ ان کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں پھوپھو''۔چہرے پر بڑی مشکلوں سے تھوڑی سی مُسکراہٹ لاتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔

☆

شام میں وہ بھابھی اور ثمین کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔داؤد نے باہر آکر بھابھی کو ان کا فون آنے کی اطلاع دی اور پھر فوراً ہی واپس مڑ گیا۔اس کے انداز میں بہت عجلت تھی۔بھابھی فون سننے چلی گئی تھیں۔ثمین اس کے ساتھ کل کا فنکشن ڈسکس کرنے میں مصروف تھی۔اسے ثمین کی باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہورہی تھی۔بہت بے دلی سے وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔بھابھی کافی دیر بعد واپس آئیں۔

''ثمین کا خیال صحیح تھا۔تمہیں واقعی نظر لگی ہے اور یہ نظر کس کی تھی،یہ ابھی ابھی مجھے پتا چلا ہے''۔کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اسے مخاطب کیا،بہت شرارتی سے انداز میں۔

"آپ کا انداز بڑا مشکوک سا ہے بھابھی! صاف صاف بتائیں کس کا فون تھا؟" ثمین نے بے تابی اور بے صبری سے پوچھا تو وہ اس کی بے تابی پر مُسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"تہمینہ باجی کا تھا۔ انہیں عثمان کے لیے ہماری دانیا دِل و جان سے پسند آ گئی ہے۔ ماتھا تو خیر میرا کل ہی ٹھنکا تھا، جب انہوں نے بڑی دلچسپی سے دانیا کے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ پھر خود ہی مجھ سے اصرار کر کے اس سے تعارف حاصل کرنا چاہا تھا"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں یاد ہے نا دانیا! کل میں نے تمہیں ایک خاتون سے اپنی کزن بتا کر تعارف کروایا تھا۔ گرین ساڑھی پہنی ہوئی تھی انہوں نے۔" انہوں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی اور اسے کیونکہ پہلے ہی یاد آ چکا تھا، اسی لیے فوراً سر ہلا دیا۔

"دانیا آپی کو بعد میں یاد دِلاتی رہیے گا۔ پہلے مجھے ساری بات بتا دیں۔ کیا کہہ رہی تھیں وہ۔ تفصیل سے بتائیں"۔

ثمین کا جوش وخروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ثمین اور بھابھی کی خوشی اور گرم جوشی دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ انہیں ابھی تک پھوپھو نے کچھ نہیں بتایا۔

"اب کی بار وہ پاکستان آئی ہی اس ارادے سے تھیں۔ بڑی فکر ہے انہیں بھائی کی شادی کی۔ عثمان نے بھی تو لڑکی پسند کرنے کا اختیار کلی طور پر بہن کو دے رکھا ہے"۔

بھابھی ثمین سے کہہ رہی تھیں، اس کی خاموشی محسوس کی تو ثمین سے گفتگو موقوف کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"برلن میں رہتی ہیں تہمینہ باجی۔ ان کے شوہر کی وہیں جاب ہے۔ بس دو ہی بہن بھائی ہیں، تہمینہ باجی اور عثمان۔ والدین کا ان کے کئی سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ اب کراچی میں عثمان اکیلا ہی رہتا ہے۔ بہت اچھا سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ مہذب اور تعلیم یافتہ"۔ اس کی خاموشی کا انہوں نے یہی مطلب لیا کہ شاید وہ ہچکچا رہی ہے، اس لیے از خود ہی اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے لگیں۔

"آپ نے انہیں کیا جواب دیا؟" اس سے پہلے کہ وہ دانیا کو مزید ہسٹری سنانا شروع کرتیں، ثمین نے پوچھا۔

"ایسے میں کیا جواب دیتی۔ میں نے ان سے یہی کہا کہ میں امی سے بات کر لوں۔ امی، ممانی اور دانیا سے پوچھ لیں۔ اگر سب کو یہ رشتہ پسند آتا ہے تو پھر آپ باقاعدہ پروپوزل لائیے گا"۔

"کل فنکشن میں آیا تھا نا عثمان بھائی!" ثمین نے بھابھی سے پوچھا۔

"ہاں آیا ہوا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم کہ یہ نظر بہن صاحبہ کی تھی یا بھائی کی، جو ہماری سویٹ سی دانیا کو اتنی بُری طرح لگی ہے۔ دیکھو کیسی چپ چپ اور اُداس سی لگ رہی ہے"۔ بھابھی کا جواب حسبِ توقع شوخ سا تھا۔

"اب آپ یقیناً یہ جاننا چاہ رہی ہوں گی کہ موصوف دیکھنے میں کیسے ہیں؟" ثمین نے اس کی طرف جھک کر رازداری سے دریافت کیا۔

"بے چاری مشرقی لڑکی شرما رہی ہے۔ چلیں میں خود ہی بتا دیتی ہوں، بلکہ میرا خیال ہے بھابھی بتا دیں۔ آخر ان کے کزن صاحب ہیں۔ انہیں ان کی ہائٹ ناک نقشہ سب ازبر ہو گا"۔

ثمین اس وقت مکمل طور پر شرارتی موڈ میں تھی۔ بہت خوش گوار سے انداز میں اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی،

وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔

رات کا کھانا بغیر بھوک کے سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا، اس نے۔ کھانے کے فوراً بعد وہ کمرے میں آ گئی تھی۔

بھابھی کی کزن شاید بہت ہی جلدی میں تھیں۔ اگلے روز صبح صبح ہی ان کا دوبارہ فون آ گیا تھا۔ اس بار پھوپھو نے ان سے بات کی تھی۔ اس وقت لاؤنج میں صرف وہ اور پھوپھو ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی گفتگو کے دوران وہ وہیں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پھوپھو نے انہیں ہاں کہی تھی نہ ناں، بلکہ اپنی بھاوج سے پوچھ کر جواب دینے کی بات کہی تھی۔ وہ فون بند کر چکیں تو وہ اُٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"آپ کو یہ رشتہ کیسا لگ رہا ہے پھوپھو؟" انہوں نے اس سوال پر تعجب سے اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے بھابھی تو بہت تعریف کر رہی تھیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟" اس کا انداز بے جھجک سا تھا۔ انہیں ایک پل کے لیے تو اس کا خود اپنے رشتے کے بارے میں اس طرح بات کرنا پسند نہیں آیا، پھر فوراً ہی اپنی سوچ کو فرسودہ اور پرانے زمانے کی قرار دے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"عثمان بہت اچھا لڑکا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ جاب بھی اس کی بہت اچھی ہے۔ عادت کا بھی اچھا ہی لگتا ہے۔ ویسے عادتوں کا صحیح سے پتا تو اسی وقت چلتا ہے جب کسی سے رشتہ جوڑا جاتا ہے، لیکن بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں"۔ انہوں نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تمہاری کیا مرضی ہے؟ تمہیں کیسا لگا یہ رشتہ؟"۔ انہوں نے اس کی دلچسپی اس رشتے میں محسوس کر لی تھی۔ اسی لیے اسے کریدا۔

"پھوپھو شادی کبھی نہ کبھی تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ مجھے یہ رشتہ اچھا لگ رہا ہے۔ لمبی چوڑی سسرال میں میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ مجھے تو نند، دیور اور جیٹھ، جٹھانی وغیرہ کے نام سن کر ہی کوفت ہونے لگتی ہے۔ ساری زندگی رشتے نبھاتے رہو اور یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اگر آپ کہہ رہی ہیں کہ باقی سب کچھ ٹھیک ہے تو پھر میرا ووٹ اسی رشتے کی طرف ہے"۔

وہ حیرت سے اس کی بات سن رہی تھیں۔ انہیں شاید یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ رشتوں سے بیزاری کا یہ اظہار دانیا کر رہی ہے۔ جو یہاں سب کے ساتھ اتنی محبت سے رہتی رہی تھی۔

"آپ لوگوں کی بات دوسری ہے۔ آپ لوگ کوئی میرے سسرال والے تھوڑی ہیں۔ آپ لوگوں سے محبت اس وجہ سے ہے کہ آپ میری پھوپھو ہیں اور باقی سب آپ کے حوالے سے عزیز ہیں، لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں پھوپھو! مجھے سسرالی جھمیلوں سے اُلجھن ہوتی ہے، وہاں پنڈی میں بجو کی اتنی لمبی سسرال ہے۔ وہ سسرالی رشتے نبھا نبھا کر ختم ہو گئی ہیں۔ بجو کا حال دیکھ کر ہی میری یہ خواہش ہے کہ مجھے زیادہ لوگوں میں نہ رہنا پڑے"۔

وہ ان کے چہرے پر پھیلی حیرت کو بھانپتے ہوئے خود ہی اپنے رویوں کی وضاحت کرنے لگی۔ "ویسے تو کبھی نہ کبھی مجھے کراچی سے واپس پنڈی جانا ہی پڑ جاتا۔ اب اگر میری شادی کراچی میں ہو گئی تو میں آپ کے قریب ہی رہوں گی۔ آپ سے جلدی جلدی مل سکوں گی۔ بس آپ ان سے یہ کہہ دیجئے گا کہ شادی میں کم از کم ایک سال بعد کروں گی۔

ابھی عادل کی جاب کا مسئلہ ہے۔ تب تک تو شہود کی پڑھائی اور گھر کے اخراجات کا مجھے ہی سوچنا ہے‘‘۔

وہ بہت دوستانہ سے انداز میں ان سے ساری باتیں ڈسکس کر رہی تھی۔ اس کے یہ بات شروع کرنے پر جو انہیں بے باکی اور بدلحاظی کا احساس ہوا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا۔ انہیں ایسا لگا کہ وہ انہیں اپنا دوست سمجھ کر بالکل اسی طرح باتیں کر رہی ہے، جس طرح انسان دوستوں کے ساتھ کیا کرتا ہے اور دوست بزرگ بن کر نصیحتیں نہیں کیا کرتے۔ اس کی بھی وہی خواہش ہے جو اکثر لڑکیوں کی ہوا کرتی ہے۔ بس میں اور میرا شوہر۔ کوئی تیسرا فرد انہیں اپنے درمیان دیکھنا منظور نہیں ہوتا۔ اپنے گھر میں بہت سے بہن بھائیوں کے ساتھ خوشی خوشی محبت سے رہ لیں گی، لیکن سسرال میں دو تین افراد بھی انہیں بڑا خاندان اور وبالِ جان نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی خامی کا خود ہی اعتراف کر رہی تھی۔ وہ اسے کیا ٹوکتیں۔

’’ہم لوگ تو تمہارے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہے تھے، لیکن خیر اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ میں پنڈی فون کر کے نگین سے اس بارے میں بات کرلوں۔ پھر ہی تہمینہ کو کوئی جواب دیا جائے گا‘‘۔ وہ آہستگی سے کہتی ہوئیں اس کے پاس سے اُٹھ گئیں۔ نہ اس نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اس کے بارے میں ’’کچھ اور‘‘ کیا سوچ رہے تھے۔

اسے پھوپھو کی مروّت برتنے والی اس ادا پر ہنسی آئی، جو سوچ صرف اس کی ماں کی تھی، اس میں خود کو بھی شامل کر کے انہوں نے اسے فردِ واحد کی سوچ سے بدل کر دو لوگوں کی سوچ میں تبدیل کرلیا تھا۔

اس سے قبل کہ پھوپھو پنڈی فون کرتیں، اس نے خود امی کو فون کرلیا۔ بہت سنجیدگی سے اس نے انہیں اپنے لیے آئے، اس رشتے کے بارے میں بتایا۔

’’کیا جاب کرتا ہے ردا کا کزن؟‘‘ وہ ان کے سوال کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ وہ بندے کی حیثیت، مرتبے اور مالی پوزیشن کا اندازہ کرنا چاہتی تھیں، اگر اس کا اسٹیٹس پھوپھو کی فیملی سے اونچا ہے تو وہ ایک پل کے لیے بھی یہ بات نہیں سوچیں گی کہ ابھی دو روز پہلے وہ نند سے اس کے بیٹے کا رشتہ مانگ چکی ہیں اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس دوسرے رشتے کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گی۔ ایک طنزیہ مُسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی، ان کا یہ سوال سن کر۔

’’بہت اچھی جاب ہے اس کی۔ سیلری بھی بہت اچھی ہے، لیکن داؤد کے ساتھ اگر مقابلہ کیا جائے تو شاید اس سے آدھی تنخواہ ہوگی۔ تنخواہ کے ساتھ دیگر مراعات بھی اتنی شاندار نہیں جتنی داؤد کو میسر ہیں۔ پوسٹ بھی اس کے جتنی اونچی نہیں ہے۔ ملکوں ملکوں گھومنے کے وہ مواقع بھی نہیں جو داؤد کو حاصل ہیں۔ سوشل سرکل بھی داؤد کے جتنا وسیع نہیں اور تاجروں، صنعت کاروں اور اعلیٰ افسروں کے ساتھ کونیکشنز بھی داؤد کے جیسے نہیں۔ مختصراً یہ کہ داؤد کے ساتھ مقابلے میں ہر معاملے میں اس کے مارکس داؤد سے کم آئیں گے، لیکن اس کے باوجود میں اس رشتے کے حق میں ہوں اور یہ رشتہ اگر کسی وجہ سے نہیں بھی ہوسکا، تب بھی داؤد وقاص کے ساتھ، میں کبھی بھی اور کسی بھی قیمت پر شادی نہیں کروں گی۔ میں دُنیا کے کسی بھی مرد کے ساتھ شادی کرلوں گی، مگر اس کے ساتھ نہیں اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے‘‘۔

اس کا انداز اتنی قطعیت لیے ہوئے تھا کہ وہ جواب میں کچھ بول ہی نہیں سکی تھیں۔ اس کے لہجے میں ضد تھی،

سرکشی تھی، من مانی تھی۔ ایسے جیسے اب وہ کسی کی کوئی بات نہیں مانے گی۔ ان سے بات کرنے کے بعد کتنی دیر تک وہ چاپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے ان کے ساتھ اس لہجے میں بات کی تھی۔ اس وقت وہ خاموش بیٹھی اپنے لہجے کی بدصورتی پر افسردہ ہو رہی تھی۔

☆

پھوپھو کی امی سے رات میں بات ہوئی تھی۔ اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ ان کی امی سے کیا بات ہوئی ہے، لیکن اس نے انہیں اگلے روز تہمینہ باجی کو فون کرتے ضرور دیکھا تھا۔ انہوں نے تہمینہ باجی کو باقاعدہ رشتہ لے کر آنے کی دعوت دی تھی۔ ساتھ میں عثمان کو بھی بلایا تھا۔ شاید وہ یہ چاہتی تھیں کہ دانیا، عثمان کو دیکھ لے۔ شام میں وہ میرال کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی، جب داؤد بڑے غصیلے موڈ میں وہاں آیا۔

’’تمہارے امتحان سر پر ہیں اور تم بجائے پڑھنے کے بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہی ہو‘‘۔ اس نے درشتی سے میرال سے کہا۔

اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ایک نظر اس پر اور پھر ایک نظر میرال پر ڈالی جو ہمیشہ دوستوں کی طرح رہنے والے چاچو کو بلاوجہ غصے میں آتا دیکھ کر سہم گئی تھی۔ ڈانٹ کھا کر رونے والی شکل بنائے وہ وہاں سے اُٹھ گئی تو وہ خود وہیں بیٹھ گیا اور اس کے پاس پڑا ریموٹ کنٹرول اُٹھا کر چینل بدل دیا۔

’’الہ دین اور اس کے جادوئی چراغ کی کہانی دیکھنے کی عمر، میں عرصہ ہوا گزار چکا ہوں‘‘۔ اسکرین پر نظریں مرکوز کیے یہ طنزیہ جملہ بولا گیا تھا۔ وہ بغیر کوئی جواب دیئے خاموشی سے وہاں سے اُٹھ گئی۔

سیڑھیوں کی طرف جاتے اسے ریموٹ کے بہت زور سے پٹخے جانے اور پھر ٹی وی بند کیے جانے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر اس طرف نہیں دیکھا تھا۔

پھر رات گئے تک وہ اسے اسی چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتا نظر آیا۔ سب سے زیادہ شامت ثنین میرال اور شارم کی آئی ہوئی تھی۔ جن کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ اس سے عمر میں چھوٹے تھے۔ بات بے بات اس نے کئی بار ثنین کو یرال کو جھڑکا تھا۔

’’آپ کو کیا ہوا ہے داؤد بھائی؟‘‘ ثنین نے آخر ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

’’کیا ہوا ہے مجھے؟‘‘ وہ آنکھیں نکالے برہم سے انداز میں بولا۔

’’لگتا ہے آج آفس میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے اور اس کا غصہ گھر والوں پر اُتارا جا رہا ہے۔ اتنے تلخ اور مزاج ہو رہے ہیں۔ جو ڈش آج بھابھی نے پکائی ہے بالکل اسی جیسے‘‘۔ ثنین نے سامنے باؤل میں رکھے قیمہ بھرے کریلوں کی طرف اشارہ کیا تو عاصم بھائی اس کی تشبیہ پر مُسکرا دیئے، جبکہ وہ مزید غصے میں آ گیا۔

کھانے کی میز پر اس وقت عاصم بھائی، ثنین، داؤد اور دانیا موجود تھے۔ باقی لوگ ابھی کھانے کی میز پر نہیں ئے تھے۔

’’ہاں پاگل ہو گیا ہوں میں۔ بلاوجہ غصہ آ رہا ہے مجھے‘‘۔ وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اُٹھا اور پیر پٹختا ڈائننگ م سے نکل گیا۔ پیچھے ثنین اسے آواز دیتی رہ گئی تھی۔

''میں نے تو یونہی مذاق کیا تھا۔ داؤد بھائی ناراض ہو گئے''۔ اسے بھائی کا بغیر کھانا کھائے اُٹھ جا بہت تکلیف پہنچا رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اس کے پیچھے گئی تھی۔ اسے منانے اور واپس بلانے کے لیے لیکن اس نے کھا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ روزانہ کی طرح رات میں پھوپھو کے کمرے میں ان کے ساتھ باتیں کرنے کے ارادے سے آئی تو داؤد ان کے ساتھ بیٹھا نظر آیا۔ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھا وہ بڑے رازدارانہ اور خفیہ انداز میں کوئی بات کر رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ یک دم ہی لب بھینچ کر بالکل خاموش ہو گیا۔ پھوپھو نے اسے بیٹھنے کی آفر کی، لیکن ان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ کوئی بہت ضروری بات کر رہے ہیں اور اس نے انہیں ڈسٹرب کر دیا ہے۔ اس نے انکار کیا تو انہوں نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ کمرے میں واپس آ کر وہ آنے والے دن کے بارے میں سوچنے لگی۔

کل پھوپھو نے رات کے کھانے پر تہمینہ باجی کو انوائیٹ کر رکھا تھا۔ ان کے انداز سے تو یہ لگ رہا تھا کہ وہ کل ہی ہاں کروا کر جائیں گی۔

اگلے روز اس نے آفس کی چھٹی کی تھی۔

آج کی دعوت اس کے ہونے والے سسرالیوں کی تھی۔ پھوپھو تو عام مہمانوں کے لیے بھی بہت مہمان نواز خاتون ثابت ہوئی تھیں تو پھر بھتیجی کے سسرالیوں کے لیے تو انہوں نے لازمی بہت شاندار سے ڈنر کا اہتمام کرنا تھا۔ پھوپھو اور بھابھی دن بھر لگ کر اس کے سسرالیوں کی خاطر مدارت کا اہتمام کریں اور وہ شان بے نیازی سے آفس چل دے۔ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی، اس لیے آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ پھوپھو نے اسے آفس کے لیے تیار نہ ہوتا دیکھ کر استفسار کیا تو اس نے انہیں اپنی چھٹی کا بتا دیا۔

''لیکن وہ لوگ تو آج نہیں آ رہے''۔ ان کا جواب اسے حیران کر گیا۔

''کیوں؟''

میں نے ہی رات تہمینہ کو آج کے لیے معذرت کی تھی۔ اصل میں آج مجھے کچھ کام ہے''۔ انہوں نے جواب دیا۔

''پھر کب آئیں گے اب وہ لوگ؟'' ابھی اس کا سوال مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ داؤد کچن میں آ گیا۔

''بہت بے قراری ہے شادی کرنے کی۔'' عجب تمسخرانہ انداز میں اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ اسے آتا دیکھ کر ہی جھنجلا گئی تھی۔ مزید کسر اس کے جملے نے پوری کر دی تھی۔ پھوپھو نے بیٹے کو گھور کر دیکھا، لیکن وہ ان کے گھورنے کی پروا کیے بنا فریج میں سے کچھ نکالنے لگا تھا۔

''اب شاید کل آئیں گے وہ لوگ''۔ دانیا کے چہرے پر پھیلتی ناگواری اور غصہ دیکھ کر انہوں نے رسانیت سے جواب دیا۔ وہ ان سے مزید کوئی سوال جواب کیے بغیر کچن سے نکل گئی تھی، جبکہ وہ ہنوز کچن میں کھڑا پانی پیتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''شاید کل آئیں گے''۔ باہر نکل کر اس نے پھوپھو کا جواب دہرایا۔

''یہ شاید کیا ہوتا ہے؟'' وہ اُلجھی۔

''آئیں گے یا نہیں آئیں گے، ان دو باتوں کے بیچ یہ شاید کہاں سے ٹپک پڑا''۔

شام تک وہ اسی بات پر اُلجھتی رہی تھی۔ ثمین کو ندا سے کوئی کام تھا۔ وہ کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی تھی، اس پڑھائی کے حوالے سے ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑ جایا کرتی تھی۔

''چچا کے گھر جا رہی ہوں میں، آپ چلیں گی، میرے ساتھ؟'' ثمین نے اس سے پوچھا تھا۔ چچا کا گھر قریب ہی تو تھا لیکن شاید اس وقت ہلکا ہلکا سا اندھیرا پھیلتا دیکھ کر وہ اکیلے جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ ثمین کے ساتھ جانے کے لیے اُٹھ گئی تھی۔ چچا کے گھر پہنچ کر ثمین تو ندا کے ساتھ مصروف ہو گئی، جبکہ وہ سحر اور چچی کے ساتھ باتیں کر کے ثمین کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

ابھی انہیں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے داؤد اندر آتا نظر آیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ وہیں لاؤنج میں ہی فواد کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ بیچ بیچ میں چچی اور سحر سے بھی اس کی ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی۔ چچی نے اسے سحر کے کسی رشتے کے بارے میں بتایا تو وہ اس سے بولا۔

''اچھا تمہیں بھی شادی کی جلدی ہو رہی ہے''۔

''یہ بھی کا کیا مطلب ہے داؤد بھائی اور کس کس کو جلدی سے شادی کی''۔ فواد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''یہی آج کل کی لڑکیوں کو اور کس کو، جسے دیکھو جلد سے جلد شادی کروانے کے شوق میں مبتلا ہے۔ پہلے لڑکیاں اپنے شادی بیاہ کے ذکر پر شرما جایا کرتی تھیں، اب تو وظیفے پڑھ پڑھ کر جلدی سے شادی ہو جانے کی دعائیں مانگا کرتی ہیں''۔ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ فواد بھی اس کے کمنٹس پر ہنسنے لگا تھا، جبکہ سحر ان جملوں کا بُرا مان گئی تھی۔

''میں نے کوئی وظیفہ نہیں پڑھا اور نہ ہی مجھے شادی کا کوئی شوق ہے''۔

وہ کچھ دیر تو یہ باتیں برداشت کرتی رہی، مگر پھر یہ سوچ کر کہ جب تک وہ یہاں بیٹھی رہے گی، وہ اسی پر اس طرح طنزیہ فقرے اُچھالتا رہے گا، گھر واپسی کے لیے کھڑی ہو گئی۔

''تمہیں تو ابھی دیر لگے گی۔ میں چلتی ہوں''۔ وہ نسبتاً الگ تھلگ سے صوفے پر ندا کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھی ہوئی ثمین سے مخاطب ہوئی اور پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی۔

باہر سرد ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی چچی اور سحر کے ساتھ کراچی کے اس غیر متوقع سرد موسم پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔ وہ لوگ اس سرد موسم کو بہت انجوائے کر رہے تھے۔

''کبھی کبھار سالوں میں تو ایسا موسم یہاں آتا ہے۔ آج کل تو ہم لوگ کراچی میں بیٹھ کر مری کے موسم کا مزہ لے رہے ہیں''۔ سرد ہوا سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر تیز تیز چلتے اسے سحر کا موسم کے حوالے سے کہا گیا جملہ یاد آیا۔

پتا نہیں جو موسم سب لوگوں کو بہت اچھا لگ رہا تھا، وہ اسے کیوں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ یہ خوب صورت موسم بھی اس کی بیزاری اور اُداسی کو دور نہیں کر پایا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ نہ اسے یہ سرد ہوا کے جھونکے خوشگوار سی سردی کا احساس دلا رہے ہیں۔ نہ آسمان پر چمکتا چودھویں کا چاند اسے دلکش لگ رہا ہے۔ نہ درخت نہ پھول، نہ ہوائیں، اسے کچھ اپیل نہیں کر رہا اور اپنی اُداسی کی وجہ وہ دانستہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ خود اپنے آپ سے وہ اس وجہ کو چھپا لینا چاہتی تھی۔

اپنے پیچھے اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔اس سے پہلے کہ وہ مُڑ کر دیکھتی، وہ قدم اس کے برابر آ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔سر اُٹھا کر دیکھے بغیر وہ اسے اس کے مخصوص پرفیوم کی وجہ سے پہچان گئی تھی۔

یہ خوشبو اس کے لیے اتنی مانوس ہے کہ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اسے پہچان گئی ہے۔اس بات پر وہ خود اپنے آپ سے ہی خفا ہو گئی۔

''سنا ہے شادی کے لیے آپ کو ایک عدد لاوارث بندے کی تلاش ہے۔وہ جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو، نہ ماں باپ، نہ بھائی بہن۔'' آہستہ آواز میں، لیکن بڑے کڑک دار انداز میں کہا گیا تھا۔

وہ سر اُٹھا کر دیکھے بغیر جس طرح پہلے چل رہی تھی، اسی طرح چلتی رہی بنا جواب میں کچھ بولے۔

''اور سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آپ کو سسرالی رشتے زہر لگتے ہیں، اسی لیے آپ ایک انجانے اور ان دیکھے شخص کا رشتہ قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئیں، محض اس وجہ سے کہ وہ اپنے گھر میں اکیلا رہتا ہے۔حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک آپ کو ایک ایسا گھر جہاں بہت سے لوگ تھے اور بہت سے رشتہ تھے، آئیڈیل لگا کرتا تھا۔آپ کو وہ گھر اپنا ہی گھر لگا کرتا تھا، سوچ کی اس اچانک تبدیلی کو کیا نام دیا جائے؟ قول اور فعل کا تضاد یا پھر مجھ سے پیچھا چھڑانے کی ایک احمقانہ کوشش''۔اس طنزیہ جملے کے اختتامی حصے نے اسے قدرے مشتعل کر دیا تھا۔

''اپنے انتہائی پرسنل معاملات کے بارے میں، میں نے آپ سے کوئی رائے نہیں مانگی۔میں شادی کس سے کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں۔یہ سراسر میرا ذاتی معاملہ ہے''۔

''مجھے کوئی رائے دینے کے لیے تمہاری اجازت درکار بھی نہیں ہے''۔طنزیہ انداز ترک کر کے وہ بھی غصے میں آ گیا تھا۔

''اور تمہارے ذاتی معاملوں کی کیا بات ہے۔مجھ سے کسی بھی طرح تمہاری جان چھوٹ جائے، چاہے اس کے لیے تمہیں چراغ دین کے آٹھ بچوں کی سوتیلی اماں ہی کیوں نہ بننا پڑ جائے۔تم وہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لوگی''۔

وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا غرایا۔اپنا نام گھر میں کام کرنے والے مالی کے ساتھ جوڑے جانے پر اس نے طیش کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔وہ سامنے دیکھتا بہت غصیلے انداز میں چل رہا تھا۔اس کے دیکھنے کو محسوس کر لینے کے باوجود اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

''اس کے گھر میں بھی تمہیں سسرالی رشتوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا پڑے گا۔صرف اس کے معصوم سے بچے ہی تو ہوں گے وہاں پر اور سوتیلے بچے غالباً سسرالی رشتہ داروں کی فہرست میں نہیں آتے۔آج کل وہ ہے بھی دوسری شادی کے چکر میں، کہو تو تمہارے لیے وہاں کوشش کروں؟''

اس کا انداز استہزائیہ بلکہ کسی حد تک ہتک آمیز تھا۔ایسے جیسے وہ جان بوجھ کر اسے اشتعال دِلانا چاہ رہا ہو۔

''آپ انتہائی فضول باتیں کر رہے ہیں۔مجھے افسوس ہو رہا ہے، آپ کی ان بے ہودہ باتوں پر''۔

''تم دوسروں کے جذبات کا جس طرح چاہے مذاق اڑا لو۔تمہیں پورا پورا حق حاصل ہے اور وہ جواب میں اُف تک نہ کریں۔صرف یہی ہے ناں کہ میں نے فلمی ہیروز کی طرح کوئی تھرڈ کلاس قسم کے ڈائیلاگز نہیں بولے تھے۔باقی تو کوئی کمی نہیں تھی، میرے خلوص میں''۔وہ اس کی بات پر بڑے جارحانہ انداز میں اس کی طرف گھوما۔

اب کی بار وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا، جبکہ وہ خود مسلسل اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیوں کر رہی ہو تم یہ بے وقوفانہ حرکتیں۔کیا مل رہا ہے تمہیں یہ سب کر کے''۔اس کے چہرے پر بکھری اُداس سی خاموشی نے اسے جارحانہ انداز ترک کر کے نرمی اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا۔

''تم مجھ سے کیوں بھاگ رہی ہو دانیا! ایسا کیا ہو گیا ہے جو تمہیں مجھ سے دور بھاگنے پر مجبور کر رہا ہے''۔اس کے اس نرمی بھرے سوال نے اسے بُری طرح نروس کر دیا تھا۔جو بات وہ کسی بھی قیمت پر اس کے ساتھ ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ خود بخود اس بات کا سرا پکڑنے لگا تھا۔اس نے اپنے قدموں یک رفتار بڑھا کر اس سے آگے ہو جانا چاہا۔

''میری بات کا جواب دو تم.........''اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور خود بھی رُک گیا۔

''میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔مجھے گھر جانا ہے''۔اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''سڑک پر تماشا بن رہا ہے''۔اپنی کوشش کی ناکامی کے بعد کچھ عاجز آ کر اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

''میں تو صرف سڑک پر ہی تماشا بنا رہا ہوں۔تم نے تو میری پوری زندگی کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔امی کہہ رہی ہیں کہ دانیا انہیں بہت پسند ہے، لیکن خود اسے بھابھی کا وہ اسٹوپڈ کزن اگر پسند آ رہا ہے تو پھر وہ اسے نہ تو اپنی مرضی کے کسی فیصلے کے لیے مجبور کر سکتی ہیں اور نہ ہی کسی بھی طرح اسے پریشرائز کرنے کے حق میں ہیں۔پچھلے چار روز سے اس عذاب میں مبتلا ہوں۔صدام حسین کو تو اپنا ملک تباہی اور بربادی سے بچانے کے لیے پھر سات دِن کی مہلت ملی تھی، مجھے اپنا شہر محبت بچانے کے لیے صرف ایک دِن ملا ہے۔صرف ایک دن اور یہ ایک دن بھی کل رات امی کے ساتھ بہت بحث وتکرار کے بعد میں نے حاصل کیا ہے۔انہوں نے صاف صاف مجھ سے کہا ہے کہ آج ہی انہوں نے بھابھی کی کزن کو فون کرنا ہے یا کل بلانے کے لیے یا کبھی بھی نہ بلانے کے لیے۔ان کا کہنا ہے کہ وہ بلا وجہ کسی کو آس اور امید میں نہیں رکھنا چاہتیں۔یا ہاں ہو یا شادی اور میں ان سے ایک دن کی مہلت لے کر آیا ہوں۔یہ کہہ کر کہ اگر آپ کی بھتیجی بہت ضدی اور خودسر ہے تو میں بھی کم ضدی اور خودسر نہیں۔تم ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔بس صرف اتنی سی بات ہے۔اس سے زیادہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا''۔

اس کا لہجہ بہت ضدی اور اپنی بات کسی بھی قیمت پر منوا لینے والا تھا۔اس کا راستہ روک کر، اس کے بالکل سامنے جم کر وہ کچھ اس انداز میں کھڑا تھا، گویا اپنی بات کا جواب لیے بغیر اسے وہاں سے ہلنے بھی نہیں دے گا۔اس نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر یہ بات کبھی بھی نہیں کہہ سکے گی۔یہ بات اسے معلوم تھی اور اسی بات پر اسے خود پر سخت قسم کا غصہ آ رہا تھا۔

''پھوپھو کو اگر میں پسند ہوں تو پھر یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔بحیثیت بھتیجی کے تو میں انہیں پسند ہو سکتی ہوں، مگر بہو بنانے کے لیے کبھی بھی نہیں۔کیا وہ ان لوگوں کے ساتھ نئے رشتے جوڑنے کے لیے آمادہ ہو سکتی ہیں، جنہوں نے پہلے سے موجود رشتوں ہی کا کبھی کوئی بھرم نہ رکھا ہو۔میرا خیال ہے کہ پھوپھو نے یہ بات آپ سے یونہی مروتاً کہہ دی ہے کہ دانیا انہیں پسند ہے۔ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ دانیا انہیں پسند نہیں۔ہاں البتہ دانیا کی ماں کو ان کا بیٹا اپنی بیٹی کے لیے دِل و جان سے پسند ہے''۔

وہ بہت تلخ سے انداز میں بولی۔ اس کے لہجے میں خود اذیتی کی جھلک تھی۔ اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد اس نے داؤد کی طرف دیکھا۔ شاید اپنی بات کا ردِعمل اس کے چہرے پر پڑھنا چاہتی تھی۔

''تمہیں یہ بات بُری لگی ہے کہ ممانی یہاں رشتے کی بات کر کے گئی ہیں؟'' اس نے بردباری سے پوچھا۔ وہ اس کے اصل بات جاننے پر ذرا بھی متعجب نہیں ہوئی۔ البتہ ذلت کا احساس مزید شدت سے اس کے دِل میں اُبھرا تھا۔

''میں یہاں نہ رشتے طے کروانے آئی تھی، نہ اپنی شادی کا مسئلہ حل کروانے۔ میں صرف اپنی جاب کے لیے کراچی آئی تھی۔ ہاں آپ لوگوں کے گھر کا ماحول مجھے شروع دِن سے بہت اچھا لگا۔ میں نے ہمیشہ اسے آئیڈلائز کیا۔ یہاں سب کے ساتھ گھل مل کر رہنا مجھے اچھا لگتا تھا۔ پھوپھو کا محبت بھرا اور شفیق انداز میرے دِل کو بھاتا تھا۔ اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں تھی، لیکن اب جو یہ ساری باتیں ہو رہی ہیں، یہ سب سوائے مجھے ہرٹ کرنے کے کچھ نہیں دے رہیں اور آپ لوگ آخر اتنے اچھے اور فرشتہ صفت بننے کی کوششیں کیوں کر رہے ہیں، جن لوگوں سے آپ لوگوں کو نفرت کرنا چاہیے، آپ ان سے نفرت کیوں نہیں کرتے۔ مجھے نارمل انسان اچھے لگتے ہیں۔ فرشتوں اور دیوتاؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میری ماں نے کبھی پھوپھو کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا اور اب جب آپ لوگ ہم سے زیادہ بلند اور بہتر معیارِ زندگی رکھتے ہیں تو ہمیں سب ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے کا خیال آ گیا ہے۔ مجھے ترس اور ہمدردی سے نفرت ہے''۔

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ خود کو رونے سے روک رہی تھی، لیکن یہ سب کچھ اتنا تکلیف دہ تھا کہ اسے آنسوؤں پر بند باندھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''میں نہ دیوتا ہوں اور نہ فرشتہ۔ یقین کرو میں بالکل عام سا انسان ہوں۔ میں اتنا ہی اچھا یا اتنا ہی بُرا ہوں جتنا ایک نارمل انسان ہوا کرتا ہے۔ تم ان ساری باتوں کو بہت جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو۔ ممانی سے کیا ہم لوگ نئے نئے ملے ہیں جو ان کے مزاج سے ناواقف ہوں۔ ہم انہیں ایک عرصے سے جانتے ہیں اور ان کے مزاج کی تمام اچھائیوں اور تمام برائیوں کے ساتھ انہیں قبول کر چکے ہیں۔ سب لوگ ویسے نہیں ہو سکتے جیسا ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم اس بات کو اتنی جذباتیت اور اتنی شدت کے ساتھ کیوں سوچتی ہو کہ تمہاری امی ویسی نہیں جیسا تم انہیں دیکھنا چاہتی ہو۔ تم ان کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرو، انہوں نے بہت کچھ پا کر کھو دیا ہے۔ وہ ابھی تک کھو دینے کی اس صدماتی کیفیت میں ہیں۔ اب اس عمر میں آ کر وہ نہیں بدل سکتیں۔ بہتر ہے تم انہیں ان ہی عادتوں کے ساتھ قبول کر لو''۔ اس نے متانت سے کہا۔
وہ خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب دوسری بات جو تم نے اس بارے میں کی کہ مجھے تم سے نفرت ہونی چاہیے تھی۔ میں نے کبھی تم سے اور تمہاری فیملی سے نفرت نہیں کی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تم لوگوں کی میری نزدیک ایسی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی کہ میں تم لوگوں کے بارے میں سوچتا اور نفرت کرتا۔ ہاں جب تم یہاں آئیں تو شروع شروع میں تم میرے لیے ایک عام سی کزن اور ایک عام سی مہمان تھیں۔ ایسی کزن اور مہمان جس کی میرے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ لڑکے اپنی آئیڈیل لڑکی میں اپنی ماں کی اور لڑکیاں اپنے باپ کی سی عادتیں دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ

ہے۔ میں نے جب کبھی اس آئیڈیل لڑکی کے بارے میں سوچا جسے میں اپنی شریکِ حیات بنانے کا فیصلہ کرتا تو لاشعوری طور پر میں اس میں اپنی ماں کی جیسی عادتیں دیکھنے کی خواہش کیا کرتا تھا۔ دوسروں کو چھوڑ خود ہم گھر والوں اور خاص طور پر میرے لیے وہ ایک بہت ہی سیدھی اور نئے زمانے کے تقاضوں سے مطابقت نہ رکھنے والی خاتون ہیں۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی سادگی اور مروّت کو ہمیشہ میں نے برملا تنقید کا نشانہ بنایا، لیکن پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ جب کبھی میرے راستے میں کوئی رُکاوٹ آئی، کہیں میں ناکام ہونے لگا تو ایک اَن دیکھی قوت مجھے اس مشکل سے نکال لائی۔
بہت سی جگہوں پر مجھ سے بھی بڑھ کر قابل اور ذہین لوگ موجود ہیں، لیکن ان کے ہوتے ہوئے بھی کامیابی اور سرخروئی میرے ہی حصے میں آتی ہے۔ میں نے آج تک کبھی ان کے منہ پر یہ بات قبول نہیں کی، لیکن میں جانتا ہوں کہ ہم بہن بھائیوں نے جہاں جہاں اور جو جو کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں، ان سب کے پیچھے ہماری ماں کی اچھائیاں اور نیکیاں ہی کارفرما ہیں۔ تم بہت سی باتوں میں ان کے جیسی ہو۔ پہلی مرتبہ میں تمہیں اہمیت دینے پر اس وقت مجبور ہوا تھا، جب تم نے ثمین کی ایک غیر اخلاقی حرکت کو بڑی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اگنور کر دیا تھا۔ وہی دِن تھا جب سے میں نے تمہارے بارے میں مختلف انداز سے سوچنا شروع کیا۔ ہر گزرتے دِن کے ساتھ تمہاری شخصیت میرے سامنے واضح ہوتی چلی گئی۔ اگرچہ تم پوری کی پوری امی جیسی نہیں ہو۔ وہ تمہاری طرح ضدی نہیں۔ وہ تمہاری طرح جذباتی اور جلد باز بھی نہیں۔ ان میں صبر، تحمل اور برداشت بہت زیادہ ہے، لیکن پھر بھی بعض باتوں میں تم کچھ کچھ ان کے ہی جیسی ہو''۔

وہ بہت رسانیت اور سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اس نے چھوڑ دیا تھا، لیکن وہ دونوں ابھی بھی اسی طرح سڑک کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے۔

''ثمین کے نکاح کے اگلے روز تمہاری غیر معمولی خاموشی اور خفگی کی میں یہ وجہ سمجھا کہ تمہیں ممانی کا عاصم بھائی اور مجھ سے عادل کی جاب کے بارے میں بات کرنا اچھا نہیں لگا ہے۔ جس لڑکی کو صرف اتنی سی بات بہت بڑا احسان نظر آتی ہو کہ میں یا عاصم بھائی اسے اس کے آفس تک ڈراپ کر دیں۔ وہ اس بات کو کس طرح پسند کر سکتی تھی کہ بھائی کی جاب کے لیے ہمارا احسان لے، لیکن پھر جس طرح تم نے آناً فاناً رشتہ قبول کیا اور شادی کے لیے آمادہ نظر آنے لگیں، اس نے مجھے چونکایا۔ مجھے احساس ہوا کہ بات یہ نہیں۔ اصل بات شاید کچھ اور ہے۔ پھر میں امی کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ آج کل میں مجھ سے تم سے شادی کے بارے میں میری رائے معلوم کرنے والی تھیں اور یہ کہ خود ممانی بھی اس بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کر کے گئی ہیں، لیکن تمہارا انٹرسٹ اس دوسرے رشتے میں ہے، تو پھر ظاہری بات ہے وہ تمہیں مجبور نہیں کر سکتیں۔

امی کو تمہارے اس فیصلے سے بہت دُکھ ہوا ہے۔ جو باتیں تم سوچ رہی ہو، وہ ہم میں سے کسی نے بھی تمہارے بارے میں کبھی نہیں سوچیں۔ پلیز اس طرح کی احمقانہ سی جذباتیت میں مبتلا ہو کر اپنے اور میرے لیے مشکلات مت پیدا کرو''۔ بہت نرمی اور رسانیت سے وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا واقعی سب مجھے اتنا عزیز رکھتے ہیں۔ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں، لیکن میں اتنی اچھی ہوں تو نہیں''۔ وہ اچانک ہی رو پڑی تھی۔ ان گزرے دنوں میں اس نے خود کو بہت حقیر اور کمتر محسوس کیا تھا۔ اپنے گزشتہ ایک ایک

عمل اور ایک بات پر وہ ان گزرے دنوں میں شرمندہ ہوئی تھی۔ خود اپنے آپ کو وضاحتیں دیتی رہی تھی۔

''اس گھر کے محبت بھرے ماحول نے مجھے اچھا بنا دیا، ورنہ مجھ میں کوئی خوبی نہیں۔ سوائے اس کے، کہ میرے لیے زندگی میں سب سے اہم چیز محبت ہے۔ یہ بہت شدّت سے مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہاں مجھے ہر جگہ محبت ہی محبت نظر آئی۔ اس محبت نے مجھے باندھ لیا۔ مجھے بہت اچھا بنا دیا۔ میں دولت پرست نہیں۔ مجھے بڑے بڑے مکانات اور قیمتی گاڑیوں کی چاہ نہیں۔ میرے لیے انسانوں کی اچھائی اور برائی ناپنے کا پیمانہ دولت نہیں۔ میں لوگوں کے رویوں میں خلوص ڈھونڈتی ہوں۔ آپ کو میں بہت اچھا انسان سمجھتی ہوں، اس کی وجہ آپ کا اسٹیٹس نہیں، جو عادتیں آپ میں ہیں، وہی سب ہوتیں، لیکن آپ کہیں کوئی بہت معمولی سی جاب کر رہے ہوتے، میں تب بھی آپ کو اتنا ہی اچھا سمجھتی، جتنا اب سمجھتی ہوں''۔

وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی، اس کی یہ بات سن کر اس کے لبوں پر اچانک ہی بہت خوش گوار اور شوخ سی مُسکراہٹ بکھری تھی۔

''شکر ہے۔ آخر کار تمہارے منہ سے میرے لیے کوئی تو تعریفی جملہ نکلا۔ کتنی دیر سے میں تمہاری تعریفیں کیے چلا جا رہا ہوں اور جب ہم کسی کی تعریف کرتے ہیں تو دِل ہی دِل میں توقع کر رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں بھی جوابی تعریف سے نوازا جائے گا۔ ویسے تمہارے جملے سے مجھے تھوڑا سا اختلاف ہے۔ اگر تم یوں کہتیں کہ میں تب بھی آپ ہی سے محبت کرتی تو بات زیادہ خوب صورت اور زیادہ سچی لگتی''۔

اس کا یہ برجستہ اور شوخ سا انداز اس کے لبوں پر بھی مُسکراہٹ لے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور لبوں پر مُسکراہٹ تھی۔ داؤد نے اس منظر کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔

''کبھی تم نے بہت تیز بارش میں اچانک ہی دھوپ نکلتے دیکھی ہے''۔ وہ ایک دم جھینپ سی گئی تھی۔ بے اختیار اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور فوراً ہی چلنا شروع کر دیا۔ چند لمحے تک تو احساس نہیں ہوا تھا، لیکن اب یہ سوچ کر وہ سڑک پر اس کے عین سامنے کھڑے ہو کر روئی ہے۔ اسے کچھ شرمندہ سا کر گیا تھا۔ اسے چلتا دیکھ کر وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

''خوب صورت لڑکی! اتنی بے دردی سے بھی نہ پیش آؤ اپنے ساتھ''۔ اسے اسی طرح دوپٹے سے چہرہ رگڑتے دیکھ کر اس نے ٹوکا۔ وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''تمہیں پہلی مرتبہ اس خوش فہمی میں مبتلا کس نے کیا تھا کہ تم خوب صورت ہو''۔

وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ اسے باتوں میں اُلجھا کر اس نے قصداً گھر پہنچنے کے لیے لمبا راستہ اختیار کیا تھا اور اب وہ دِل ہی دِل میں اس بات پر پچھتا رہی تھی کہ اسے کچھ دیر پہلے اس بات کا احساس کیوں نہیں ہوا تھا۔ اب بقیہ تمام راستہ اسے اسی قسم کی گفتگو کا سامنا کرنا تھا۔ وہ اس کے جواب نہ دینے پر ذرا بھی بُرا نہیں مانا تھا، بلکہ اسی طرح مُسکرا رہا تھا۔

''تمہاری وہ فیوریٹ ہارر مووی میں دو مرتبہ دیکھ چکا ہوں اور دو مرتبہ دیکھنے کے باوجود بھی میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس میں ڈرنا کہاں تھا۔ سوچ رہا ہوں، اب اس کی ایک DVD خرید لوں اور پھر تیسری مرتبہ اسے تمہارے ساتھ دیکھوں۔ تم مجھے بتانا اس میں کس جگہ پر ڈرنا ہے اور میرا خیال ہے، ہماری شادی کا دِن وہ مووی دیکھنے کے لیے

آئیڈیل دِن ہو گا''۔ وہ ہنوز اسی شرارتی سے موڈ میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

''آپ خوامخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ میں نے اتنی دیر میں یہ بات تو ایک دفعہ بھی نہیں کہی کہ میں آپ سے شادی کے لیے راضی ہو گئی ہوں''۔ اپنے نروس ہونے اور احمقانہ سے انداز میں شرمائے چلے جانے پر اسے خود پر بے تحاشا غصہ آیا تھا اور غصے کے ردِّعمل کے طور پر یہ جملہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''خوامخواہ بے تکلف ہو رہا ہوں......'' اس نے بڑے افسوس بھرے انداز میں اس کی کہی بات دُہرائی۔

''جس لڑکی نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ اگر چراغ دین کی جگہ میں اس کے گھر کا مالی ہوتا یا پھر ادریس کی جگہ اس کے گھر کا ڈرائیور ہوتا تو وہ تب بھی مجھ ہی سے محبت کرتی۔ اگر میں اس لڑکی کے ساتھ بے تکلف نہ ہوں تو پھر تمہارے خیال میں مجھے کس کے ساتھ بے تکلف ہونا چاہیے؟''

بہت دُکھ بھرے انداز میں یہ سوال پوچھا گیا تھا۔ وہ اس کی بات سُنی اَن سُنی کر کے سردی سے بچنے کے لیے دوپٹہ اپنے گرد اچھی طرح لپیٹنے لگی تھی۔

''یہ لے لو''۔ اس نے اپنی جیکٹ اُتار کر اس کی طرف بڑھائی۔

''شکریہ''۔ اس نے جیکٹ لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں کیا۔

''یہ لڑکیوں کے سامنے ہیرو بننے کا اچھا طریقہ ہوتا ہے۔ اپنا کوٹ یا جیکٹ انہیں پیش کر دی جائے، خود کو پھر چاہے سردی سے بخار چڑھ جائے یا نمونیا ہی کیوں نہ ہو جائے''۔ وہ اس کے کمنٹس پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''دیکھو، اس سال یہ موقع ملا ہے۔ اگلے دسمبر میں پتا نہیں سردی اپنی جھلک دکھائے گی بھی یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو، میں تمہارے سامنے ہیرو بننے کی سعادت سے محروم رہ جاؤں''۔

اسے خود بھی ہنسی آ گئی تھی اور یونہی ہنستے ہوئے اس نے وہ جیکٹ اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔

''اور سنو، امی ویسے چاہے جتنی بھی اچھی ہوں، لیکن انہیں پھوہڑ لڑکیاں بہت بُری لگتی ہیں۔ تم آملیٹ بنانا سیکھ لو، ورنہ پھر پھوہڑ پن پر طعنے سننے کے لیے تیار ہو جاؤ''۔ اس نے جیسے اسے ڈرانا چاہا۔

''میں ہارر موویز دیکھ کر ڈرنا بھی چھوڑ دوں گی، آملیٹ بنانا بھی سیکھ لوں گی، لیکن آپ سے بھی میری ایک درخواست ہے''۔ اس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، وہ مُسکراتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ تعلیم بالغان، علم کی روشنی گھر گھر پہنچاؤ اور تعلیم سب کے لیے .... قسم کے تمام سماجی اور معاشرتی بھلائی کے کام کرنا چھوڑ دیں گے۔'' اس نے بظاہر بہت سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''وعدہ میں بے شک کر لیتا ہوں، لیکن تم اسے اسی قسم کا ایک وعدہ سمجھو، جیسا ہمارے حکمران، غریب عوام کے ساتھ اکثر کرتے رہتے ہیں اور جس کے ایفا ہونے کی کوئی اُمید نہیں ہوتی''۔

وہ لوگ گھر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی پھوپھو نے ان دونوں کو ایک ساتھ آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ داؤد کی دانیا کے ساتھ کیا بات ہوئی ہے اور دانیا نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ یہ سوال انہیں ان دونوں سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو جیکٹ اس نے پہن رکھی تھی، اسے دیکھنے کے بعد کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں بچی تھی۔ ایک نظر ان دونوں کے مُسکراتے ہوئے چہروں پر ڈال کر وہ فوراً ہی کھڑکی کے پاس

سے ہٹ گئی تھیں۔ کارڈلیس اُٹھا کر انہوں نے بہت تیز تیز ایک نمبر ملانا شروع کیا تھا اور دوسری طرف وہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

''محبت کے اس شہر میں، میں تمہیں خوش آمدید کہہ رہا ہوں۔ یہاں ہم لڑیں گے بھی، جھگڑا بھی کریں گے۔ ایک دوسرے سے اختلاف بھی کریں گے، لیکن محبت ہمارے درمیان تعلق کی سب سے بنیادی وجہ ہمیشہ رہے گی''۔

❁......❁

ہم خواب کیوں دیکھیں

''بھئی واہ کیا معصوم ہیروئین تھی۔'' ایمن نے ڈائجسٹ زور سے بند کرتے ہوئے بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی بال برش کرتی رامیہ اس کے انداز پر مُسکرا دی تھی۔

''اس طرز کی دو چار معصومائیں اور پیدا ہوگئیں تو ہم جیسوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے انہیں یہ نہیں پتا کہ ان کی شادی ہیرو یعنی کزن صاحب سے ہو رہی ہے۔ سارے جگ کو پتا ہے مگر بے چاری معصومہ لاعلم ہیں۔ شادی والے دن جب دولہا صاحب کمرے میں تشریف لاتے ہیں تو وہ حیران رہ جاتی ہیں اور تمام رنگ ان کے چہرے پر آجاتے ہیں۔ یا یہ ہیروئن بات بے بات لال، گلابی، سرخ، ہری اور نیلی کیوں ہو جاتی ہیں''۔ ایمن بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولی۔

''بھئی ہیروئن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی ہی ہو۔ تم نے پرانی پاکستانی اور انڈین فلموں میں۔

''ہٹیے بڑے وہ ہیں آپ۔ جایئے کوئی دیکھ لے گا''۔ ٹائپ ڈائیلاگ نہیں سنے۔ ہیروئن کے بولنے کا اسٹائل بھی ایسا ہوتا ہے، جیسے بے چاری دمے کی دائمی مریضہ ہے۔ یعنی یہ کہ یہ روایت ہے کہ ہیروئن اور کچھ ہو نہ ہو شرمیلی ضرور ہو''۔ رامیہ اپنے سلکی کمر تک آتے بالوں کو بینڈ میں جکڑتے ہوئے بولی۔ اسے اپنے بالوں کے ساتھ نئے تجربات کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ کبھی انہیں پرم کروالیتی، کبھی اپنے کسی بھی پسندیدہ رنگ میں ڈائی کروالیتی اور کبھی سیدھے۔ ایمن اس کی ان حرکتوں پر سخت چڑا کرتی تھی۔

''اری کمبخت قدر کر لے ان بالوں کی، مت یہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کیا کر۔ ہمیں دیکھو مجال ہے بال بڑھ جائیں، چاہے کتنے ہی جتن کرلو''۔ وہ کہا کرتی۔

''ارے یہ ہیروئنز اپنے مطلب کے وقت معصوم اور شرمیلی بنتی ہیں۔ معصومیت پر تو یہ حال ہے کہ امریکہ پلٹ کزن کو پہلی ہی ملاقات میں اپنی طرف متوجہ کروالیا۔ ارے ہم سے بہتر تو یہ پرائیویٹ میٹرک کر کے گھر بیٹھنے والی ہیروئن ہی ہے۔ یہاں تو سوائے یونیورسٹی میں چار سال گنوانے کے اور کچھ نہ کیا۔ اب اگر اس دوران بھی ہم کچھ نہ کر سکے تو سمجھ لو کہ کبھی کچھ نہیں کر سکتے۔'' ایمن بولتے بولتے جوش میں آکر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس کی بات پر رامیہ شوخی سے مُسکراتی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کیوں تم اتنی فکر کر رہی ہو۔ میرا کچھ ہو نہ ہو، مگر تمہاری دلی خواہش تو پوری ہو ہی جائے گی۔ وہ عاشق مرزا صاحب مجھے تو واقعی اسم بامسمیٰ لگے ہیں۔'' ایمن نے تکیہ اُٹھا کر اس کے منہ پر مارا تھا اور وہ ہنس ہنس کر بے حال ہوتی، اس کے حملے سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ہاں یہی تو اوقات رہ گئی ہے، اب میری کہ مجھے ان بڑے میاں کا نام لے کر چھیڑا جائے گا۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''بھئی ہم نے تو جو دیکھا ہے، وہی کہہ رہے ہیں۔ مس ایمن کیسی طبیعت ہے آپ کی۔ مس ایمن تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر ریسٹ کر لیں، مس ایمن یہ، مس ایمن وہ، کا وظیفہ پڑھتے ہی دیکھا انہیں''۔ وہ اس کے ممکنہ حملے سے بچنے کی خاطر دروازے کے پاس جا کر بولی۔

''ٹھہر جا''۔ ایمن دانت پیستی اُٹھی تھی اور وہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔

صبح ایمن کی گاڑی کا ہارن سن کر وہ ٹوسٹ منہ میں ٹھونستی کرسی سے اُٹھی۔

''روزانہ جاتے وقت بھاگ دوڑ مچاتی ہو۔ جلدی کیوں نہیں اُٹھتیں۔ ناشتا بھی ڈھنگ سے نہیں کیا''۔ ممی نے پاپا کے آگے چائے کا کپ رکھتے ہوئے اسے ٹوکا تھا۔

''سوئیٹ ممی باقی لیکچر شام میں۔ اس وقت دیر ہو رہی ہے''۔ وہ بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے بولی۔ ''میری تو ہر بات ہی لیکچر ہے''۔ وہ ناراضگی سے بولیں۔ وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر مُسکراتے ہوئے بولی۔

''آپ ناراض ہوں گی تو میرا سارا دِن بُرا گزرے گا''۔

''اچھا اچھا اب یہ ڈرامے مت کرو۔ جاؤ ایمن انتظار کر رہی ہوگی''۔ وہ اس کے بازو ہٹاتے ہوئے بولی تھیں۔ پاپا، ماں بیٹی کے جھگڑے میں خاموش تماشائی بنے مُسکرا رہے تھے۔ ممی پاپا کو خدا حافظ کہتی وہ باہر نکل آئی۔

''آج پھر تمہاری وجہ سے دیر ہوگئی۔ پتا ہے ناں وہاں وہ موصوف ویسے ہی سفارشی سمجھ کر ہمارے ساتھ کیسے بی ہیو کرتے ہیں''۔ ایمن نے اسے گھورا تھا۔

''چھوڑو یار ہمیں کون سا کوئی گھر چلانے کے لیے نوکری کرنی ہے۔ زیادہ کچھ کہیں گے تو کھری کھری سنا کر اسی وقت وہاں سے اُٹھ جائیں گے''۔ وہ لاپروائی سے بولی۔

''یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔ Intership کے 180 گھنٹوں کے بغیر ہمیں ڈگری نہیں ملے گی۔ ہر چیز کے بارے میں اتنا کیئرلیس ہو کر مت سوچا کرو'' اور اس سے یہ شکایت صرف ایمن ہی کو نہیں بلکہ ممی، پاپا، ندا باجی اور حنا کو بھی تھی۔ حنا جو اس سے صرف دو سال بڑی تھی، اکثر بڑی سنجیدگی سے سمجھایا کرتی۔

''زندگی کے بارے میں تمہارا رویہ بہت غیر سنجیدہ ہے۔ خود کو تبدیل کرو۔ زندگی کے لیے تمہارے کچھ مقاصد ہونے چاہئیں'' اور وہ اس کی ان نصیحتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتی تھی۔ وہ اکثر ایسی ہی باتوں کے جواب میں کہا کرتی۔

''بھئی میرا موٹو ہے کہ زندگی زندہ دِلی کا نام ہے۔ لہٰذا تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو''۔ ہلا گلا، شور شرابہ اور ہنگامہ پروری اس کی طبیعت میں شامل تھا۔ ایمن سے اتنی زیادہ دوستی کا سبب بھی عادتوں کی یہ مماثلت ہی تھی، مگر ایمن اس کی طرح اتنی لاپروا اور بے نیاز نہیں تھی۔ شوخی و شرارت کے ساتھ ساتھ اس کے پاس اپنی آنے والی زندگی کے

لیے واضح لائحہ عمل موجود تھا۔ اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی، انہوں نے تمام تعلیمی مدارج ایک ساتھ طے کیے تھے۔ پاپا اسے انجینئرنگ کروانا چاہتے تھے۔ وہ خود سول انجینئر تھے۔ اِن ہی کے کہنے پر اس نے انٹر میں پری انجینئرنگ لے لی تھی۔ جبکہ ایمن نے آرٹس کے مضامین لیے تھے۔ اسے سائنس کے مضامین بالخصوص میتھس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، مگر وہ اس کا مست ملنگ اور لاپروا انداز کہ ''کچھ نہ کچھ تو پڑھنا ہے چلو یہی سہی''۔ تب حنا کی شادی نہیں ہوئی تھی، وہ اسے ٹوکتی، ''جب تمہاری دلچسپی نہیں ہے تو کیوں بے کار میں اپنی انرجی برباد کر رہی ہو۔ سبجیکٹ چینج کر لو۔ خوامخواہ فیل ویل ہو گئیں تو ہم لوگوں کو شرمندگی اُٹھانے پڑے گی۔

''گرتے ہیں شہہ سوار ہی میدانِ جنگ میں۔'' وہ شرارت سے گنگناتی اور حنا سر پیٹ کر رہ جاتی۔ وہ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پاپا کو خود ہی اندازہ ہو گیا کہ ان مضامین میں وہ چلنے والی نہیں تو اس کے سبجیکٹ چینج کروا دیئے۔ انٹر کے بعد اس نے ایمن کے ساتھ ہی آنرز میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔

ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کرنے میں اس کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی کشش نہیں تھی کہ وہاں وہ اور ایمن ساتھ ساتھ تھیں۔ اس کے آنرز کرنے کے دوران ہی حنا کی شادی ہو گئی تھی۔ ندا باجی تو اس کے اسکول کے زمانے ہی میں پیا گھر سدھار چکی تھی۔ اب گھر میں صرف وہ، ممی اور پاپا ہی رہ گئے تھے۔ ان دونوں ہی نے ماسٹرز میں ایڈورٹائزنگ کے اسپیشل کورس کا انتخاب کیا تھا۔ ایمن کے ماموں نے بتایا تھا کہ ان کے کوئی جاننے والے اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی چلا رہے ہیں۔ وہ ان سے ان دونوں کے انٹرنشپ کے لیے بات کریں گے۔ فائنل سمسٹر کے ایگزیمز کے دوران ہی ایمن نے یہ خوش خبری اس کے گوش گزار کر دی تھی کہ ماموں نے ان صاحب سے بات کر لی ہے اور پیپرز سے فارغ ہوتے ہی انہیں وہاں جانا ہے۔

جس روز آخری پیپر تھا، اس سے اگلے ہی روز وہ ایمن اور اس کے ماموں کے ہمراہ دانیال سکندر کے رو برو بیٹھی تھیں۔ وہ تو ابھی امتحانوں کی تھکن اُتارنے کے موڈ میں تھی، مگر ایمن نے اس کی ایک نہیں چلنے دی تھی۔ دانیال سکندر ان لوگوں سے بڑے فارمل اور پروفیشنل انداز میں ملا تھا اور اگلے دِن سے انہیں جوائن کرنے کو کہا تھا۔ ایمن کے ماموں نے ان لوگوں کو بتایا تھا کہ وہ دانیال سکندر کو براہِ راست نہیں جانتے، وہ ان کے کسی کولیگ کا فرسٹ کزن ہے۔ اسی حوالے سے ان کی بھی اس سے رسمی سی سلام دُعا ہے۔

''آئیڈیل ایڈورٹائزز'' میں دانیال سکندر اور اس کے دوست معاذ علی خان کی ففٹی ففٹی پارٹنرشپ تھی۔ تقریباً چھ سال پہلے انہوں نے اپنی یہ ایجنسی اسٹیبلش کی تھی۔ دانیال سکندر تو پورا ٹائم اسی آفس کو دیتا تھا۔ جبکہ معاذ علی خان کے بارے میں ان لوگوں نے سنا تھا کہ وہ آفس کو فل ٹائم نہیں دیتا۔ تین چار گھنٹے آفس میں گزار کر چلا جاتا ہے۔ وہ کسی بہت بڑے گروپ آف نیوز پیپر کے مالک کا اکلوتا بیٹا تھا اور اپنا بقیہ ٹائم وہ وہیں گزارتا تھا۔ یہ ایڈ ایجنسی تو اس نے محض اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال میں لانے کے لیے جوائن کی تھی۔ اسے اسٹیبلش کرنے کا بنیادی خیال بھی دانیال سکندر کا تھا اور دِن رات ایک کر کے اسے ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کروانے میں بھی زیادہ ہاتھ اسی کا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ معاذ ہر موقع پر اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا، سنا تھا کہ وہ بہت جینئس اور بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ رامیہ اور ایمن کو یہاں جوائن کیے پانچ چھ روز ہو گئے تھے، مگر اس دوران انہوں

نے معاذ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

☆

ان دونوں کے علاوہ یہاں تین خواتین اور تھیں، جن میں ایک تو ریسپشنسٹ تھی، دوسری مسز عظمٰی ظفر تھیں جو یہاں Creativedirector تھیں اور دانیال نے ان دونوں کو انہیں کی Supervision میں دیا تھا۔ پہلے روز ان دونوں کا ان سے تعارف کروانے کے بعد وہ بولا تھا۔

''ان دونوں کو میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ آپ کو انہیں بہت اچھی طرح ٹرینڈ کرنا ہے۔ بالکل فریش پڑھ کر نکلی ہیں، یقیناً بہت سے اچھے آئیڈیاز یہ آپ کو فراہم کریں گی۔ ان کی نئی اور تازہ سوچ اور منفرد خیالات سے فائدہ اُٹھائیں''۔ ان دونوں کے لیے عظمٰی ظفر کے برابر والے کمرے ہی میں دو ٹیبلز لگا دی گئی تھیں۔ اسی کمرے میں حمنٰی اور ہمایوں بھی بیٹھا کرتے تھے۔ وہ دونوں انڈس ویلی اسکول کے گریجویٹس تھے اور یہاں سیکھنے والوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ دونوں سارا دِن کمپیوٹر پر ڈیزائننگ میں مصروف رہتے۔ حمنٰی بڑی خشک مزاج اور لیے دیئے رہنے والی لڑکی تھی۔ اس لیے ان لوگوں کی اس سے ہائے ہیلو کی حد تک دوستی تھی۔ ہمایوں کی نیچر فرینڈلی تھی اور اس سے ان دونوں کی گپ شپ ہو جایا کرتی تھی۔ زیادہ وقت ان دونوں کو عظمٰی ظفر نچائے رکھتی تھی۔ بقول رامیہ۔

''پتا نہیں کب کب کے بدلے نکال رہی ہیں یہ ہم لوگوں سے۔ ہمارے آنے سے پہلے ان کا کام کیسے ہوتا ہوگا۔ سارا کام تمہیں اور مجھے سونپ کر خود آرام سے یا تو دانیال سکندر کے آفس میں بیٹھ جائیں گی یا فون پر لمبی لمبی کالیں کریں گی''۔

اور اس کی بات پر ایمن ہنستے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتی۔

''بے وقوف، اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اس طرح اپنی فیلڈ کے بارے میں جلدی اور بہت کچھ سیکھ جائیں گے اور لوگ تو نئے آنے والوں کو سکھاتے بھی نہیں ہیں۔ یہ تو پھر بھی ہمارے ساتھ بہت کوپریٹ کر رہی ہیں۔ ڈانٹ ڈپٹ کر رہی سہی، سکھا تو رہی ہیں اور فون پر وہ بے چاری کلائنٹس کے ساتھ بات کر رہی ہوتی ہیں اور دانیال سکندر کے روم میں اپنے مختلف پروجیکٹ ڈسکس کر رہی ہوتی ہیں''۔

''تمہیں بڑی اچھی لگ رہی ہیں، اور تیاری دیکھی ہے، ان کی، خود کو ہمارے برابر کا سمجھتی ہیں آئی ایم ہنڈریڈ پرسنٹ شیور، فورٹی تو یہ کب کا کراس کر چکیں اور حرکتیں ملاحظہ کی ہیں بے چاری کے ہر سوٹ میں کپڑا کم ہو جاتا ہے اور سارا زور بے چارے معصوم گلے پر پڑتا ہے۔ چلو کوئی حسین نازک سی کمر ہو تو بندہ اس کی نمائش کرتا اچھا بھی لگے، یہاں تو کمر نہیں پورا کمرہ ہے''۔

وہ بُری طرح چڑ کر بولی تھی اور ایمن ان کمنٹس پر سوائے ہنسنے کے اور کیا کر سکتی تھی۔

☆

''صبح صبح دِل خوش ہو گیا''۔ ایمن نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ صرف برابر والی میز پر بیٹھی رامیہ ہی سن سکے۔ وہ ابھی ابھی دانیال کے کمرے سے آئی تھی۔

''کیا دیکھ آئیں مجھے بھی بتاؤ''۔ رامیہ بے چینی سے بولی تھی۔

''یار ہماری لک واقعی بہت اچھی ہے۔ باس اور سیکنڈ باس دونوں ہی بے تحاشا ہینڈسم ہیں''۔ وہ پین اُٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

''اچھا تو آپ معاذ علی خان کے دیدار کر کے آ رہی ہیں۔ کیسا ہے وہ؟ کیا دانیال سکندر سے زیادہ ہینڈسم ہے''۔ رامیہ اپنا سب کام چھوڑ چھاڑ کر ایمن کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''زیادہ کم کا تو نہیں پتا۔ ویسے ہائٹ دانیال سے تھوڑی زیادہ ہی لگ رہی تھی اور کیا ایتھلیٹ کی طرح اسٹرونگ باڈی ہے۔ پہلی نظر دیکھ کر میں سمجھی کہ شاید کوئی ماڈل ہے۔ وہ تو جب دانیال نے تعارف کروایا تو پتا چلا کہ وہ معاذ علی خان ہیں۔ یار اس بندے کو ماڈلنگ کرنی چاہیے۔ مالبرو کے ایڈ میں جلیبٹ مارک ۳ کے ایڈ میں کسی نہ کسی میں ضرور کرنی چاہیے''۔ ایمن اس کے شوق کو ہوا دے رہی تھی۔

''واقعی وہ اتنا ہینڈسم ہے۔ ایسے ہی کمنٹس تم نے پہلی مرتبہ دانیال کو دیکھنے کے بعد گھر جا کر دیئے تھے''۔ رامیہ کی بات پر ایمن بڑی سنجیدگی سے بولی۔

''دونوں اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں۔ میں نمبرنگ نہیں کر پا رہی''۔

''چلو تو نمبروں کا فیصلہ میں کر دیتی ہوں''۔ وہ کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

''پاگل ہو گئی ہو۔ وہاں وہ لوگ کسی میٹنگ میں مصروف ہیں۔ مجھے تو انہوں نے خود بلوایا تھا۔ تم خوامخواہ اندر کیسے جاؤ گی''۔ ایمن نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ رامیہ ہی کیا جو کسی کی سن لے۔ ایک دفعہ کوئی بات دماغ میں آ گئی تو آ گئی۔

''ڈانٹ کھاؤ گی۔ جاؤ میرا کیا ہے''۔ ایمن نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر غصے سے کہا تھا اور وہ لاپروائی سے اس کی بات سنتی باہر نکل گئی تھی۔ اس کی قسمت اچھی تھی یا ایمن کی دعائیں کام آ گئی تھیں کہ بغیر کمرے میں جائے وہ ''دیدار'' سے فیض یاب ہو گئی تھی۔ دانیال، معاذ اور مسز ظفر ایک ساتھ اسی طرف آ رہے تھے۔

''معاذ'' یہ مس رامیہ کمال ہیں۔ مس ایمن سے تو تم مل ہی چکے ہو۔ ان دونوں نے انٹرنشپ کے لیے یہاں جوائن کیا ہے اور مس رامیہ یہ معاذ علی خان ہے۔ میرا بیسٹ فرینڈ اور بزنس پارٹنر''۔

دانیال نے تعارف کی رسم ادا کی تھی۔ جواب میں وہ بندہ ''پلیز ٹو میٹ یو'' کہتا بڑے تکلف سے تھوڑا سا مُسکرایا تھا اور اسے جواب کی مہلت دیئے بغیر دانیال سے کسی نئے ایڈ کے بارے میں بات کرنے لگا تھا۔ اسے اپنا یہاں کھڑا ہونا ایک دم بے کار محسوس ہوا تو واپس اپنے کمرے میں آ گئی، جتنا اچھا تاثر اسے دیکھ کر پڑا تھا، اتنا ہی بُرا اس کا اسٹائل دیکھ کر پڑا تھا۔

''کھالی ڈانٹ''۔ ایمن نے اسے آتا دیکھ کر کہا تھا۔

''ڈانٹ کھائیں میرے دشمن، آپ کے ان اپالو کو دیکھ کر آ رہی ہوں''۔ وہ جل کر بولی تھی۔ ایمن اس کے انداز پر حیران ہوتی ہوئی بولی۔

''کیوں تمہیں وہ ہینڈسم نہیں لگا''۔

''ہینڈسم تو خیر ہے، مگر اتنا بھی نہیں جتنا تم چڑھا رہی تھیں۔ دانیال سکندر اس سے زیادہ ہینڈسم ہے اور اس سے

نہیں زیادہ اچھے دِل والا بھی۔ مجھے تو موصوف ایک دم بناوٹی لگے۔ زبردستی خود کو بزی پوز کرنا''۔ وہ اپنی ناپسندیدگی کا واضح اظہار کرتے ہوئے بولی۔

معاذ کے بارے میں اس نے پہلی ملاقات میں جو رائے قائم کی تھی، وہ مزید خراب محض اگلے ہی روز ہوگئی۔ وہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ جب مسز ظفر نے اسے انٹرکام کیا۔

''مس رامیہ! کل جو میں نے آپ کو فائل دی تھی، وہ لے کر آئیں پلیز''۔ ان کا پیغام سنتے ہی وہ فائل کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی بسکٹ بنانے والی ایک کمپنی اپنی نئی پروڈکٹ لانچ کروا رہی تھی اور اس کام میں وہ مسز ظفر کی معاونت کر رہی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ کام مکمل کر کے اس نے فائل بڑی احتیاط سے اپنی دراز میں رکھی تھی، مگر اب اس کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ شدید پریشانی کے عالم میں فائل تلاش کر رہی تھی، جب مسز ظفر نے دوبارہ انٹرکام کیا، ''کیا کر رہی ہیں آپ، اتنے سے کام میں اتنی دیر لگا رہی ہیں۔ کلائنٹ آئے بیٹھے ہیں۔'' وہ خفگی سے بولی تھیں۔

''وہ مسز ظفر فائل پتا نہیں میں نے کہاں رکھ دی۔ مجھے مل نہیں رہی''۔ وہ اٹکتے ہوئے بولی تھی۔ اور جواب میں ان کی خاموشی شاید سامنے بیٹھے کلائنٹ کی وجہ سے رہی ہوگی۔ ایمن بھی اپنا کام چھوڑ کر اس کے ساتھ فائل ڈھونڈنے میں مصروف ہوگئی تھی اور ساتھ ساتھ اسے بُرا بھلا بھی کہتی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد معاذ نے اسے اپنے آفس میں طلب کیا تھا۔ پیون کی زبانی یہ پیغام سن کر اس سے زیادہ ایمن پریشان ہوگئی تھی۔

''دیکھو غلطی تمہاری ہے۔ اگر وہ کچھ کہیں تو چپ چاپ سن لینا، جواب دینے مت کھڑی ہو جانا''۔ وہ اس سے التجائیہ انداز میں بولی تھی، وہ معاذ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ سامنے مسز ظفر بھی بیٹھی ہوئی تھیں، اسے دیکھ کر انہوں نے بہت بُرا منہ بنایا تھا۔ اسے اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہتا وہ ہنوز گفتگو میں مصروف تھا۔ اپنی تمام تر بولڈنیس کے باوجود تھوڑا تھوڑا ڈر تو اسے لگ ہی رہا تھا۔ شاید اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، اس لیے۔ فون بند کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کچھ احساس ہے آپ کو آج آپ نے کیا حرکت کی ہے''۔ وہ برہمی سے گویا ہوا تھا۔

''جو شخص ایک فائل سنبھال کر نہ رکھ سکے، اس پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ کا رویہ کسی پیشہ ورانہ انسان کا رویہ لگ رہا ہے۔ کم سے کم مجھے تو نہیں لگ رہا۔ پیشہ ورانہ ایسے نہیں ہوتے''۔ وہ چیخ چلا نہیں رہا تھا۔ آرام سے بات کر رہا تھا، مگر انداز بہت برہم اور ناراضگی لیے ہوئے تھے۔ وہ اپنی عادت کے برخلاف چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''معاذ میں نے تو صرف دانیال کے کہنے پر کہ نئی ہیں، انہیں کام سکھانا ہے، سوچ کر فائل دے دی تھی کہ اس پر میرے ساتھ کام بھی کروائیں اور دیکھیں کہ کام کس طرح ہوتا ہے''۔ مسز ظفر نے ایک سخت نگاہ اس کی طرف ڈال کر معاذ کو مخاطب کیا۔

''آپ کو بھی سوچ سمجھ کر چلنا چاہیے۔ کام سکھانے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ کسی غیر ذمہ دار شخص کو اتنی اہم

فائل دے دیتیں''۔ وہ ان کی بات کے جواب میں بڑے خشک اور روڈ انداز میں بولا تھا اور اس کی بات پر مسز ظفر کا منہ مزید پھول گیا تھا۔

''اگر ایسے ہی چلتا رہا تو ہو چکا کام۔ آپ لوگ تو بنا بنایا امیج خراب کر دیں گے۔ مارکیٹ میں کتنا سخت مقابلہ ہے۔ اس پر اگر ہم لوگ اس طرح اپنے کلائنٹس کے ساتھ ڈیل کرنے لگے تو کون آئے گا، ہمارے پاس۔ کلائنٹ کے پاس جب ہم سے بہتر چوائس موجود ہوگی جہاں اس کا کام وقت پر اور زیادہ اچھی طرح ہوگا تو وہ یہاں خوار ہونے کیوں آئے گا''۔ وہ اپنے سامنے بیٹھی دونوں خواتین سے بہت پروفیشنل اور روڈ انداز میں بولا تھا۔

''بہر حال میں نے ابھی تو انہیں بھیج دیا ہے۔ دوپہر تین بجے کا ٹائم طے ہوا ہے، ان کے ساتھ میٹنگ کے لیے۔ مجھے فائل ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنی ٹیبل پر چاہیے''۔ اب کے مخاطب صرف وہ تھی۔ اس کا دوٹوک، انتہائی سخت اور بے لچک انداز اسے سر بھی نہیں اُٹھانے دے رہا تھا۔

''کیا ہوا، کیا انہوں نے تمہیں ڈانٹا''۔ اسے اندر آتا دیکھ کر ایمن بے تابی سے اُٹھ گئی تھی۔ ہمایوں اور حمنیٰ بھی اُدھر ہی متوجہ تھے۔

''ایک گھنٹے کے اندر فائل ڈھونڈنے کا الٹی میٹم دیا ہے''۔ وہ حمنیٰ اور ہمایوں کی وجہ سے خود کو نارمل پوز کرتے ہوئے بولی تھی۔ ایمن نے مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اس کے ساتھ دوبارہ فائل کی تلاش شروع کر دی تھی۔

''ارے یہ کیا ہے''۔ ایمن اس کی ٹیبل کے کونے میں دو تین کتابوں کے نیچے دبی ایک فائل نکالتے ہوئے بولی تھی۔

''یہی تو ہے، اوہ تھینکس گاڈ''۔ رامیہ نے سکون کا سانس لیا تھا اور ایمن نے اسے بُری طرح گھور کر دیکھا تھا۔

''تم کبھی نہیں سدھرو گی۔ یہ اس طرح یہاں رکھنے کی چیز تھی۔ حد ہے لاپروائی کی۔'' وہ اس کی بات اَن سنی کر کے معاذ کے کمرے میں آئی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، اس لیے وہ ایسے ہی اندر آ گئی۔ دانیال اور وہ بیٹھے کسی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے۔

''دوسروں کو مصیبت میں ڈال کر خود قہقہے لگا رہے ہیں''۔ اس نے جل کر سوچا۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ ہو گئے تھے۔

''فرمائیے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اس نے فائل اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

''مل گئی یہ؟'' رامیہ کا دِل چاہا کہے ''نہیں ابھی ڈھونڈ رہی ہوں۔ مل گئی ہے تب ہی سامنے رکھی نظر آ رہی ہے''۔

''ٹھیک ہے آپ جائیں۔'' وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا تھا۔ دانیال شاید اس تمام قصے سے لاعلم تھا۔ اس لیے خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جس خاموشی سے آئی تھی، ویسے ہی نکل بھی گئی تھی۔

''اگر عابد ماموں کا خیال نہ ہوتا تو میں اچھی طرح موصوف کا دماغ درست کر دیتی''۔ وہ پیپسی کا سپ لیتے ہوئے بہت بُرا منہ بنا کر بولی تھی۔

''چوری اور سینہ زوری اسے ہی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے تمہیں کچھ غلط تو نہیں کہا۔ غلطی بہر حال تمہاری تھی''۔

ایمن کی بات اسے بُری طرح تپا گئی تھی۔

''میری دوست ہو کر تم میرے خلاف بول رہی ہو''۔

''اپنے اندر برداشت پیدا کرو اور اب اس قصے کو ختم کرو''۔ ایمن نے فروٹ سیلڈ کھاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں مبارک ہو، وہاں جانا۔ میں تو کل سے نہیں جانے کی۔ پتا نہیں خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ سیدھے منہ بات تو کرتے نہیں ہیں۔ اتنے دِن بھی صرف تمہاری وجہ سے برداشت کیا ہے۔ خود کو کوئی بہت اونچی شے سمجھتے ہیں۔ موصوف سن گلاسز لگا کر سگریٹ کا دھواں اُڑاتے اور عالی شان گاڑیوں میں بیٹھ کر وہ خود کو کوئی بہت بڑا لارڈ سمجھتے ہیں اور ہم بے چاری تو انہیں غریب غربا نظر آتی ہیں۔ سمجھتے ہوں گے، چپ چاپ سن لیں گی۔ میرے پاپا کی ڈریسنگ دیکھیں تو دنگ رہ جائیں گے۔ خود کو تو کلر سینس تک نہیں ہے''۔ وہ کھانا پینا چھوڑ کر مسلسل بولنے میں مصروف تھی۔ ایمن اس کے تپے ہوئے انداز پر ہنس پڑی تھی۔ وہ آفس سے واپسی میں رامیہ کو ڈراپ کر کے گھر جانے کے بجائے اس کے ساتھ اندر آ گئی تھی اور اب اسے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی کہ وہ اتنی سی بات پر سب چھوڑ چھاڑ کر گھر نہ بیٹھے۔ دو گھنٹوں کی مغز ماری کے باوجود وہ اسے قائل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ وہ دونوں لاؤنج میں آئیں تو پاپا وہاں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''کیا مسئلہ ہو گیا ہے بیٹا؟'' وہ شاید ان لوگوں کی تھوڑی بہت گفتگو سن چکے تھے۔ ان کے پوچھنے کے دیر تھی۔ ایمن اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی اور تمام قصہ من وعن سنا دیا تھا۔

''غلطی تو بیٹا آپ ہی کی ہے اور انہوں نے آپ کو ناجائز تو کچھ نہیں کہا۔ اپنے اندر برداشت پیدا کریں۔ ہاں یہ میں کبھی بھی نہیں کہوں گا کہ کسی کی غلط بات سن کر آ جائیں۔ جہاں آپ کو پتا ہو کہ میں حق پر ہوں تو وہاں اپنی بات پر ڈٹ جائیں، سامنے والے کو ایک کی چار سنائیں''۔ پاپا کی بات کا اختتامی حصہ ممی نے بھی سن لیا تھا۔

''آپ اور اسے شہ دیں۔ پہلے ہی یہ کون سی کم ہے۔ خاندان بھر میں ہر ایک یہی کہتا پھرتا ہے کہ صبا نے اپنی بڑی بیٹیوں کی تو بہت اچھی تربیت کی ہے۔ یہ چھوٹی ہری مرچ پتا نہیں کس پر چلی گئی ہے''۔ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی تھیں۔

''ہاں وہ اللہ میاں کی گائے ندا باجی اور اخلاقیات کی ماری حنا تو سب کو اچھی ہی لگیں گی۔ منہ پر کسی کو جواب دینا جو نہیں آتا، بعد میں آ کر آپ کے سامنے اپنے دُکھڑے روتی ہیں۔ ممی، خالہ تو پکی ساس بن گئی ہیں، خالہ بھانجی کا رشتہ تو جیسے ختم ہو گیا''۔ وہ حنا کے لہجے میں عقل اُتارتے ہوئے بولی۔ پاپا اور ایمن اس کے انداز پر ہنس پڑے تھے، جبکہ ممی مزید غصے میں آ گئی تھیں۔

''تمہاری ہونے والی ساس سے تو مجھے ابھی سے ہمدردی ہے''۔ وہ ناراضگی سے بولی تھیں۔

''آنٹی وہ بے چاری تو جس دن یہ پیدا ہوئی ہو گی، اسی دن دہشت سے مر گئی ہوں گی''۔ ایمن نے لقمہ دیا تھا اور وہ پاپا کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے خاموش رہی تھی، ورنہ ایمن اور اپنی ہونے والی ساس کی شان میں ٹھیک ٹھاک قصیدہ خوانی کرتی، کیونکہ تمام بات ایمن کی وجہ سے پاپا کے علم میں آ چکی تھی، لہٰذا اب وہاں نہ جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ اگلے روز خود پر بڑا جبر کر کے آفس آئی تھی۔ دانیال نے اسے اور ایمن کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے، آپ لوگوں کو یہاں پر۔ ہمارے ہاں کا ماحول، کام کرنے کا طریقہ کار، آپ لوگوں کو کوئی

شکایت تو نہیں''۔ وہ بڑی سنجیدگی سے دریافت کر رہا تھا، ان دس دنوں میں یہ پہلا موقع تھا۔ وہ ان لوگوں سے اس طرح بات کر رہا تھا۔ ورنہ انہیں مسز ظفر کے سپرد کرنے کے بعد وہ ان دونوں سے تقریباً لاتعلق ہی ہو چکا تھا۔

''یہاں کا ماحول بہت اچھا ہے اور ہمیں یہاں سیکھنے کو بھی بہت کچھ مل رہا ہے''۔ ایمن فوراً بولی تھی۔ دانیال اس کے بعد فیلڈ سے متعلق ان لوگوں سے بات کرنے لگا تھا۔ رامیہ تمام گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی۔

''مس رامیہ! بہت چپ ہیں''۔ وہ مُسکراتے ہوئے بولا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی معاذ اندر داخل ہوا تھا۔

''اسلام علیکم''۔ وہ مشترکہ سب پر سلامتی بھیجتا کرسی سنبھال چکا تھا۔

''آپ لوگوں کا رزلٹ تو ابھی نہیں آیا ناں''۔ معاذ کے سلام کا جواب دے کر وہ دوبارہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''نہیں ابھی نہیں آیا''۔ جواب پھر ایمن ہی نے دیا تھا۔

''کیا ارادے ہیں، خالی فرسٹ ڈویژن آ رہی ہے یا کوئی پوزیشن وغیرہ بھی''۔

''پوزیشن تو رامیہ ہی کی آئے گی۔ پچھلے سمسٹر میں بھی اس کی تھرڈ پوزیشن میں صرف ۵ نمبر ہی کم رہ گئے تھے''۔ ایمن کی اس غلط بیانی پر وہ اسے گھور کر رہ گئی۔ پانچ دس منٹ مزید وہاں بیٹھ کر وہ دونوں واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔

''کیا تم چپ گھنوں کی طرح بیٹھی تھی۔ ویسے کیسی قینچی کی طرح زبان چلتی ہے اور جہاں بیٹھ کر بولنا چاہیے تھا، وہاں چپ شاہ کا روزہ رکھے بیٹھی رہیں''۔ ایمن نے اسے گھُرکا تھا۔

''جن لوگوں سے میرا بات کرنے کا دِل نہیں چاہتا، میں نہیں کرتی اور تم نے وہاں وہ فضول بکواس کیوں کی تھی''۔ وہ چڑ کر بولی تھی۔

''یار صرف تمہارا اچھا امپریشن ڈالنے کے لیے تا کہ ان لوگوں کو پتا چلے کہ ان کے سامنے ایک پوزیشن ہولڈر لڑکی بیٹھی ہے اور ویسے بھی ۵ اور ۵۰ میں صرف ایک زیرو ہی کا تو فرق ہے''۔ ایمن شرارتی مُسکراہٹ چہرے پر لیے بولی اور رامیہ غصے کے باوجود ہنس پڑی تھی۔

اگلے روز وہ اپنے نارمل موڈ میں تھی۔ اسے جتنی جلدی غصہ آیا کرتا تھا، اتنی ہی جلدی اُتر بھی جاتا تھا۔ وہ غصے کی تیز تھی۔ تحمل اور برداشت نام کو بھی نہیں تھا، مگر ایمن کو اس کی یہی بات سب سے زیادہ پسند تھی کہ وہ دوسروں کی طرف سے فوراً دل صاف کر لیا کرتی تھی۔ لڑائی جھگڑا کیا بُرا بھلا کہا اور بعد میں بالکل نارمل، ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

وہ اور ایمن مسز ظفر کے کمرے میں بیٹھی تھیں، جب کسی کام سے دانیال بھی وہیں آ گیا۔ انہیں دیکھ کر وہ گرم جوشی سے مُسکراتا ہوا مسز ظفر سے مخاطب ہوا۔

''اور سنائیں مسز ظفر، دونوں معزز خواتین کیسی جا رہی ہیں''۔ جواب میں وہ ایمن کے ساتھ ساتھ رامیہ کے بارے میں بھی اچھی رائے دینے پر مجبور تھیں۔ اس نے اس روز کے بعد سے بڑی سنجیدگی اور توجہ سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس میں بہت بڑا ہاتھ پاپا کا بھی تھا، جنہوں نے اسے خود کو اپنے کام کے ذریعے منوانے اور اپنی اہمیت دوسروں کے

سامنے بڑھانے پر کافی سیر حاصل لیکچر دیا تھا۔

''ویری گڈ۔ ایسے ہی دل لگا کر کام کریں''۔ دانیال ان کے تبصرے کے جواب میں ان دونوں سے مخاطب ہوا تھا۔ عاشق مرزا صاحب کی انٹری پر وہ جو بڑی سنجیدگی سے بیٹھی پہلے مسز ظفر اور اب دانیال کے کمنٹس سن رہی تھی۔ ایک دم سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

یہ عاشق مرزا صاحب بھی بڑے مزے کی چیز تھے۔ شروع شروع میں ایک دو بار ایمن نے بزرگ سمجھتے ہوئے ان سے ذرا زیادہ ہی بات کر لی تو وہ پتا نہیں کس غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور اب روزانہ تین چار چکر ان کے سیکشن کے ضرور لگایا کرتے، حالانکہ وہ اکاؤنٹس کے شعبے میں تھے مگر اپنا کام کاج چھوڑ کر اکثر ایمن کے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ایمن ان کی حرکتوں پر چڑنے کے باوجود انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اپنے ڈیڈی کی ایج کے بندے کو خود میں انٹرسٹڈ دیکھ کر وہ رامیہ کے مذاق کا خوب ہی نشانہ بنتی تھی۔

''آیئے عاشق صاحب تشریف رکھیے''۔ دانیال خوش اخلاقی سے بولا تھا۔

''باہر اتنا زبردست موسم ہو رہا ہے۔ اس برستے موسم میں تو گرما گرم سموسے ہونے چاہئیں۔ کیوں مس ایمن''۔ ان کی اس بات پر رامیہ نے ٹیبل کے نیچے سے ایمن کو ٹانگ ماری تھی۔ ان کے مس ایمن میں اتنی مٹھاس ہوتی کہ رامیہ سے ہنسی روکنی مشکل ہو جاتی تھی۔ ایمن زبردستی مُسکرا کر بولی تھی۔

''جی ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ''۔ رامیہ کی طرف دیکھنے سے وہ قصداً گریز کر رہی تھی۔ انہوں نے فوراً پیون کو بلا کر سموسے اور چائے لانے کو کہا تھا۔ رامیہ نے ایمن کو دوبارہ ٹانگ ماری تو دانیال نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ پہلی مرتبہ اس کی ٹانگ لگنے کو تو وہ غلطی سمجھ کر نظر انداز کر گیا تھا، وہ ہنسی روکنے کی کوشش میں بے حال ہوتی ایمن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عاشق صاحب بظاہر سب کے ساتھ باتیں کرتے گاہے بگاہے ایک پیار بھری نظر ایمن پر بھی ڈال لیتے تھے۔

''ایکسکیوز می، میں ابھی آتی ہوں''۔ ہنسی جب بالکل ہی برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ فوراً معذرت کرتی باہر نکل گئی تھی۔ Reception پورا خالی پڑا تھا، وہ وہاں صوفے پر بیٹھ کر ہنسنے لگی تھی۔ کسی سے فون پر بات کرتی زارا نے اسے تعجب سے دیکھا تھا۔ ہنستے ہنستے آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔ آفس میں داخل ہوتا معاذ اسے اکیلے بے وقوفوں کی طرح ہنستے دیکھ کر ٹھٹھک کر رُک گیا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک دم رامیہ کی ہنسی کو بریک لگ گیا تھا۔

''اسلام علیکم''۔ وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''وعلیکم سلام، خیریت سے ہیں آپ۔ طبیعت وغیرہ ٹھیک ہے۔'' وہ اس کا طنز سمجھ گئی تھی۔

''جی الحمدللہ خیریت ہے۔ ایمن نے پرسوں مجھے ایک جوک سنایا تھا، اسی پر ہنس رہی تھی''۔

''ماشاءاللہ بڑی ذہین ہیں آپ''۔ وہ طنزیہ انداز میں اسے جواب دیتا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور وہ بُرا سا منہ بناتی واپس ایمن وغیرہ کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔

☆

ایمن اور رامیہ لنچ کرنے کے ایف سی آئی تھیں۔ آفس سے قریب ہونے کی وجہ سے وہ دونوں اکثر لنچ یہیں

کیا کرتی تھیں۔ دونوں ہی فاسٹ فوڈز بالخصوص کے ایف سی اور میکڈونلڈ کی دیوانی تھیں۔ لنچ ٹائم ہونے کی وجہ سے بے تحاشا رش تھا۔ وہ دونوں اپنا Meal سنبھالے جلدی سے خالی نظر آتی ایک ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں۔ دونوں ہی نے اپنی پچھلی ٹیبل پر بیٹھے دانیال اور معاذ کو نہیں دیکھا تھا۔

''خبردار اب اگر تم نے مجھے ان بڑے میاں کا نام لے کر چھیڑا تو میں تمہیں قتل کر دوں گی''۔ ایمن نے بیٹھتے ساتھ ہی رامیہ کی کسی بات کے جواب میں کہا تھا۔ رامیہ اس کے چڑ چڑے انداز پر ہنس دی تھی۔

''کوئی ڈھنگ کا بندہ تو پسند کرتا نہیں ہے۔ یونیورسٹی میں بھی جھک ماری اور اب آفس میں بھی کاش میں کسی رومانٹک ناول کی ہیروئن ہوتی، جس پر اس کے ہینڈسم اور اسمارٹ باس پہلے ہی دن مہربان ہو جاتے۔ یہاں تو باس رسمی باتوں کے علاوہ منہ ہی نہیں لگاتے''۔ وہ اپنی پلیٹ میں کیچ اپ ڈالتے ہوئے بڑے دکھ بھرے انداز میں بولی۔

''کیا پتا دانیال پہلے سے شادی شدہ ہوں، ورنہ اتنی خوب صورت لڑکیوں کو کون اگنور کر سکتا ہے''۔ رامیہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ اس کے خوب صورت لڑکیاں کہنے پر دانیال اور معاذ دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیئے تھے۔

''کوئی نہیں شادی شدہ، میں نے ماموں سے پوچھا تھا''۔ ایمن نے اس کی بات رد کر دی تھی۔

''تم نے ماموں سے یہ بات پوچھ لی۔ تمہیں شرم نہیں آئی''۔ رامیہ برگر واپس پلیٹ میں رکھ کر حیرانی سے بولی تھی۔

''بھئی باتوں باتوں میں۔ ایسی پاگل بھی نہیں ہوں''۔ ایمن نے بڑے مزے سے جواب دیا۔ ''ویسے معاملہ کچھ کچھ سیریس لگ رہا ہے۔ ماموں سے انفارمیشن بھی حاصل کر لی گئیں اور مجھے پتا تک نہیں''۔ رامیہ کی بات پر وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''تمہیں کچھ بتانے کا فائدہ۔ کون سا تم نے میرے لیے کچھ کرنا ہے۔ لوگوں کی اتنی اچھی اچھی فرینڈز ہوتی ہیں۔ ایک تم ہو، ایک دم بکواس''۔ ایمن نے اسے غیرت دلانے کی کوشش کی تھی۔

''بیٹا تمہارے یہ زرین خیالات آج ہی آنٹی کو جا کر بتاؤں گی اور کہوں گی کہ جلدی سے کچھ انتظام کریں، لڑکی ہاتھوں سے نکل رہی ہے''۔ رامیہ نے اسے دھمکایا تھا۔

''ہاں تم سے اور اُمید بھی کیا کی جا سکتی ہے''۔ وہ جل کر بولی تھی۔ دانیال اور معاذ ان دونوں کی باتوں پر مُسکراتے وہاں سے اُٹھ گئے تھے۔ وہ اپنی لن ترانیوں میں مصروف انہیں دیکھ نہیں پائی تھیں۔

اگلا دن اپنے ساتھ بہت سی انوکھی باتیں لایا تھا۔ ایمن کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے وہ نہیں آئی تھی۔ رامیہ کو صبح پاپا نے آفس ڈراپ کیا تھا۔ گھر میں دوسری گاڑی موجود تھی، اسے ڈرائیونگ بھی آتی تھی، مگر ممی اسے اکیلے گاڑی ڈرائیور کرنے کی اجازت کبھی بھی نہیں دیتی تھیں۔

''گاڑی تمہارے حوالے کر دی تو میں تو سارا وقت مصلے پر بیٹھی رہوں گی''۔ وہ اس کی لاپروائیوں اور لاابالی پن سے عاجز تھیں۔ دانیال کے بلاوے پر وہ اس کے کمرے میں گئی تو وہ بڑی فرصت سے بیٹھا، اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے آ کر بیٹھے ایک منٹ ہی ہوا ہو گا کہ پیون نے چائے لا کر رکھ دی۔ اس کی آنکھوں پر نظر پڑی تو وہ مُسکرا کر بولا۔

''میرا چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا۔ سوچا اکیلے کیوں پیوں۔ اس لیے آپ کو بلوا لیا۔ ویسے آپ بزی تو نہیں تھیں''۔ وہ دِل ہی دِل میں حیران ہوتی نفی میں گردن ہلا گئی تھی۔ اس سے پہلے اتنے دنوں میں تو کبھی اس طرح چائے پینے کے لیے نہیں بلوایا گیا تھا۔

''اور سنائیں پڑھائی کے علاوہ آپ کے کیا مشاغل ہیں''۔ وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بولا تھا۔ اس طرح غیر متعلقہ گفتگو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ اچانک اس کے دل میں ایک اور خیال آیا۔

''ہوسکتا ہے یہ مجھ سے ایمن کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہو۔ آفٹر آل وہ اتنی چارمنگ اور کیوٹ ہے، اسے کوئی بھی پسند کر سکتا ہے۔ اس نے یہ سوچا ہوگا کہ آج ایمن نہیں آئی، یہ بہترین موقع ہے اس کی دوست سے اس کے بارے میں سب کچھ جاننے کا''۔ یہ خیال آنے کی دیر تھی، وہ ایک دم ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔

''میرے مشاغل کی تو لمبی چوڑی لسٹ ہے۔ ویسے Top three میں کھانا، سونا اور بے تحاشا بولنا شامل ہیں''۔ دانیال جو بڑی دیر سے اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا، اس کے اتنی صاف گوئی سے اپنے مشاغل بتانے پر بے اختیار ہنس پڑا۔

''یہ خود سے بات شروع کرتے ہچکچا رہا ہے۔ مجھے خود ہی ایمن کا ذکر شروع کر دینا چاہیے''۔ وہ خود سے کہتی دانیال کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مُسکرائی اور بولی۔

''ویسے تو ہم لوگ بیسٹ فرینڈ ہیں، لیکن عادتیں بالکل مختلف ہیں۔ ایمن تو ہر کام وقت پر کرتی ہے۔ اس کی لائف میں بڑا ڈسپلن ہے۔ چاہے چھٹی کا دن ہو، وہ صبح سویرے اُٹھ جاتی ہے''۔ وہ دوستی کا حق ادا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

(کوئی بات نہیں، اتنے جھوٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ویسے بھی اس جھوٹ پر جو کسی ''مصلحت'' کی وجہ سے بولا گیا ہو، بالکل ناراض نہیں ہوتے)
خود کو تسلی دی گئی تھی۔

''مجھے تو اس طرح کے لوگ بالکل نہیں پسند۔ یہ کیا کہ زندگی کو بالکل فوجیوں کے انداز میں گزارا جائے۔ مجھے تو ایسے لوگ پسند ہیں جو زندگی کو اپنے من پسند انداز میں گزاریں۔ کام سر پر نہ سوار کریں''۔ دانیال کا جواب اس کی توقعات کے بالکل برخلاف تھا۔

''خوامخواہ جھوٹ بول کر گناہ کمایا۔ پہلے سامنے والے کی پسند ناپسند تو معلوم کر لو۔ نادان دوست اسے ہی کہتے ہیں''۔ اسے نے خود کو ڈانٹا۔

''بائی دا وے آج مس ایمن نہیں آئی ہیں تو آپ جائیں گی کیسے؟'' وہ یقیناً اس بات سے آگاہ تھا کہ روزانہ وہ ایمن کی گاڑی میں آتی ہے۔

''پاپا آئیں گے لینے''۔ وہ چائے کا کپ خالی کرتے ہوئے بولی تھی۔

''ایسا کریں انہیں فون کر کے منع کر دیں۔ خوامخواہ انہیں تکلیف ہوگی۔ آپ کا گھر تو میرے راستے ہی میں آتا ہے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا''۔ وہ آج اسے مسلسل حیران کر رہا تھا۔

''ایسا کریں، ابھی فون کر دیں۔ کہیں بعد میں آپ بھول نہ جائیں''۔ وہ اپنا موبائل اسے پکڑاتا ہوا بولا۔ اپنی تمام تر بولڈنیس کے باوجود وہ ایک دم نروس سی ہو گئی تھی۔ بہر حال پاپا کو فون کر کے اس نے منع کر دیا تھا۔

دانیال کے برابر گاڑی میں بیٹھ کر اسے اس کی علاوہ اور کوئی پرابلم نہیں تھی کہ یہ آج اچانک اس طرح مہربان کیوں ہوا ہے۔ اپنے صبح والے خیالات پر بھی اسے نظر ثانی کرنی پڑ رہی تھی، کیونکہ ایمن کے بارے میں تو اس نے ایک بھی بات نہیں کی تھی۔

''آپ مائینڈ تو نہیں کریں گی، اگر میں آپ سے ایک پرسنل سوال کروں''۔ دانیال نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
''جی پوچھیں''۔

''Are You Engaged''۔ وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا تھا اور رامیہ کا دِل دھک سے رہ گیا تھا۔ عام حالات میں دانیال میں کوئی برائی نہیں تھی، مگر اپنی دوست کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کا تو وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایمن کو پتا چلا تو اسے کتنا دُکھ ہوگا۔ میں اسے بتاؤں گی ہی نہیں کہ دانیال نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔

''میری انگیجمینٹ تو بچپن ہی میں میرے فرسٹ کزن سے ہو گئی تھی، لیکن آپ نے یہ بات کیوں پوچھی''۔ وہ ایک دم معصوم بن گئی تھی اور دانیال اس کے جواب پر پتا نہیں کیا سوچ کر ہنس پڑا تھا۔ اپنی بات کے جواب میں اس کی یہ معنی خیز ہنسی رامیہ کی سمجھ سے باہر تھی۔

''دوست ہو تو ایسی ہو، مان گئے آپ کو، مس ایمن واقعی لکی ہیں کہ انہیں آپ جیسی مخلص فرینڈ ملی ہے''۔ دانیال نے مُسکراہٹ دباتے ہوئے قدرے شوخی سے کہا تھا۔

''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں''۔ وہ آخر کار بُری طرح چڑ گئی تھی۔

''صرف یہی کہ ایسی دوست اور کہاں ہوگی جو دوست کی خاطر اچانک اپنی منگنی کروا لے، وہ بھی بچپن میں''۔ وہ دوبارہ ہنسا تھا۔ رامیہ کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا، مگر وہ یہ ضرور سوچ رہی تھی کہ اسے کیسے پتا چلا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔

''بھئی یہ صرف ایک چھوٹا سا ڈرامہ تھا۔ دراصل میں خود کو چیک کر رہا تھا کہ مجھ میں کامیاب اداکار بننے کی صلاحیت ہے یا نہیں''۔ دانیال کی بات پر اس نے اپنا جھکا ہوا سر اُٹھایا اور جو دِل میں آ رہا تھا، وہ فوراً ہی کہہ بھی دیا۔

''آپ ایمن کو پسند کرتے ہیں ناں''۔

''مان گئے تم واقعی جینئس ہو، تم سے فرسٹ ٹائم مل کر میں نے تمہارے بارے میں یہی رائے قائم کی تھی کہ تم ایک ذہین لڑکی ہو۔ ویسے تم نے میری بے تکلفی کا بُرا تو نہیں مانا''۔ وہ بڑے مزے سے اس کی بات تسلیم کر گیا تھا اور رامیہ خوشی سے چیختے چیختے رہ گئی تھی۔

''لیکن خبردار جو ابھی اپنی دوست صاحبہ کو کچھ بتایا ہو''۔ وہ اسے اپنے اگلے پروگرام سے آگاہ کرنے لگا۔

''لیکن اس طرح تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی''۔ وہ معترض تھی۔

''نہیں ہوگی۔ کم آن کیوں اگر مگر کر رہی ہو۔ تھوڑی تھرل رہے گی، مزہ آئے گا''۔ اسے گیٹ پر ڈراپ کرتا دانیال اس سے وعدہ لے چکا تھا کہ وہ ابھی ایمن کو کچھ نہیں بتائے گی۔

☆

''کیا واقعی تمہیں دانیال نے گھر ڈراپ کیا تھا؟'' ایمن کو جیسے یہ بات بڑی غیر یقینی سی لگ رہی تھی۔ سونے سے پہلے اس نے فون کر کے ایمن کی خیریت دریافت کی تھی اور ایمن کے پوچھنے پر کہ آج وہ واپسی میں کیسے آئی اسے دانیال کے ساتھ آنے کا بتایا تھا۔

''کیوں تم میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں جو تمہیں ڈراپ کرنے کی آفر کی گئی۔ بے چاری زارا روزانہ بس میں جاتی ہے۔ اسے تو کبھی ایسی کوئی آفر نہیں کی گئی''۔ ایمن کا جیلس اسٹائل رامیہ کو بہت مزہ دے رہا تھا۔

''چلو یہ بات تم خود کل دانیال سے پوچھ لینا''۔ وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تھی۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے، کچھ پوچھنے کی''۔ وہ ایک دم خود کو لاپرواپوز کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی اور پھر دانستہ طور پر اس نے گفتگو کا موضوع تبدیل کر دیا تھا، مگر اس کے لہجے میں چھپی بے چینی رامیہ سے پوشیدہ نہیں تھی۔ سونے سے پہلے تک وہ ایمن کی کیفیت انجوائے کرتی رہی تھی۔

''ایمن یوسف بندہ تمہیں ٹھیک کا ٹکرایا ہے۔ سیر کو سوا سیر اِسے ہی کہا جاتا ہے''۔ وہ مُسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆

صبح ان لوگوں کو آفس آ کر بیٹھے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہوگی کہ دانیال نے اسے انٹر کام پر اپنے کمرے میں بلایا۔ ایمن بظاہر کام میں مصروف تھی مگر اس کی تمام حسیات اِدھر ہی مرکوز تھیں۔ وہ ایک سرسری نظر ایمن پر ڈالتی اُٹھ گئی تھی۔ دانیال نے بڑی گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ اس کی زبانی ایمن کی کل کی تمام باتیں سن کر وہ بڑا محظوظ ہو رہا تھا۔

''لیکن جب اسے سب پتا چلے گا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی''۔ رامیہ کو تھوڑا تھوڑا ایمن کی ناراضی کا خوف بھی تھا۔

''تم یہ بتاؤ تمہیں مزہ آ رہا ہے یا نہیں''۔ وہ اطمینان سے بولا تھا۔

''مزہ تو خیر آ رہا ہے۔ ہمیشہ ہر شرارت ہم دونوں نے مل کر کی ہے اور ہماری شرارتوں سے آج تک کوئی محفوظ نہیں رہا۔ پہلی مرتبہ ایسا ہو رہا ہے کہ میں اسے ستا رہی ہوں''۔ وہ ایمن کی رونی شکل ذہن میں لاتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔

''بس تو پھر فکر چھوڑو اور جہاں تک ناراض ہونے کا سوال ہے تو اس کی گارنٹی میں دیتا ہوں کہ وہ تم سے ناراض نہیں ہوگی''۔ وہ تسلی دیتا ہوا بولا تھا۔

''چائے پیو گی؟''

''اتنی گرمی میں چائے''۔ اس نے فوراً انکار کیا۔

''اچھا کولڈ ڈرنک''۔

''اگر میری خاطر مدارت کرنے کا اتنا ہی موڈ ہے تو میں تو آئس کریم کھاؤں گی''۔ دانیال اس کے بے تکلف انداز پر ہنس پڑا تھا۔ پھر دانیال کے ساتھ بیٹھ کر اپنی فیورٹ پائن ایپل آئس کریم کھاتے ہوئے اس نے دُنیا زمانے کی کتنی

ساری باتیں کی تھیں۔ اسے کسی بھی نئے بندے سے بے تکلف ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا تھا۔ بس شرط صرف یہ تھی کہ سامنے والا اس کا ہم مزاج ہو، اسے روکھے پھیکے، ڈل اور خشک مزاج لوگ زہر لگتے تھے اور دانیال تو اسے بالکل اپنی ٹائپ کا لگا تھا۔ زندگی کو انجوائے کرنے والا۔ اس کا فرسٹ امپریشن ان لوگوں پر کتنا مختلف پڑا تھا۔ وہ لوگ اسے ایک پکا پروفیشنل اور قدرے خشک مزاج سا بندہ سمجھتی تھیں، جبکہ وہ تو بہت پیاری نیچر کا مالک تھا۔ رامیہ، ایمن کی قسمت پر رشک کر رہی تھی۔ ایمن نے اس سے یہ پوچھا نہیں تھا کہ دانیال نے کیوں بلایا ہے، مگر بے چینی اس کے ہر انداز سے ظاہر تھی۔

رامیہ نے آ کر بڑے آرام سے دوبارہ اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ ایمن نے دو تین مرتبہ اس کی طرف دیکھا کہ شاید اب وہ بتائے گی کہ بلاوا کس خوشی میں تھا، مگر وہ تو اس طرح کام میں مگن تھی، جیسے اس سے زیادہ اہم کوئی اور بات ہی نہ ہو۔

☆

''سنا ہے میں بہت پوز کرتا ہوں۔ اپنے بارے میں مجھے کئی خوش فہمیاں ہیں۔ خود کو کسی ڈیوک یا لارڈ سے کم نہیں سمجھتا''۔ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑے اعتماد سے بولا تھا۔ وہ صرف ایک پل کے لیے نروس ہوئی تھی۔ اگلے لمحے وہ دانیال کو گھور کر دیکھ رہی تھی۔

''اسے کیا گھور رہی ہیں۔ میری بات کا جواب دیں''۔ وہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جما کر کھڑا اپنے جواب کا منتظر تھا۔

''جی ہاں آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے''۔ ڈرتی تو وہ کسی سے نہیں تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بڑے آرام سے بولی تھی اور اس کے جواب پر وہ دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

''میں نے تم سے کہا تھا ناں یہ لڑکی بہت مختلف ہے۔ بہت بولڈ اور بااعتماد''۔ دانیال نے معاذ کو مخاطب کر کے کی تو اس کی تعریف ہی تھی، مگر اسے پھر بھی دانیال پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

''میں نے آپ پر بھروسہ کر کے ایک بات کہی تھی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ اس کا ڈھنڈورا سارے جگ میں پیٹ دیں''۔ اس نے کل ہی باتوں باتوں میں دانیال سے اس کی اور معاذ کی دوستی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بارے میں یہ کمنٹس دیئے تھے۔

''بھئی میں نے سوچا کہ میرے دونوں فرینڈز کے بیچ مس انڈر اسٹینڈنگ اور ٹینشن نہیں رہنی چاہیے۔ اس لیے معاذ کو ساری بات بتا دی''۔ وہ اس کا غصہ کم کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''میرا خیال ہے میرے دونوں فرینڈز کے بیچ بھی کسی قسم کی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے۔ میں بھی جا کر ایمن کو ساری بات بتا کر آتی ہوں''۔ اس کے لہجے میں چھپی دھمکی پر معاذ ہنس پڑا تھا، جبکہ دانیال فوراً اسے منانے لگا تھا۔

''تمہیں بُرا لگا تو سوری۔ میں تو صرف یہ چاہ رہا تھا کہ تم نے معاذ کے بارے میں جو غلط رائے قائم کی ہے، وہ دور ہو جائے۔ اس سے بھی میں نے یہی کہا تھا۔ مگر ان موصوف نے آ کر ساری بات حرف بہ حرف دُہرا کر کام خراب کر دیا''۔ وہ معاذ کو گھورتا ہوا بولا تھا۔

''اچھا چلو پینلٹی کے طور پر آج لنچ میری طرف سے، وہ بھی تمہاری کسی پسند کی جگہ پر''۔ دانیال نے اسے لالچ دیا تو وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''شکریہ، لنچ تو میں ایمن کے ساتھ کروں گی''۔ معاذ جو اسے بڑی توجہ سے بغور دیکھ رہا تھا۔ بڑی سنجیدگی سے

دانیال سے بولا۔

''تمہاری قریب کی نظر کمزور ہوگئی ہے''۔ رامیہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے جملے کی معنی خیزی تو وہ محسوس کر گئی تھی مگر مطلب سمجھنے سے قاصر تھی۔ دانیال نے ہنستے ہوئے معاذ کو گھور کر دیکھا تھا۔ اسے کرسی پر سے اُٹھتا دیکھ کر دانیال بے ساختہ بولا۔

''کیا ہوا کہاں جا رہی ہو؟''

''خوامخواہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو ''کوڈورڈز'' میں بات کرنی پڑ رہی ہے۔ میں چلی جاؤں گی تو آرام سے بات کر لیجئے گا''۔ وہ منہ بنا کر بولی تھی۔ معاذ ہنوز لبوں پر مُسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا، جبکہ دانیال ابھی اسے منانے کے لیے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گلاس ڈور کے اس طرف کھڑی ایمن پر نظر پڑتے ہی ادھر متوجہ ہوگیا۔ رامیہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس طرف دیکھا تو ایمن دکھائی دی۔ وہ اندر آنے کی بجائے واپس مڑ گئی تھی۔ وہ ایک دم اس کے پیچھے گئی تھی۔

''کیا ہوا ایمن؟ کوئی کام تھا؟'' وہ تیز قدموں سے چلتی اس تک پہنچ چکی تھی۔

''لنچ ٹائم ہوگیا ہے۔ میں اسی لیے تمہیں دیکھنے آئی تھی کہ کہاں ہو''۔ وہ آدھ گھنٹہ پہلے اس سے کہے بغیر خود ہی دانیال کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''پھر اس طرح واپس کیوں آ گئیں، اندر آ جاتیں۔ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ لنچ ٹائم ہوگیا ہے۔'' وہ اس کے اُداس چہرے پر ایک نظر ڈال کر بولی۔

''میں نے سوچا شاید کوئی امپورٹنٹ بات ہو رہی ہے، اس لیے ڈسٹرب نہیں کیا''۔ وہ اس سے بڑے شاکی لہجے میں بولی تھی۔ رامیہ نے ''امپورٹنٹ بات'' کی کوئی وضاحت کیے بغیر فوراً کہا۔

''چلو پھر چلتے ہیں۔ تم گاڑی نکالو۔ میں اپنا بیگ لے کر آ رہی ہوں''۔ ایمن گردن ہلاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ لنچ کے دوران بھی وہ رامیہ سے کھچی کھچی رہی کھانا بھی اس نے برائے نام کھایا۔ رامیہ کو اس کی حالت پر ایک دم رحم آنے لگا۔

''بھاڑ میں گیا انجوائے منٹ اور تھرل۔ میں دانیال سے بات کروں گی کہ ختم کرے یہ ڈرامہ''۔ وہ دِل ہی دل میں پکا ارادہ کر چکی تھی۔ اچانک اس کا دھیان معاذ کے ان ناسمجھ میں آنے والے کمنٹس کی طرف چلا گیا اور ایک دم ہی اس کی سمجھ میں اس بات کا مطلب آ گیا۔ ایمن اکثر بڑا چڑ کر اسے کہا کرتی تھی ''تم ساتھ ہوتی ہو تو مجھے تو کوئی دیکھتا بھی نہیں ہے۔ حالانکہ کوئی ایسی حسینہ عالم بھی نہیں ہو۔ بس یہ ہے کہ خود کو Maintain کر کے رکھا ہوا ہے۔ میک اپ کا سینس ہے۔ کپڑوں کی چوائس اچھی ہے۔ باقی اس کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں ہے جو تمہیں مختلف بناتا ہو''۔ وہ ان کمنٹس پر دِل کھول کر ہنسا کرتی تھی۔

حنا کی شادی سے پہلے جب بھی کبھی وہ لوگ کسی فنکشن یا شادی وغیرہ میں جاتیں تو تیار ہونے کے بعد حنا اکثر کہا کرتی تھی۔

''تقریباً ایک جیسا ڈریس ہے ہم دونوں کا، مگر تم زیادہ اسٹائلش لگ رہی ہو۔ کچھ بات ہے تم میں جو

تمہیں مختلف بناتی ہے۔ تم میں بہت اسٹائل ہے۔ عام سے لان کے سوٹ میں بالوں کو کلپ بھی کیا ہوا ہو تو بھی تم ماڈل نظر آتی ہو''۔

حالانکہ حنا کے نقوش اس سے زیادہ پیارے تھے۔ رنگت بھی اس کے مقابلے میں زیادہ صاف تھی، مگر جو اسٹائل جو نزاکت اس میں تھی، وہ حنا میں نہ تھا۔ اپنی ان خوبیوں کا اسے خود بھی احساس تھا، مگر اس چیز کو اس نے کبھی بھی سر پر سوار نہیں کیا تھا۔

''کیا ہوا کہاں کھو گئیں؟'' ایمن نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ ایک دم چونک گئی۔

''کچھ نہیں''۔ ایمن اس کے جواب پر چپ سی ہوگئی تھی۔ شاید وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ رامیہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔ شام میں گھر واپس جاتے ہوئے ایمن اس سے بولی۔

''رامیہ ہم نے کبھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپایا۔ ہے نا''۔

''ہاں لیکن تمہیں یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں پڑی''۔ وہ کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرتی بے نیازی سے بولی۔

''اس سوال کا جواب بھی تمہارے ہی پاس ہے۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ ہماری دوستی میں کبھی کوئی دراڑ نہ آئے۔ ہم پہلے کی طرح ایک دوسرے سے صرف سچ بولیں۔'' ایمن نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ بغیر کوئی جواب دیئے حدیقہ کے ''بو ہے باریاں'' کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ رات میں اس نے دانیال کو فون کر کے ایمن کو سب کچھ صاف صاف بتانے کے لیے کہا تھا۔

''میں اب مزید اسے بے وقوف نہیں بنا سکتی، وہ بہت پریشان ہے''۔

''کیسی بور لڑکی ہو۔ نہ خود انجوائے کر رہی ہو، نہ دوسروں کو کرنے دے رہی ہو''۔ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا تھا۔ ان لوگوں کی وہاں Internship کے صرف دو ہی دن رہ گئے تھے۔ دانیال نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ دو دن بعد وہ ساری بات کلیئر کر کے اس ڈرامے کو ختم کر دے گا۔

اسے فلو نے ایسا گھیرا کہ وہ ان دو دنوں میں جا ہی نہ سکی۔ وہ سوچ رہی تھی، پتا نہیں کیا ہوا ہوگا۔ دانیال نے ایمن سے کچھ کہا ہوگا کہ نہیں۔ ممی نے مسلسل بستر پر لٹایا ہوا تھا۔

''حالت دیکھو ذرا اپنی چپس، برگر، پیپسی اور آئس کریم بس یہ اوٹ پٹانگ چیزیں کھلائے، جاؤ ڈھنگ کی کوئی چیز کھانے کو دو تو منہ بن جائے گا''۔ وہ زبردستی اسے دودھ پلواتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

شام میں ممی نے اسے کارڈلیس پکڑاتے ہوئے کہا ''تمہارا فون ہے'' دوسری طرف سے آتی معاذ کی آواز سن کر وہ حیران رہ گئی تھی۔

''میں نے سوچا خیریت دریافت کر لوں۔ آج دوسرا دن ہے شاید خاتون زیادہ ہی بیمار ہوگئی ہیں''۔ وہ اس کی حیرت کے جواب میں بولا تھا۔

''نہیں بیمار تو کوئی زیادہ نہیں ہوں۔ معمولی سے بخار اور نزلہ کھانسی پر ممی حد سے زیادہ پریشان ہوگئی ہیں، ورنہ میں تو آج آنا چاہ رہی تھی۔'' وہ کچھ بیزاری سے بولی تھی۔

''ویسے آپ کے فون کرنے کا بہت بہت شکریہ''۔ وہ مزید گویا ہوئی۔

آہستگی سے وہاں سے کھسکنا شروع ہوئی۔ اگلے دو اسٹالز اور کراس کرنے کے بعد اس نے ایک دم اپنی رفتار بڑھا دی۔ مختلف لوگوں سے ٹکراتی ہو بلاخر ہال ''A'' سے باہر نکل آئی تھی، وہ دونوں یہاں فراز کے ساتھ آئی تھیں، جس کے دوست کا اسٹال ہال ''B'' میں لگا ہوا تھا اور وہ وہیں تھا۔ وہ ڈھونڈتی ہوئی فراز تک پہنچ گئی تھی۔

''اتنی جلدی واپس چلنا ہے اور وہ تمہاری فرینڈ کہاں رہ گئی''۔ وہ اس کے جلدی مچانے پر حیران ہوا تھا۔

''بس میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ مجھے گھر چلنا ہے''۔ وہ دوٹوک انداز میں بولی تو فراز اپنے دوستوں سے خدا حافظ کہتا، اس کے ساتھ آ گیا تھا۔ وہ بے چارہ سمجھا کہ شاید گرمی کی وجہ سے اس کا بی پی لو ہو رہا ہے۔ اس لیے جلدی سے اسے فریش جوس پلوایا اور فوراً ہی گھر ڈراپ کر دیا۔ آفس سے وہ لنچ ٹائم کے بعد ہی اُٹھ گئی تھی۔ پروگرام تو اس کا فون کر کے ایمن کو اپنے ہاں بلانے کا تھا، مگر اتفاق سے فراز آ گیا تو اس نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی ردوبدل کر لی تھی۔ ایمن نے اسے نہ پا کر کتنا ڈھونڈا ہو گا اور پتا نہیں دانیال نے اس سے کیا کیا باتیں کی ہوں گی۔ وہ سب تفصیلات جاننے کے لیے بُری طرح بے چین تھی اور اس کی بے چینی جلد ہی دور بھی ہو گئی تھی۔ ایمن نے کمرے میں آ کر تکیے کشنز اور جو جو کچھ اس کے ہاتھ لگ رہا تھا، اس کے اوپر پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔

''ذلیل، کمینی، میرے خلاف سازشیں کرتے تمہیں ذرا بھی شرم نہ آئی۔ میری دوست ہو کر آلہ کار دوسروں کی بنی ہوئی تھیں۔'' وہ اِدھر سے اُدھر بھاگتی دوڑتی ان حملوں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوریڈور سے گزرتی ممی نے جو اندر سے آتی عجیب و غریب آوازیں سنیں تو ایک دم بوکھلا کر اندر آ گئیں۔

''خیر تو ہے بیٹا؟'' انہیں دیکھ کر ایمن نے ہاتھ میں پکڑا گلدان بڑی شرمندگی کے عالم میں کمر کے پیچھے چھپا لیا تھا، جبکہ وہ اپنی سانسوں پر قابو پاتی بولی ''جی ممی'' وہ اتنی دیر میں کمرے کی ابتر حالت پر نظریں دوڑا چکی تھیں اور ایک مایوس نظر ان دونوں پر ڈالتی بغیر کچھ کہے کمرے سے چلی گئیں تو ایمن بُری طرح شرمندہ ہو گئی۔

''یار آنٹی ناراض ہو گئیں''۔ وہ فکر مند ہوئی۔ ''تمہیں آتے ہی سلطانہ ڈاکو بننے کے لیے کس نے کہا تھا، خدا کی بندی منہ سے بات نہیں کر سکتی تھیں''۔ وہ جلدی جلدی سب چیزیں اپنے ٹھکانے پر رکھتی ہوئی بولی۔

''بس وہ مجھے تم پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں''۔ وہ ناراضی سے بولی۔

''ناراض ہونا ہے تو دانیال سے ہو۔ میرا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو صرف ان کی بات ماننے کی گناہ گار ہوں اور وہ بھی تمہاری وجہ سے''۔ وہ اطمینان سے بولی۔

''میری وجہ سے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں تو اور کس کی وجہ سے آئندہ ہماری دوستی اتنے ہی شان دار طریقے سے قائم و دائم رہے۔ اس کے لیے اولین شرط یہ کہ ہم دونوں کے ایک دوسرے کے ''ان'' کے ساتھ اچھے دوستانہ مراسم ہوں، تاکہ انہیں ہماری بے تحاشا دوستی اور میل جول پر کوئی اعتراض نہ ہو''۔ وہ فلور کشن پر گرتے ہوئے بولی۔

''ویسے ہوا کیا۔ کچھ مجھے بھی تو پتا چلے۔ جب سے آئی ہوں پریشان بیٹھی ہوں، تمام تفصیلات جاننے کے لیے''۔ وہ بڑی پُرشوق نگاہوں سے ایمن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور وہ اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بڑے پُرجوش انداز میں اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''شکریہ۔'' وہ شکریہ کو خوب لمبا کھینچتا ہوا بولا تھا۔

''یہ اتنے بڑے بڑے وزنی جملے آپ کے منہ سے اچھے نہیں لگ رہے۔ آپ کا آؤٹ اسپوکن انداز زیادہ بہتر ہے۔ اینی وے اپنا خیال رکھیے گا، بائے''۔ وہ کارڈلیس ہاتھ میں لیے اب تک کچھ حیران سی تھی۔ اگلے روز وہ پاپا کے ساتھ آفس گئی تھی۔ ایمن کو تو ظاہر ہے، اب نہیں آنا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' دانیال نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا تھا۔

''بڑی فکر ہے میری طبیعت کی، فون کر کے خیریت تک تو پوچھی نہیں''۔ وہ خفگی سے بولی۔

''کیوں پرسوں کس نے فون کیا تھا''۔ دانیال نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''پرسوں کیا تھا۔ کل تو نہیں کیا''۔ وہ غصے سے بولی۔

''پرسوں بات کر کے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ طبیعت زیادہ خراب نہیں ہے، بس نخرے ہو رہے ہیں۔'' وہ اطمینان سے کہتا اسے چڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ابھی تو آپ کو معلوم نہیں ہے کہ نخرے کہتے کس کو ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں آگے مجھ سے بہت کام پڑیں گے۔ میں بتا دوں گی''۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔ پھر کچھ دیر بعد جب اسے ایمن کا خیال آیا اور اس نے دانیال سے اس بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

''میں تو ابھی اور ستانے کے موڈ میں تھا، مگر تمہیں دوست کی ہمدردی کا بخار زیادہ ہی چڑھ رہا ہے۔ اس لیے مزید پروگرام ملتوی کر دیا، ویسے یہ دو دن خاموشی سے گزرے، میں نے کچھ زیادہ بات نہیں کی۔''

''کون سے جنم کا بدلہ لے رہے ہیں، اس بے چاری سے''۔ اس نے دانیال کو گھورا تھا اور وہ شریری مُسکراہٹ چہرے پر لیے شاید ایمن ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

☆

ایمن کے ساتھ Expo centre میں گھومتے ہوئے وہ بڑا انجوائے کر رہی تھی، جبکہ ایمن ابھی تک کچھ حیران سی تھی۔

''یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں سوجھی کیا۔ پہلے سے فون پر انفارم تو کر دیتیں۔ ایک دم ایسی افراتفری مچائی کہ میں تو بوکھلا گئی''۔ وہ اس کی حیرت کے جواب میں بڑے سکون سے مُسکراتے ہوئے بولی۔

''بس دو پاس اس ایگزیبیشن کے میرے ہاتھ لگے اور اتفاق سے فراز بھی آیا ہوا تھا۔ میں نے سوچا موقع سے فائدہ اُٹھایا جائے، آرام سے اس کے ساتھ تمہارے گھر آ گئی۔ یار آئی ٹی کی اتنی شان دار ایگزیبیشن اگر ہم مس کر دیتے تو کتنا افسوس ہوتا''۔ وہ ایک سٹال کے سامنے رُکتی ہوئی بولی۔ ایمن تو پوری طرح نمائش دیکھنے میں محو تھی۔ جبکہ وہ کن انکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ رش اتنا تھا کہ اللہ کی پناہ۔

''اس رش میں دانیال نظر کیسے آئے گا''۔ وہ دانیال کے اس بے تکے آئیڈیے پر ابھی چڑ ہی رہی تھی کہ وہ کچھ فاصلے پر کھڑا نظر آ گیا۔ وہ اسے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ ایک نظر دانیال پر ڈالنے کے بعد وہ ایمن کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس دھکم پیل میں بھی محترمہ نئے ماڈل کے Laptop کا پورا معائنہ کر رہی تھی۔ رامیہ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بڑی

"رامیہ! مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ سب کچھ کسی خواب جیسا لگ رہا ہے۔" وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی اور رامیہ اس کی خوشی پر اس سے زیادہ خوش تھی۔

"تمہیں پتا ہے دانیال مجھے پہلے دن ہی بہت اچھا لگا تھا، مگر سب کچھ اس طرح ہو جائے گا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" "I am so happy" ایک عجیب سی سرخوشی اور مسرت اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"لیکن تم نے مجھے اس کے ساتھ مل کر کتنا ستایا ہے۔ کتنی بری دوست ہو تم"۔ وہ منہ پھلا کر بولی اور اس کی یہ خفگی وہ تھوڑی ہی دیر میں دور کرنے کے بعد اس سے آج کے تمام واقعات سن رہی تھی۔

"خبردار اگر تم نے کچھ سنسر کیا تو"۔ اس نے ایمن کو پہلے ہی دھمکی دے دی تھی اور وہ اسے گھورتے ہوئے نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

☆

"پھر اب اس کے بعد آگے کیا ارادے ہیں۔ جاب کرنی ہے یا گھر بیٹھنا ہے۔" معاذ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔ آج اس کا یہاں آخری دن تھا اور وہ معاذ سے ملنے اس کے کمرے میں آئی تھی۔

"پتا نہیں ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا۔ شاید جاب کروں یا شاید کچھ اور"۔

وہ لیمن ایڈ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"بھئی واہ کیا شان بے نیازی ہے۔ محترمہ یہ آپ کی اپنی زندگی ہے جس کے بارے میں آپ اتنے سرسری اور عام سے انداز میں بات کر رہی ہیں۔ ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز بھی شاید یونہی اتفاقاً کر لیا ہوگا"۔ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا اور وہ بڑا مانے بغیر بڑے اطمینان سے بولی۔

"بھئی میری عادت ہے کہ میں کسی بھی چیز کو سر پر سوار کر کے زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں بناتی۔ اب آپ چاہے اسے اچھی عادت سمجھیں یا بری، ویسے میرے قریب ترین تمام افراد اسے میری سب سے بری عادت قرار دیتے ہیں، مگر میں زندگی کو جیسی ہے جہاں ہے کی بنیاد پر گزارنا پسند کرتی ہوں۔ میں Ambitious نہیں ہوں۔ ہاں ایک نارمل انسان ہونے کی حیثیت سے میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے کسی ملٹی نیشنل فرم میں شاندار قسم کی جاب مل جائے یا پھر فیشن ڈیزائننگ پڑھنے لندن چلی جاؤں، مگر ان دونوں میں سے اگر کوئی ایک بات بھی نہ ہوئی تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں جتنی مطمئن آج ہوں، ایسی ہی رہوں گی"۔

"بڑے اونچے بلکہ درویشانہ قسم کے خیالات ہیں۔ سنا ہے درویش ٹائپ لوگ اتنے ہی بے نیاز ہوتے ہیں"۔

وہ جو اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ بے اختیار ہنستا ہوا بولا تھا اور وہ بھی اس کے تبصرے پر ہنس پڑی تھی۔

"ویسے اگر آپ چاہیں تو یہاں جوائن کر سکتی ہیں"۔ معاذ کی اس آفر پر وہ حیرت کے مارے اچھل پڑی تھی۔

"آپ جاب کی آفر کر رہے ہیں۔ وہ بھی مجھے جب کہ آپ کی رائے کے حساب سے تو میں ایک غیر ذمہ دار اور لاپروا لڑکی ہوں"۔ وہ اپنے ازلی صاف گو انداز میں بولی تھی۔

"ہاں تو میں اپنے بیان سے پھرا نہیں ہوں۔ غیر ذمہ دار تو آپ ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ بہت ذہین اور کری ایٹو دماغ بھی رکھتی ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ آپ کی ذہانت کو یہ لاپروائی ہی ڈبوتی ہے"۔ چائے کا کپ خالی

کرتا ہوا، وہ بھی صاف گوئی سے بولا "اور آپ کی لاپروائیوں اور غیر ذمہ داریوں کا علاج میں بہت اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ اس لیے مجھے اس طرف سے کوئی فکر نہیں ہے۔ آفٹر آل آپ جانتی ہی ہیں۔ کام کے معاملے میں بدتمیزی کی حد تک روڈ اور بے حد پروفیشنل انداز اختیار کرتا ہوں"۔ وہ بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ اسے سوچ میں پڑتا دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

"کیا ہوا؟ کیا سوچنے لگیں؟"

"کچھ نہیں میں بس یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے آپ کی آفر قبول کر ہی لینی چاہیے۔ ویسے آپ نے دانیال سے اس بارے میں بات کی؟" وہ جواباً بولی تھی۔

"بات تو نہیں کی لیکن اسے کیا اعتراض ہوگا"۔ وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"ٹھیک ہے میں تو راضی ہوں، بس ذرا ممی پاپا سے اور مشورہ کر لوں پھر آپ کو انفارم کر دوں گی"۔ وہ کرسی پر سے اٹھتے ہوئے بولی تھی اور معاذ نے گردن ہلا دی تھی۔

ممی پاپا کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہاں کا ماحول بھی اچھا تھا اور فارغ گھر میں بیٹھنے سے بہتر تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لے، لہٰذا اس نے اگلے ہی روز سے وہاں باقاعدہ جوائن کر لیا۔ ایمن کے لیے دانیال کا پروپوزل آ چکا تھا اور وہ آج کل گھر میں رہ کر سگھڑ خاتون بننے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

"یار دانیال بتا رہا تھا کہ اس کی مما کو بڑی سگھڑ قسم کی گھریلو لڑکی چاہیے جو دہلی والوں کی تمام ڈشز بڑی عمدہ بناتی ہو۔ اب تم بتاؤ مجھے کیا نہاری، قورمہ اور شاہی ٹکڑے بنانے آتے ہیں۔ بابا ہم تو سیدھی سادی عام سی ڈشز بنا لیں، وہی غنیمت ہے"۔ وہ فون پر اپنے دکھڑے اسے سناتی اور جواب میں وہ ہنستے ہوئے گنگناتی۔

"یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھیے"۔

دانیال کی فیملی بظاہر لبرل نظر آنے کے باوجود کسی قدر کنزرویٹو بھی تھی، اسی وجہ سے اسے شادی کے بعد جاب کی اجازت ملنا مشکل ہی تھا۔

☆

وہ کمپیوٹر پر Game کھیل رہی تھی۔

"دیکھو ہمایوں میں نے کتنا شاندار کارٹون بنایا ہے"۔ وہ عاشق صاحب کا کارٹون بنا کر اب داد طلب نظروں سے ہمایوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"واقعی بہت اچھا بنا ہے"۔ اپنے عقب سے آتی معاذ کی آواز اسے کرنٹ لگا گئی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے گردن گھما کر دیکھا تو وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ حمنیٰ اور ہمایوں اپنے لبوں پر مچلتی مسکراہٹ کا گلا گھونٹے بظاہر کام میں خود کو مصروف ظاہر کر رہے تھے۔

"میں نے جو کام کہا تھا، وہ ہو گیا"۔ وہ سخت گیر باس بنا کھڑا تھا۔ جواب میں اس نے گردن ہلائی تو وہ۔

"ٹھیک ہے میرے کمرے میں آئیں"۔ کہتا باہر نکل گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی ہمایوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا، جبکہ حمنیٰ اس کی ناراضی کے خیال سے ہنوز اپنی مسکراہٹ دبائے بیٹھی تھی۔ وہ ہمایوں کی طرف مکا لہراتی باہر نکلی۔

"تشریف رکھیے"۔ معاذ نے اپنا خفگی بھرا انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا، جبکہ وہ بالکل مطمئن تھی۔

"میرا کام مکمل ہوگیا تھا۔ فارغ وقت میں بیٹھ کر میں جو بھی کروں۔ میں نے کام کرنے میں تو کوتاہی نہیں کی ناں"۔ وہ خود کو اطمینان دلاتی بڑے سکون سے بیٹھی تھی۔

"کتنی فضول حرکت کر رہی تھیں۔ آپ اگر میرے بجائے پیچھے سے عاشق صاحب آجاتے تو کتنی بُری بات ہوتی کارٹون بنایا تو بنایا اس پر اتنا بڑا بڑا "مسٹر عاشق" بھی لکھ دیا۔" وہ بھی شاید یہ دیکھ کر کہ کام تو وہ پورا کر چکی تھی، اب دوسری طرف آگیا تھا۔

"دنیا میں وہ اکیلے تو "عاشق" نہیں ہیں۔" کہتے ساتھ ہی اپنے جملے کے نامناسب ہونے کا احساس ہوا تو وہ سنبھل کر فوراً تصحیح کرنے والے انداز میں بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ اس نام کے بے شمار لوگ دُنیا میں موجود ہیں۔ اس پر بھی اگر وہ یہی سمجھتے تو ان کی مرضی"۔ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، جبکہ معاذ نے بڑی مشکلوں سے خود کو قہقہہ لگانے سے روکا تھا، پھر بھی وہ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی تو دیکھ ہی چکی تھی اور خود اسے بھی ایک دم ہنسی آگئی تھی۔

"اچھا تو آپ فارغ بیٹھی بور ہو رہی تھیں۔ چلیں اس کا حل ابھی نکال لیتے ہیں۔" وہ ایک موٹی سی فائل اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"اکرم آج چھٹی پر ہے۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یہ کس سے ٹائپ کرواؤں، چلیں میرا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور آپ کی بوریت بھی دور ہو جائے گی۔ ٹائپ ہو جائیں تو سارے صفحات کے لیٹر پیڈ پر پرنٹ لے لیجیے گا۔ پانچ بجے میری میٹنگ ہے۔ تب تک تو ہو ہی جائے گا"۔ وہ اس کے ہراساں چہرے پر ایک نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"اتنے سارے پیج"۔ وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

"زیادہ نہیں ہیں۔ دیکھنے میں اتنے لگ رہے ہیں۔ شاباش شروع ہو جائیں"۔ وہ اپنے کمرے میں موجود کمپیوٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا اور وہ مرے مرے قدموں سے چلتی کمپیوٹر تک آگئی تھی۔ اسے وہاں بیٹھا کر وہ خود کہیں چلا گیا تھا۔ اس کی ٹائپنگ اسپیڈ بس گزارے لائق تھی۔ صرف اس حد تک کہ وہ اپنے اسائنمنٹ وغیرہ خود ٹائپ کر لیا کرتی تھی، مگر یہ موٹی تازی فائل تو اسے بُری طرح ہولا رہی تھی۔ معاذ کی واپسی دو بجے سے کچھ پہلے ہوئی تھی۔

"کیا ہوا، ہوگئے ٹائپ"۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ اتنے سارے پیج شام تک میں کبھی بھی ٹائپ نہیں کر سکتی"۔ وہ رونی صورت لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"جاب میں "میں یہ نہیں کر سکتی" اور "یہ نہیں ہو سکتا ہے"۔ قسم کے جملوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جاب کرنی ہے تو جو کام کہا جائے گا، وہ کرنا بھی ہوگا، بغیر کسی Argument کے"۔ وہ بڑی بے مروتی سے بولا تھا۔

"میری جاب ٹائپسٹ کی تو نہیں ہے"۔ وہ پھر منہ پھٹ انداز میں بول پڑی تھی اور وہ اس کے انداز پر طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

"اچھا تو کیا کارٹونسٹ کی ہے؟" وہ ایک دم سر جھکا کر شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

"آئندہ کبھی کسی کا کارٹون نہیں بناؤں گی، پرامس"۔ اس مصیبت فائل سے جان چھڑانے کے لیے وہ بڑی

عاجزی سے بولی تھی۔

"لنچ کر لیا؟" وہ پیون کو ٹرے اُٹھائے اندر آتا دیکھ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں"۔ اسے ٹائپنگ کرتے اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ لنچ ٹائم شروع ہو کر ختم بھی ہو چکا ہے۔

"آجائیں پھر ساتھ لنچ کرتے ہیں"۔ وہ کچھ دیر پہلے کا سخت گیر رویہ ترک کر کے دوستانہ انداز میں بولا۔

"تھینک یو۔ میں لنچ لے کر آئی ہوں"۔ ایمن کے بغیر اسے باہر کھانا کھانے کے لیے جانا عجیب سا لگتا تھا، اس لیے وہ لنچ لے کر آنے لگی تھی۔

"اور جو میں یہ اتنا سارا لے کر آیا ہوں، یہ سب کون کھائے گا"۔ وہ ٹرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آپ میری وجہ سے یہ سب لے کر آئے ہیں؟" وہ اس کی ٹیبل پر رکھی ٹرے پر نظریں ڈالتے ہوئے بولی۔

"کے ایف سی" کے برگر، چکن، فرائز، اور پیپسی سب ہی کچھ موجود تھا۔

"میں کسی پہلوان گھرانے سے تو تعلق رکھتا نہیں ہوں کہ اتنا سارا کچھ اکیلا کھا جاؤں گا"۔ وہ منہ بنا کر بولا تو رامیہ اس کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو یہ کیسے پتا تھا کہ میں نے اب تک لنچ نہیں کیا ہوگا"۔ وہ گلاس میں اسٹرا لگاتے ہوئے بولی۔

"جو فائل میں آپ کو دے کر گیا تھا، اسے دیکھ کر کوئی بھی نارمل آدمی کھانا پینا بھول سکتا ہے"۔ وہ شرارت سے مُسکرایا تھا اور رامیہ اپنی کچھ دیر پہلے کی کیفیت یاد کر کے ہنس پڑی تھی۔

☆

ایمن کی دانیال کے ساتھ بات پکی ہوگئی تھی اور بجائے منگنی وغیرہ کے ڈائریکٹ شادی ہو رہی تھی۔ ایک مہینے بعد کی تاریخ رکھی گئی تھی اور اتنے شارٹ نوٹس پر ہونے والی یہ شادی ایمن کے ساتھ ساتھ اسے بھی بوکھلا گئی تھی۔ دانیال کی بہن Denmead سے آئی ہوئی تھیں اور انہیں کی وجہ سے شادی اتنی جلدی ہو رہی تھی۔ وہ آفس کی مصروفیت کے ساتھ ساتھ ایمن کو تیاریوں میں بھی بھرپور حصہ لے رہی تھی۔

"شادی کے بعد اگر اسے مجھ سے ملنے سے روکا یا ہماری دوستی پر کوئی اعتراض کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا"۔ ہر بار دانیال سے ملنے پر وہ یہ جملہ ضرور کہتی اور وہ اس کی دھمکیوں پر ہنس دیا کرتا۔ ممی کے ہاتھ پاؤں جوڑ کر اور بہت سے وعدے کرنے کے بعد وہ انہیں اس بات پر آمادہ کر چکی تھی کہ وہ اسے آفس خود گاڑی ڈرائیو کر کے جانے دیں، جس روز اس کا ایمن کے ساتھ شاپنگ کا پروگرام ہوتا تو وہ دانیال کو بتا کر جلدی سے اُٹھ جایا کرتی اور وہ بے چارہ اسے انکار بھی نہیں کر پاتا تھا۔ ان لوگوں کا فائنل سمسٹر کا رزلٹ آگیا تھا اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ وہ Top Ten پوزیشن ہولڈرز میں شامل تھی، اس کی آٹھویں پوزیشن آئی تھی، جبکہ ایمن نے اسے فون پر یہ بات بتائی تو اسے یقین ہی نہیں آیا تھا۔

فرسٹ سمسٹر سے لے کر پچھلے سمسٹر تک اس کی کبھی کوئی پوزیشن نہیں آئی تھی۔ بس سیدھا سادا پاس ہوگئے۔ پیپرز تو خیر اس کے اچھے ہوئے تھے، مگر پھر بھی وہ ایسی کوئی اُمید نہیں کر رہی تھی۔ دانیال، ممی پاپا اور بہنوں سب ہی نے اسے گفٹس دیئے تھے۔ اس کی فرینڈز زوردار ٹریٹ کا مطالبہ کر رہی تھیں اور وہ خود بھی بے حد خوش تھی۔

وہ گاڑی پارک کر کے بیگ کندھے پر ڈالتی آگے بڑھی، اسی وقت معاذ بھی اپنی گاڑی سے اُترتا نظر آیا۔ اسے دیکھ کر وہ رُک گئی تھی۔

''ہیلو! کیا حال ہیں''۔ اس کے پاس آتے ہی وہ مُسکرا کر بولی تھی۔

''ٹھیک ٹھاک، آپ سنائیں۔ آج کل تو جلدی غائب ہو جاتی ہیں''۔ وہ اس کے برابر چلتا ہوا بولا۔

''ہاں وہ شادی کی تیاریوں کی وجہ سے میں نے دانیال سے اسپیشلی پرمیشن لی ہوئی ہے''۔

''اسے سسرالیوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے اور آپ تو خاص الخاص سسرالی ہیں۔ آپ کی ناراضی تو وہ افورڈ کر ہی نہیں سکتا۔'' وہ لفٹ میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

آفس میں داخل ہوئے تو وہ اسے اپنے کمرے میں بلاتا خود بھی اندر داخل ہو گیا۔ وہ اپنی ٹیبل کی دراز کھول کر اس میں سے کچھ نکالنے لگا تھا، جبکہ رامیہ خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

''تین دن سے یہ ساتھ لیے پھر رہا ہوں، مگر آپ سے ملاقات ہی نہیں ہو پاتی تھی۔ جس وقت میں آتا آپ جا چکی ہوتی تھیں۔ اینی وے میری طرف سے پوزیشن آنے پر بہت بہت مبارک باد قبول کریں''۔ وہ خوب صورت پیکنگ پیپر میں لپٹا تحفہ اس کی طرف بڑھائے کھڑا تھا۔

''اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے وش کر دیا، وہ بھی کافی تھا''۔ وہ تحفہ قبول کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔

''میں دوست بہت کم بناتا ہوں۔ صرف جو لوگ مجھے اچھے لگیں، انہیں سے دوستی کرتا ہوں، مگر جس سے ایک بار دوستی کر لوں، پھر اسے ہمیشہ نبھاتا ہوں اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ ان کی خوشیاں ضرور شیئر کرتا ہوں۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بول رہا تھا اور رامیہ نے کچھ سوچ کر تحفہ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

''تھینک یو۔ ویسے اس میں ہے کیا؟'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے گفٹ کھولنے لگی تھی۔ Mont Blanc کا خوب صورت پین سیٹ دیکھ کر وہ خوشی سے بولی تھی۔

''اتنے خوب صورت گفٹ کے لیے ایک دفعہ پھر تھینکس''۔

''اچھا لگا یا ایسے ہی مروت میں تعریف کر رہی ہیں''۔ وہ انٹرکام پر چائے کا کہنے کے بعد بولا تھا۔

''نہیں واقعی بہت اچھا ہے اور سب کے گفٹس سے ڈفرنٹ بھی، باقی سب نے تو زیادہ تر جیولری یا سوٹ ہی دیئے ہیں۔'' وہ دوبارہ پین سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ پھر اس کے بعد وہ چائے پی کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اپنی کرسی سنبھالنے کے بعد بھی وہ کتنی ہی دیر تک پین سیٹ کو دیکھتی رہی۔ ایسا تو نہیں تھا کہ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی اہمیت دے رہا تھا۔ اس سے پہلے یونیورسٹی میں ارسلان اور خاندان میں فراز اس کے کافی آگے پیچھے پھرتے تھے، مگر اس طرح سے اس نے کبھی کسی کے لیے محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کا دل الگ ہی انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ اپنی یہ بدلتی کیفیت تو وہ کافی عرصے سے محسوس کر رہی تھی، مگر قصداً خود کو لاپرواہ ظاہر کر کے اس طرف سے دھیان ہٹا لیا کرتی تھی۔ اس کے اوپر معاذ کا پہلا تاثر قطعاً خوشگوار نہیں پڑا تھا، مگر بعد میں وہ جس طرح اس سے ملتا اور باتیں کرتا، وہ انداز اسے چونکنے پر مجبور کرتا۔

وہ دو دن نہیں آئی تو اس نے فون کر دیا۔ پھر اس کے کہے بغیر خود ہی جاب آفر کر دی۔ وہ اس کی ایک ایک

بات سوچ رہی تھی۔

''لیکن اس نے ایسا کچھ کہا تو نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو''۔ وہ کچھ اُلجھ کر سوچنے لگی۔ مگر دماغ کی اس تاویل کو اس کے دل نے فوراً ہی رد کر دیا۔

''وہم کیسا؟ کیا وہ ایسے ہر ایک کو گفٹ دیتا پھرتا ہے؟ کیا ہر ایک کے لیے خود جا کر لنچ لایا کرتا ہے؟'' جوابات اس کا دل اسے سمجھا رہا تھا، وہ بڑی خوب صورت اور انوکھی تھی۔ محبت اس کائنات کا سب سے خوب صورت اور حسین جذبہ جو اندر باہر ہر طرف روشنی ہی روشنی بھر دیتا ہے۔ یوں لگنے لگتا ہے، جیسے ہم خوش ہیں تو ہمارے ساتھ ساری دُنیا خوش ہے۔ کہیں کوئی دُکھ کوئی غم ہے ہی نہیں۔ اپنے تبدیل ہوتے انداز وہ خود ہی محسوس کر رہی تھی۔

صبح آفس کے لیے تیار ہوتے وقت اس کا دل بہت اچھی طرح تیار ہونے کو چاہتا۔ وہ بمشکل خود کو سمجھاتی، اپنے روٹین کے انداز ہی میں تیار ہوتی۔ جس دن وہ آفس نہ آتا، وہ بے کل سی رہتی۔ اکثر وہ ایمن سے وعدہ کرنے کے باوجود آفس سے جلدی نہیں اُٹھتی تھی۔ ''اگر میرے جانے کے بعد وہ آ گیا تو''۔ وہ خود سے کہتی، حالانکہ معاذ سے اس کی وہی روٹین کی باتیں ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی تو وہ آفس اتنی تھوڑی دیر کے لیے آتا کہ صرف سلام دُعا ہی ہو پاتی تھی۔

ممی نے اسے فراز کے پروپوزل کی بابت بتایا تو وہ فوراً ہی انکار میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''کیا ممی .... ابھی تو میں فارغ ہوئی ہوں اور آپ کو اتنی جلدی شادی کی پڑ گئی ہے۔ مجھے لائف کو انجوائے کرنے دیں''۔ وہ اس کے دوٹوک انکار پر چڑ گئی تھیں۔

''فوراً شادی کے لیے کون کہہ رہا ہے۔ صرف انگیجمنٹ کر دیتے ہیں، شادی پھر سال ڈیڑھ سال بعد کریں گے۔ اتنے اچھے رشتے روز روز نہیں ملتے، پھر جیسی تمہاری نیچر ہے تو کسی لمبی چوڑی سسرال میں تو تمہارا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ برداشت تم میں نام کو نہیں ہے اور وہاں سوائے فراز، نجمہ اور بھائی صاحب کے اور ہوتا ہی کون ہے اور ان دونوں کا بھی آدھا سال تو امریکہ ہی میں گزرتا ہے۔ تمہارے لحاظ سے یہ آئیڈیل پروپوزل ہے۔ پھر اس میں فراز کی اپنی مرضی بھی شامل ہے''۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے پیار سے بولیں تو وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''فراز کی مرضی ہے تو میں کیا کروں۔ میری مرضی تو نہیں ہے ناں۔ ضروری ہے جو مجھے پسند کرے، میں بھی اسے پسند کروں''۔

''فراز میں آخر بُرائی کیا ہے؟ پڑھا لکھا ہے، اپنا ٹھیک ٹھاک بزنس ہے اور عادت کا بھی بہت اچھا ہے اور کیا چاہیے تمہیں؟'' وہ خفا ہو گئی تھیں۔

''میں نے کب کہا کہ وہ بُرا ہے۔ مجھے بھی وہ بہت اچھا لگتا ہے، مگر صرف ایک کزن اور دوست کی حیثیت سے''۔ وہ ان کی ناراضی کے جواب میں بڑے اطمینان سے بولی تھی اور وہ بغیر کچھ کہے خفگی سے اس کے پاس سے اُٹھ گئی تھیں۔

☆

ایمن کی شادی کا فنکشن پی سی میں ارینج کیا گیا تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے ایمن ہی کے گھر میں رُکی ہوئی تھی۔ شادی کے دن کے لیے اس نے آف وائٹ کلر کا گھاگھرا بنایا تھا۔ تیار ہونے کے بعد اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو اپنا

آپ خود ہی بڑا پیارا لگا۔ کل مہندی کے فنکشن میں معاذ کے دیئے کمنٹس اسے اب تک سرشاری میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

کل اس نے مہندی کلر کا نیٹ کا سوٹ پہنا تھا اور اپنے لمبے بالوں کو برش کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ ایمن اور دو تین فرینڈز نے اس کی تعریف کی تھی، مگر ان کی تعریف اسے اتنی مختلف نہ لگی تھی، جتنی معاذ کی۔ وہ اسے دیکھ کر ہائے ہیلو کرنے کے لیے اس کے پاس آئی تھی۔

''کل میں سوچ رہا تھا کہ شاید بلیو کلر تم پر بہت اچھا لگتا ہے اور آج یہی رائے میری اس گرین کلر کے بارے میں بھی ہے''۔ وہ اس کی ہیلو کے جواب میں بولا تھا اور وہ مُسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''میرا خیال ہے مجھ پر ہر رنگ اچھا لگتا ہے''۔ وہ اس کے انداز پر ہنس پڑا تھا۔

''جی ہاں بالکل ٹھیک کہا۔ وہ امجد اسلام امجد نے تمہارے ہی بارے میں تو کہا ہے۔ تو جس رنگ کا کپڑا پہنے وہ موسم کا رنگ ہو جائے''۔

وہ اپنی بات انجوائے کرتا ہوا خود بھی ہنس رہا تھا۔

''ویسے انہوں نے جس کسی کے بارے میں کہا ہو۔ تمہارے اوپر واقعی ہر کلر اچھا لگتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور ان چند جملوں نے اسے کل سے لے کر آج تک اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ باراتیوں کا استقبال کرتے وقت اس کی دانیال اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے معاذ سے سلام دُعا ہو گئی تھی۔ نکاح ہو گیا اور وہ ''حسبِ توفیق'' حقِ دوستی نبھانے کے لیے خوب سارے آنسو بھی بہا چکی تو واپس مہمانوں کی طرف آ گئی۔ ایمن سے اتنی پرانی دوستی کی وجہ سے وہ اس کے خاندان کے تقریباً تمام ہی افراد سے واقف تھی۔ اس لیے بڑی گرم جوشی سے سب سے ملتی پھر رہی تھی۔ وہ نادرہ اور افشین سے خیر خیریت پوچھتی آگے بڑھی تو سامنے سے آتے معاذ کو دیکھ کر رُک گئی۔ اس کا دیکھنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسی کے پاس آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ چلتی اس لڑکی کو رامیہ نے سرسری نظروں سے دیکھا تھا۔

''اتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں''۔ وہ اس کے پاس آ کر بولا تھا۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''تمہیں مزنا سے ملوانا تھا''۔ وہ اپنے برابر کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تو رامیہ نے اس لڑکی کو بغور دیکھا۔ عام سے نقوش اور بڑی عام سی پرسنیلٹی۔ اس کی شخصیت میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو اسے قابلِ توجہ بناتا ہو یا شاید معاذ کی شاندار اور بھرپور مردانہ شخصیت کے سامنے اس کی شخصیت دبی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ عام حالات میں وہ ایک قبول صورت لڑکی.......... کہلائی جا سکتی تھی، مگر معاذ کے برابر کھڑے ہو کر تو وہ بالکل ہی عام سی لگ رہی تھی۔

''اس سے ملو یہ مزنا ہے، میری فرسٹ کزن۔ ویسے پچھلے ایک سال سے کزن کے علاوہ اس کا ایک اور تعارف بھی ہو گیا ہے، وہ یہ خود بتائے گی.......... اور مزنا یہ ہے رامیہ میری دوست، بہت ذہین، بہت بولڈ اور بے حد بااعتماد۔ اس سے بات کرتے مجھے ہمیشہ ڈر لگتا ہے کہ پتا نہیں ابھی سامنے سے کیا جواب آ جائے''۔ اسے معاذ کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

ایسا لگا تھا جیسے اندر کہیں کوئی چیز بہت بری طرح کرچی کرچی ہو کر ٹوٹی تھی۔

''کیا ہے معاذ؟ تم تعارف بھی ڈھنگ سے نہیں کروا سکتے''۔ مزنا نے اسے گھورا تھا، پھر اس کی طرف متوجہ ہو

کر بولی تھی۔

''ہماری لاسٹ ایئر انگیجمنٹ ہوئی ہے''۔

''اور شادی کا فی الحال کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ محترمہ کو بائیو کیمسٹری میں M.S.C کرنے کے بعد اب سی ایس ایس کرنے کا بھوت سوار ہوا ہے۔ تم ہی لوگوں کے ساتھ تو اس نے بھی پاس آؤٹ کیا ہے''۔ وہ ایک نظر مزنا پر ڈالتا اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

''بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر''۔ وہ مزنا کا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے بولی۔

''مجھے بھی اور میرا تو معاذ سے تمہارا ذکر سن سن کر ہی تم سے ملنے کا بہت دِل چاہنے لگا تھا۔ یہ بہت کم ہی کسی کی تعریف کرتا ہے۔ تمہاری تعریف سن کر مجھے یقین تھا کہ کوئی بہت ہی علیحدہ قسم کی لڑکی ہے، جس کی معاذ اس طرح تعریف کرتا ہے''۔ وہ جواباً بڑی خوش دلی سے مُسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''معاذ کہنے لگا، دانیال کی شادی ہے چلو گی، سچ پوچھو تو میں صرف تم سے ملنے ہی کی خاطر اس کے ساتھ آئی ہوں''۔ وہ بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ چہرے پر لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اپنے ساتھ کھڑے بندے پر انتہا سے زیادہ اعتبار اور بھروسہ ہے۔ اسی لیے اس کی نظروں میں رامیہ کو نہ تو کسی قسم کی جیلیسی نظر آئی تھی اور نہ ہی کوئی شک۔ اسے شاید پورا یقین تھا کہ ساتھ کھڑا یہ بے حد منفرد بندہ صرف اور صرف اسی کا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا کبھی بھی نہیں لے سکتا۔

''پھر تمہیں مجھ سے مل کر کیسا لگا۔ مایوسی تو نہیں ہوئی؟'' وہ جتنے آرام سے کھڑی ہو کر اس سے باتیں کر رہی تھی، اس پر اسے خود ہی تعجب ہو رہا تھا۔ سب ہی کہتے تھے کہ اس میں برداشت نہیں ہے۔ تحمل، معاملہ فہمی اور صبر جیسے لفظوں سے وہ قطعاً نا آشنا ہے اور آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنے بارے میں آگاہی حاصل ہو رہی تھی۔

''ہم کسی اور کو سمجھنے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ اکثر اوقات ہم خود اپنے آپ ہی کو نہیں سمجھ پاتے''۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ خود پہلی دفعہ رامیہ کمال سے مل رہی ہے۔ رامیہ کمال جو بے حد بولڈ اور آؤٹ اسپوکن ہوتے کے ساتھ ساتھ بڑی برداشت والی اور اپنے تمام تر احساسات دوسروں سے چھپا لینے والی ایک بڑی ہی مختلف لڑکی ہے۔ وہ آج پہلی مرتبہ اس سے متعارف ہو رہی تھی۔

''تم سے مل کر بہت اچھا لگا ہے۔ مجھے یقین ہے جس طرح تمہاری معاذ سے دوستی ہے، اسی طرح مجھ سے بھی ہو جائے گی اور ویسے اس نے تمہاری اتنی تعریفیں کرنے کے باوجود ایک بات مجھے نہیں بتائی تھی اور وہ یہ کہ یو آر سو کیوٹ اینڈ چارمنگ''۔ وہ بڑے دوستانہ انداز میں مُسکراتے ہوئے اس کی تعریف کر رہی تھی۔ معاذ خاموشی سے کھڑا مسکراتا ہوا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ دونوں خواتین باتیں کریں میں ذرا دولہا میاں کو مورل سپورٹ دینے جا رہا ہوں''۔ وہ ایمن کی بہنوں اور کزنز کے نرغے میں گھرے دانیال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ وہاں دودھ پلائی پر ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

''ویسے یہ دولہا بن کر اچھا خاصا معقول بندہ چغد کیوں نظر آنے لگتا ہے؟'' وہ دانیال کی حد درجہ معصوم سی شکل پر نظریں جمائے ہنستا ہوا بولا تھا۔

''بتاؤں گی دانیال کو آپ کے یہ سنہری خیالات بائی داوے آپ کب چغد بن رہے ہیں؟'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

''دیکھو ابھی یہ محترمہ سی ایس ایس کا شوق پورا کرلیں۔ نومبر میں ان کے ایگزیمز ہوں گے۔ دعا کرو یہ Written میں ہی فیل ہو جائے۔ تو پھر تو فوراً ہی شادی ہو جائے گی، ورنہ خدانخواستہ اگر کلیر کرلیا تو پھر تو شادی لمبی ہو گئی''۔ اس کی بات پر رامیہ ہنس پڑی تھی، جبکہ مزنا نے اسے بُری طرح گھور کر دیکھا تھا۔

''یہ دراصل میری ذہانت سے جیلس ہوتا ہے۔ وہی مردانہ انا کا مسئلہ عورت کا اپنے برابر آتے تو مرد حضرات کبھی برداشت کر ہی نہیں سکتے''۔

''دیکھا تم نے کتنی لڑاکا ہے یہ۔ اس سے مل تمہیں یقیناً میرے مستقبل کا سوچ کر مجھ پر رحم آیا ہوگا''۔ وہ رامیہ سے مخاطب ہوا تھا۔

''خیر تم لوگ باتیں کرو، میں ذرا دانیال کو سسرالیوں کے حملوں سے بچالوں۔'' وہ فوراً ہی آگے بڑھ گیا تھا اور مزنا اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگی تھیں۔

''یہ جب لندن سے پڑھ کر آیا، اسی وقت سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ پورے دو سال بڑی مستقل مزاجی سے میرے پیچھے لگا رہا تو مجھے اپنا رویہ بدلنا پڑا۔ دراصل میں ابھی منگنی یا شادی وغیرہ کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتی تھی، مگر معاذ نے مجھے میرے خیالات تبدیل کرنے پر مجبور کر ہی دیا''۔ وہ اس بے حد عام سی لڑکی کی یہ باتیں بڑے تعجب سے سن رہی تھی۔ ایسا اس میں کیا تھا کہ معاذ جیسا شخص اس کے پیچھے دیوانہ ہوتا۔ ہمارے ہاں خوب صورتی کا جو پیمانہ مقرر ہے۔ ان میں سے وہ کسی ایک پر بھی پوری نہیں اُتر رہی تھی۔ کافی دیر تک اس سے باتیں کرنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھی تو ایسا لگا جیسے شہرِ دِل میں ہر طرف سکوت چھایا ہوا ہے۔ یوں جیسے کہیں کوئی آواز کوئی آہٹ تک نہیں ہے۔ اتنے سارے خوش باش لوگوں کے اس ہجوم میں وہ خود کو ایک دم تنہا اور بالکل اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ جب دِل خوش تھا تو تنہائی میں بھی محفلیں آباد تھیں، ہر سو خوشی تھی اور جب دِل اُداس ہوا تو محفل بھی ویران اور اجنبی لگنے لگی تھی۔

وہ خود کو سنبھالتی سارا وقت ہنستی مُسکراتی رہی تھی۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم کبھی بھی کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتے۔ اپنے قریب ترین افراد سے بھی نہیں۔ ممی نے اس کی اُتری ہوئی شکل دیکھی تو پریشان ہوگئی تھیں۔

''کچھ نہیں ممی بس ذرا تھکن ہوگئی ہے۔ تین چار دن سے پوری نیند نہیں سوئی ہوں، اس لیے۔ ریسٹ کروں گی تو خود ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' وہ انہیں اطمینان دِلاتی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

''کب اس نے کہا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ کب اس نے کہا کہ مجھے تم اچھی لگتی ہو۔ اس کے خلوص اور دوستی کے میں نے خود ہی یہ معنی نکالے تھے، اس میں اس کا کیا قصور۔ غلطی تو میری اپنی ہے''۔ وہ بلک بلک کر روتے ہوئے اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔

''لیکن اس کا وہ انداز، وہ باتیں کیا سب کچھ غلط تھا۔ جو باتیں مجھے میرے دِل نے سمجھائی تھیں کیا سب غلط تھیں۔ میری اپنی ذہنی اختراع تھیں۔ اس کی وہ توجہ، وہ التفات، وہ تعریفیں کیا سب جھوٹ تھا۔ وہ اپنے ہر دوست سے اسی طرح ملتا ہے، جس طرح مجھ سے ملتا تھا۔ کیا سب کی اسی طرح پروا کرتا تھا، جیسی میری کرتا تھا۔ میں کس سے پوچھوں

کون مجھے بتائے گا۔ یہ دوستی تھی، محبت تھی یا فلرٹ۔ مگر اس کی کوئی ایک بات بھی ایسی گرفت میں نہیں آرہی جس کی بنیاد پر میں اسے فلرٹ قرار دے سکوں اور اس کا گریبان پکڑ کر پوچھوں کہ تم نے میرے ساتھ اس طرح کیوں کیا۔ یہ کیسا کھیل کھیلا ہے معاذ تم نے میرے ساتھ آخر کیا بگاڑا تھا، میں نے تمہارا۔ تمہارا مجھے مزنا سے خاص طور پر ملوانا۔ کیا تم میری بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔ کیا یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کبھی کسی کو خاطر میں نہ لانے والی رامیہ تمہارے لیے کس طرح ٹوٹ کر بکھرے گی، تم نے سب کچھ کتنی چالاکی سے کیا۔ میں تم سے جا کر لڑ بھی نہیں سکتی کہ جو باتیں میرے دِل نے مجھے سمجھائی تھیں، وہ تم نے اپنی زبان سے تو کبھی نہیں کہی تھیں۔ تم صاف انکار کر دو گے، میرا مذاق اڑاؤ گے۔ کبھی کبھی یہ دل ہمیں کتنا خوار کرتا ہے۔ کیا جو لوگ دل کا کہا مانتے ہیں، اس کی باتوں پر یقین کرتے ہیں، وہ گھاٹے کا سودا کرتے ہیں۔ کیا دِل جھوٹ بھی بولتا ہے؟'' وہ خود ہی سوال جواب کرتی روئے جا رہی تھی۔

☆

ایمن کی شادی کے لیے اس نے چھٹیاں لی ہوئی تھیں، ولیمہ کے اگلے روز جب وہ آفس گئی تو معاذ کا اسے دیکھ کر اپنا سب کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جانا رامیہ نے پوری شدتوں سے محسوس کیا تھا۔ دانیال کی عدم موجودگی میں آج کل وہ سارا ٹائم یہیں دے رہا تھا۔ دن بھر میں کئی مرتبہ اپنے کام سے وہ معاذ کے کمرے میں گئی تھی۔ لنچ بھی اسی کے ساتھ کیا تھا۔ اس سے مزنا کے بارے میں باتیں کی تھیں۔ ان دونوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ ایسا کر کے وہ اپنی زخمی انا کو تسکین پہنچا رہی ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ بھی کسی قسم کی حیرت ظاہر کیے بغیر معمول کے انداز میں اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

''تم بظاہر خود کو لاپروا پوز کرنے کے باوجود میرے ہر ہر انداز کا بغور جائزہ لے رہے ہو۔ مجھے پتا ہے اور شاید تم میرے بارے میں یہ سوچ رہے ہو گے کہ میں کتنی کامیاب اداکارہ ہوں۔ مجھے خود کو دوسروں سے چھپانا آتا ہے۔ جو تم میری آنکھوں میں دیکھنا چاہتے تھے وہ نہیں دیکھ پارہے اور اس پر یقیناً تمہیں بہت کوفت ہو رہی ہوگی''۔

''ضروری ہے جو مجھے پسند کرے میں بھی اسے پسند کروں''۔ اپنی کچھ عرصہ پیشتر کہی بات گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

''نہیں یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو مجھے پسند کرے۔ اسے میں بھی پسند کروں اور جسے میں پسند کروں۔ وہ بھی مجھے پسند کرے ایسا ہونا بھی ضروری نہیں ہے''۔ اس نے بڑی تلخی سے سوچا تھا۔

''مگر میں خود اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی، وہ میرے لیے ایک عام انسان تھا۔ اس نے خود مجھے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر، اپنی باتوں سے اپنے انداز سے اپنی طرف متوجہ کروایا تھا۔ ہم لڑکیاں چاہے پڑھی لکھی ہوں یا جاہل، چاہے امیر ہوں یا غریب اندر سے سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ میٹھی باتوں اور غیر معمولی التفات پر سب کچھ قربان کر دینے والی۔ ہاں ایمن سب تمہاری طرح خوش قسمت نہیں ہوتے کہ انہیں مخلص اور سچا چاہنے والا ملے۔ ایسا اتفاقاً ہوتا ہے مگر جو میرے ساتھ ہوا وہ ہم میں سے اکثر لڑکیوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ ہم خوابوں کی دُنیا میں رہتی ہیں اور خود سے ملنے والا کوئی بھی ایسا شخص جس میں ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر نظر آرہی ہوتی ہے۔ اس پر اپنا آپ نچھاور کر دیتی ہیں۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ یونیورسٹی میں ساتھ پڑھنے والا کلاس فیلو جو بڑے خلوص سے ملتا ہے، ہمارے لیکچرز مس ہو جائیں تو

اپنے لیکچرز اور نوٹس پیش کرنے والا زندگی بھر ہمارا ساتھ نبھائے گا، اگر جاب کرنے نکلیں تو اپنے کسی ہینڈسم سے کولیگ میں ہمیں ہمارے مسٹر رائٹ کی جھلک نظر آنی شروع ہو جاتی ہے۔ ہم کیوں ان مردوں کے جال میں پھنستے ہیں، کیوں ان کے ان اندازوں کو جو وہ ہمارے بارے میں لگاتے ہیں، صحیح ثابت کرتے ہیں اور جس وقت وہ تفریحاً ہمارے ساتھ وقت پاس کر رہے ہوتے ہیں اور ہم اسے سچی محبت سمجھ کر دل و جان لٹانے کو تیار ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ مرد ہم پر دل ہی دِل میں کتنا ہنستے ہوں گے۔ وہ ہماری بے وقوفی سے کتنا محظوظ ہوتے ہوں گے۔ کیوں ہم خود کو دوسروں کے لیے تفریح فراہم کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔

ایک بہت بولڈ، بے تحاشا خوب صورت اور ذہین لڑکی تمہیں نظر انداز کر رہی تھی اور یہ بات تمہاری مردانہ انا اور وقار کو ٹھیس پہنچا رہی تھی۔ میرا یہ کہنا کہ میں کسی بھی چیز کو سر پر سوار کر کے زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں بناتی، بقول تمہارے میرا درویشانہ مزاج تمہیں میری طرف مائل کر گیا تھا۔ تمہیں رامیہ کمال کا مختلف ہونا اچھا نہیں لگا۔ تم نے سوچا اسے بھی اسی کیو میں کھڑا ہونا چاہیے۔ جہاں تم باقی لڑکیوں کو کھڑا دیکھتے ہو۔ جو تمہاری اسمارٹنیس، ذہانت اور دولت سے متاثر ہو جاتی ہیں اور دیکھ لو جو تم نے چاہا وہ ہو گیا۔ میں رامیہ کمال واقعی مختلف نہیں تھی، مگر میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں نے واقعی زندگی میں کبھی کسی چیز یا شخص کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کے نہ ملنے پر خود کو روگ لگا لوں اور آج بھی میں ویسی ہی ہوں۔ مجھے تو اپنا خود اپنی ہی نظروں سے گر جانا بہت دُکھ دے رہا ہے۔ اب سے پہلے میں اپنے آپ سے محبت کرتی تھی، خود اپنی عزت کرتی تھی، مگر اب نہیں کرتی۔ اور یہ دُکھ ساری عمر میرے ساتھ رہے گا کہ رامیہ کمال خود اپنی ہی عزت نہیں کرتی۔ تمہیں تو شاید میں کبھی یاد بھی نہیں کروں گی۔

دو مہینے بعد جب میں تمہیں اپنی اور فراز کی شادی کارڈ دیتے ہوئے یہ بتاؤں گی کہ ہمارا رشتہ سات آٹھ ماہ پہلے طے ہو گیا تھا، تو شاید تمہیں شاک لگے گا۔ تم اپنی میرے بارے میں قائم کردہ رائے پر شاید نظر ثانی بھی کرو، مگر یہ سب بھی اس ذلت کا مداوا نہیں ہو سکتا جو میں نے محسوس کی۔ کاش ہم لڑکیاں جاگتے میں خواب دیکھنا چھوڑ دیں۔ ہمیں سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنی آ جائے۔ محبت اور فلرٹ میں ہم فرق کر سکیں۔ کاش کبھی کوئی ہمیں تفریح کی چیز نہ سمجھ سکے۔ کیا کبھی ہم لڑکیاں اتنی میچور ہوں گی۔ کیا کبھی ایسا ہو گا کہ کوئی رامیہ کمال کسی معاذ علی خان کے فون کرنے پر، اس کے گفٹ دینے اور وش کرنے پر، اس کی تعریفوں پر سر جھٹک کر آگے بڑھ جائے گی۔ وہ اس بات کو بڑے سرسری انداز میں لے گی کیا کبھی ایسا ہو گا؟ کب ہم خوابوں کی دُنیا سے نکل کر حقیقت کی دُنیا میں قدم رکھیں گے؟ آخر کب؟

❀......❀

موسمِ گُل

''کیا بات ہے بڑی خوش نظر آ رہی ہو؟'' فارینہ کے اس جملے پر ہم سب ہی نے چونک کر نمرہ کی طرف دیکھا تھا۔ بتیسی کی نمائش کرتی وہ ہمیشہ کی طرح زہر بھی لگ رہی تھی۔

''بھئی کیوں نہ خوش ہو۔ خیر سے ہماری نمرہ کی بات جو پکی ہو گئی ہے۔ اس سنڈے کو لڑکے والے انگوٹھی پہنانے آ رہے ہیں۔ لڑکا امریکہ میں سیٹل ہے۔ M.S.C کر رکھا ہے۔ بڑی ویل آف فیملی کو بیلونگ کرتا ہے۔'' سیما کی اس بات سے ہم چاروں ہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ نمرہ بیگم زبردستی شرمانے کی کوشش کرتی ہوئیں، اپنے دوپٹے کے پلو کو مروڑ رہی تھیں۔

''ہمارے گروپ میں سب ہی کی نیا پار لگ گئی۔ تم لوگ کب خوش خبری سنا رہی ہو۔ پوری کلاس میں صرف تم لوگوں ہی کا گروپ بچا ہے، جس میں سب چھڑے چھانٹ پھر رہے ہیں۔'' دِل تو ہمارے پہلے ہی جل رہے تھے۔ مزید کسر عظمی کے اس جملے نے پوری کر دی تھی۔

''چلو عظمی! کیمسٹری کا پریکٹیکل اٹینڈ نہیں کرنا کیا''۔ نمرہ نے ہمارے چہرے کے زاویوں سے شاید اندازہ لگا لیا تھا کہ اب یہاں ایک عدد معرکہ چھڑنے والا ہے۔ اس لیے پہلے ہی اپنے گروپ کو لے کر وہاں سے چل دی اور ہم چاروں شدید طیش کے عالم میں کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔

''سمجھتی کیا ہے یہ عظمی خود کو''۔ مومو کے غصیلے انداز پر مجھے سخت تاؤ آیا۔

''اس کے سامنے تو چپ منہ بند کیے کھڑی تھیں۔ کیسے وہ ہم سب کو منہ پر ذلیل کر کے چل دی اور ہم کھڑے منہ دیکھتے رہے۔ لعنت ہے ہم چاروں پر''۔ میں نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ فارینہ اور نگار چپ چاپ منہ لٹکائے کھڑی تھیں۔ انہوں نے ہم دونوں کی گفتگو پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔

''تم دونوں کو کیا ہوا ہے۔ یہ بت بنی کیوں کھڑی ہو''۔ میں نے فارینہ اور نگار کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار وہ ٹھیک تو کہہ رہی تھی۔ پوری کلاس میں صرف ہمارا ہی گروپ وہ بدقسمت گروپ ہے جس کا کوئی بھی ممبر ابھی تک ''شدہ'' نہیں ہوا''۔

''یہ ''شدہ'' سے آپ کی کیا مراد ہے، وضاحت کرنا پسند فرمائیں گی''۔ میں نے نگار سے سوال کیا۔

''اوئے جاہل اُردو میں سابقے لاحقے نہیں پڑھے کیا۔ شدہ سے مراد ہے منگنی، شادی، نکاح شدہ، شادی شدہ، وغیرہ وغیرہ۔'' مومو نے میری عقل پر ماتم کیا تھا۔ فارینہ خاموش بیٹھی گھاس نوچ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا۔ نمرہ کی منگنی کا سب سے زیادہ صدمہ اسے ہی ہوا ہے۔

''چل میری جان، اب اتنا اُداس مت ہو۔ چلو آج نمرہ کی منگنی کے غم میں ہم سب مومو کی طرف سے کولڈ ڈرنک اور سینڈوچز سے فیض یاب ہوں گے''۔ اپنی بات مکمل کرتے ہی میں کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑی ہوگئی تھی، جبکہ مومو بیٹھی مجھے خطرناک تیوروں سے گھور رہی تھی۔

''کل بھی تم لوگوں کو میں نے پیپسی پلوائی تھی۔ یہ کوئی انصاف ہے۔'' مومو نے صدائے احتجاج بلند کرنے کی کوشش کی، جسے ہم سب نے بے دردی سے کچل دیا۔

''ہاں تو ہم سب میں سب سے موٹی مرغی بھی تم ہو۔ یہاں تو پاکٹ منی اتنی ملتی ہے کہ مہینے کے پندرہ دن ہی سکون سے گزر پاتے ہیں۔ مجھے تمہارے جتنی پاکٹ منی ملتی ہو تو باقاعدہ اپنی دوستوں کا ماہانہ وظیفہ باندھ دیتی، مگر افسوس''۔ فارینہ کے شرارتی انداز پر ہم سب ہی ہنس پڑے تھے، سوائے مومو کے۔

کچھ دیر بعد ہم چاروں کولڈ ڈرنک اور سینڈوچز سے لُطف اندوز ہوتے ہوئے اپنا ''غم غلط'' کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

☆

ہم چاروں بچپن کی سہیلیاں ہیں۔ میں اور مومو تو پہلے دن اسکول بھی ایک ساتھ گئے تھے۔ یہ بات ظاہر ہے، مجھے ممی نے بتائی ہے۔ ہمارا ایک ساتھ ایڈمیشن ہوا تھا۔ مومو ہمارے برابر والے گھر میں رہتی ہے۔ ممی اور آنٹی کی شروع ہی سے بہت اچھی دوستی ہے۔ مونٹیسوری میں فارینہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئی۔ وہ بھی ہمارے گھر کے قریب ہی رہا کرتی تھی۔ فرسٹ اسینڈرڈ میں پہنچے تو نگار سے ملاقات ہوئی۔ وہ بڑی لڑاکا اور جھگڑالو لڑکی تھی۔ شروع شروع میں ہم لوگوں کی اس کے ساتھ بہت لڑائیاں ہوئیں، مگر پھر پتا نہیں کیسے وہ بھی ہمارے گروپ میں شامل ہوگئی۔ وہ دن اور آج کا دن ہم چاروں کی دوستی میں کبھی کوئی دراڑ نہیں آئی۔ چھوٹی موٹی جھڑپوں سے قطع نظر ہم لوگ آپس میں کبھی نہیں لڑے۔ میٹرک کے بعد ایک ساتھ انٹر میں ایڈمیشن لیا۔ فارینہ پری میڈیکل گروپ میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس کا انٹرسٹ کامرس کی طرف تھا، مگر ہم لوگوں نے مجبور کر کے زبردستی اسے بائیولوجی رکھنے پر آمادہ کیا تھا۔ تھرڈ ائیر کا امتحان دے کر ہم لوگ تازہ تازہ فورتھ ائیر میں آئے تھے۔ نمرہ لوگوں سے ہماری کبھی بھی نہیں بنتی تھی۔ ہمارے اور ان کے گروپ کے درمیان اکثر حالت جنگ رہا کرتی تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ شروع ہی سے اسکول اور پھر کالج میں ہمیشہ ہر جگہ ہم لوگوں کی داداگیری چلی تھی۔ ہمارا گروپ تو پیدا ہی لیڈر شپ کے لیے ہوا تھا اور نمرہ لوگوں نے کیونکہ شروع وقت سے ہمارا مقابلہ کرنے کی پالیسی اختیار کی تھی تو ہم کیوں پیچھے رہتے۔ بُری تو وہ لوگ ویسے بھی لگا کرتی تھیں، مگر آج کا ان کا طعنہ تو ہمیشہ سے زیادہ بُرا لگا تھا۔ انہوں نے ہماری غیرت کو للکارا تھا۔ مجھے تو خیر منگنی یا شادی کا کوئی خاص شوق نہیں تھا، مگر فارینہ کو منگنی کا بڑا ہی شوق تھا۔ ہماری کلاس میں جب بھی کسی لڑکی کی انگیجمنٹ ہوتی اور وہ اگلے دن اترا اترا کر سب کو مٹھائی کھلاتی اپنی منگنی کی خوش خبری سناتی پھر رہی ہوتی۔ اس

وقت فارینہ کی رونی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

☆

''نمرہ! تمہیں تمہارے سسر نے رنگ پہنائی تھی''۔ نگار نے بڑی سنجیدگی اور بردباری سے تصویروں پر نظریں جمائے نمرہ سے سوال کیا تھا۔ اس سنجیدگی کے پیچھے کتنی مکاری کارفرما تھی، یہ ہم سب ہی جانتے تھے۔ نگار کی بات پر نمرہ کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''ارے ہاں یاد آیا تمہارے ''وہ'' تو امریکہ میں رہتے ہیں ناں۔ ظاہری بات ہے پھر رنگ ساس یا سسر میں سے کوئی پہنائے گا''۔ نگار نے ہم سب کے کلیجوں میں ٹھنڈ ڈالی تھی۔ نمرہ کی تقریباً روہانسی شکل ہو رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے سیما میدان میں اُتری۔

''کیا ہوگیا ہے تم لوگوں کو یہ ایوب بھائی ہیں۔ نمرہ کے فیانسی'' وہ ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔

''اوہ! آئی ایم سوری یار، ویسے یار تمہارے فیانسی تم سے اتنے بڑے لگ رہے ہیں، اس لیے مس انڈراسٹینڈنگ ہوگئی۔ تم مائنڈ مت کرنا''۔ ہم سب کو اس لمحے نگار ہمیشہ سے زیادہ پیاری لگی۔ کیسا اس نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تھا۔ فارینہ نے بعد میں باقاعدہ نگار کی پیٹھ تھپتھپا کر اسے شاباشی دی تھی۔

''اس ٹکلو سے منگنی ہونے پر نمرہ اتنا اترا رہی ہے۔ لعنت ہے اس کی چوائس پر''۔ فری پریڈ میں لائبریری میں بیٹھ کر مختلف فیشن میگزینز کھنگالنا ہم لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس وقت اپنے اسی فیورٹ مشغلے میں منہمک ہم لوگ مختلف ماڈلز کے ناز و ادا ملاحظہ کررہے تھے کہ فارینہ بول اُٹھی، اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اگر ایسے ہی کسی کارٹون سے منگنی کرنی ہوتی تو میری اب تک درجن بھر منگنیاں ہو چکی ہوتی''۔ فارینہ کا موڈ ابھی تک خراب تھا۔ اسے عظمیٰ کا طعنہ ہم سب سے زیادہ بُرا لگا تھا۔

''چھوڑو بھی اب اس بات کو۔ دُنیا میں کوئی شادی اور منگنی ہی واحد مسئلہ نہیں ہے۔ نگار نے اس روز کی بات کا بدلہ لے تو لیا ہے۔ تم نے تو عظمیٰ کی بات دِل پر ہی لے لی''۔ میں نے فارینہ کو ٹوکا تو وہ بڑی ناراضی سے گویا ہوئی۔

''عینا دِل پر لینے کی بات نہیں ہے۔ ہم چاروں میں سے کسی نہ کسی کی فوراً انگیجمنٹ ضرور ہو جانی چاہیے۔ مجھ سے نمرہ گروپ کی اتراہٹ نہیں دیکھی جاتی''۔

''انگیجمنٹ کے لیے ایک عدد بندے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بندہ کیا اچانک آسمان سے ٹپک پڑے گا''۔ مومو نے اپنے حساب سے بڑے کام کی بات بنائی تھی اور اب داد طلب نظروں سے مجھے اور نگار کو دیکھ رہی تھی۔

''تم تو چپ ہو بیٹھو۔ سوائے کھانے اور سونے کے تم کبھی زندگی میں کچھ نہیں کرنا۔ خاندان میں کزنز کا جمعہ بازار لگا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی ڈھنگ کا کام کرلیں۔ ہر دوسرا بندہ تو انہیں اپنا بھائی نظر آتا ہے''۔ فارینہ نے مومو کو ڈپٹا تو وہ منہ بنا کر چپ ہوگئی۔

''پھر تو جیسے ہم چاروں کے بیچ یہ ''مسئلہ'' ایک سنگین مسئلے کی صورت اختیار کر گیا۔ فارینہ کے بقول ہمارا گروپ پڑھائی سے لے کر اسپورٹس اور دیگر غیر نصابی سرگرمیوں تک میں ہمیشہ صف اول میں شامل رہا ہے، اب کی بار

ایسا کیوں ہو رہا ہے کہ ہم لوگ پوری کلاس سے پیچھے رہ گئے ہیں''۔

''فائنل ایگزامز سے پہلے ہم میں سے کسی نہ کسی کی منگنی ضرور ہو جانی چاہیے''۔ فارینہ نے الٹی میٹم دیا تھا۔

کالج میں جون جولائی کی چھٹیاں ہوئیں تو ہمارا ایک دوسرے سے فون کی حد تک رابطہ رہ گیا۔ مومو اور میں تو گھر برابر ہونے کی وجہ سے روز ہی ملا کرتے تھے۔ مگر نگار اور فارینہ سے روز ملاقات نہیں ہو پاتی تھی۔ گو فارینہ اور نگار کے گھر بھی قریب ہی تھے، مگر بہر حال واکنگ ڈسٹینس پر نہیں تھے۔ ایک دوسرے سے ملنے کا زیادہ ہی دِل چاہا تو سب نے میرے گھر جمع ہونے کا پروگرام بنایا۔ شام پانچ بجے ان تینوں نے گھر پر دھاوا بول دیا۔ بھیا نے جوان تینوں کو ایک ساتھ آتے دیکھا تو جھٹ گاڑی کی چابی اُٹھا کر ممی سے بولے۔

''ممی میں عاطف کی طرف جا رہا ہوں''۔

''کیا بات ہے بھیا آپ کو ہم لوگوں کا آنا اچھا نہیں لگا جو اس طرح جا رہے ہیں''۔ مومو بُرا مان کے بولی تو ممی فوراً ہی بھیا کی طرف سے صفائی دینے لگیں۔

''تم لوگوں کا آنا کیوں بُرا لگے گا۔ اس کا تو پہلے سے پروگرام طے تھا''۔ بھیا نے چہرے پر سیاست دانوں کی طرح ''No Comments'' والے تاثرات سجائے ہوئے تھے۔ بھیا کے جانے کے بعد ہم چاروں نے مل کر اودھم مچانا شروع کیا تو ممی بھی کان پکڑ کر توبہ کرنے لگیں۔ ہم چاروں ساتھ ہوں اور شور شرابہ نہ ہو، ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ شام کی چائے کے ساتھ ڈھیر سارے لوازمات ان لوگوں کو ٹھنسوانے کے بعد میں نے ممی کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے ان لوگوں سے کہا۔

''ایسا کرتے ہیں، پارک میں چلے چلتے ہیں۔ موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی''۔ میری اس تجویز سے سب ہی نے اتفاق کیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ہم چاروں خراماں خراماں چلتی پارک پہنچ گئی تھیں۔ میں اور مومو تو آج کل بڑی پابندی کے ساتھ صبح میں واک کرنے پارک آ رہے تھے۔

''تم دونوں اتنی صبح واک کرنے کے لیے اُٹھ کیسے جاتی ہو۔ میں تو جس دن گیارہ بجے سے پہلے اُٹھ جاؤں تو سارا دن سر میں درد رہتا ہے''۔ فارینہ نے بڑی حیرت سے مجھ سے اور مومو سے دریافت کیا تھا۔

''جب سر پر ساس اماں کے ڈنڈے پڑیں گے تو سارا درد وغیرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا''۔ ہم دونوں کے جواب دینے سے پہلے نگار بول اُٹھی تھی۔ میں اور مومو اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

''ارے ہمارے ایسے نصیب کہاں۔ لگتا ہے اس دنیا سے کنواری ہی رخصت ہو جاؤں گی۔ ابھی تو بچی بہت چھوٹی ہے۔ یہ عمر تو کھیلنے کودنے اور پڑھنے لکھنے کی ہوتی ہے۔ اتنی سی بچی شادی جیسی بڑی ذمہ داری کی ابھی اہل ہی نہیں ہے''۔ فارینہ نے اپنی دادی کے لہجے کی نقل اتاری تو ہم سب کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا۔ کبھی کبھی اکلوتا ہونا بھی نقصان دہ ہو جاتا ہے، ایسا ہی حال فارینہ کا تھا۔ وہ چار بھائیوں سے چھوٹی اور اکلوتی بہن تھی۔ بھائیوں اور دادی وغیرہ کی نظروں میں وہ ابھی تک چھوٹی سی بچی ہی تھی۔ پچھلے ہی دنوں اس کے لیے آنے والے پرپوزل کو اس کے بڑے بھائی اور دادی نے اِن ہی ریمارکس کے ساتھ ریجیکٹ کر دیا تھا۔ گو اس کی ماما کو اس کی شادی کی جلدی تھی۔ پاپا اس کے اس معاملے میں غیر جانبدار تھے۔ اگر جو دادی کو خبر ہو جاتی کہ بچی تو کل کی ہوتی آج شادی کروانے کے چکروں میں ہے تو کان پکڑ کر

توبہ استغفار پڑھتیں۔

''تمہارا کیا دِل چاہتا ہے، تمہارا لائف پارٹنر کیسا ہونا چاہیے؟ نگار نے فارینہ سے پوچھا تو وہ بے ساختہ بولی۔

''کیسا بھی ہو، پر ہو تو سہی۔ بس نمرہ کے فیانسی کی طرح کی مخلوق نہ ہو، یعنی گزارے لائق ہو، کوالیفائیڈ ہو اور اتنا کماتا ہو کہ میں ہر مہینے میں دو جوڑے لازمی بنا سکوں۔ یو نو میرا ایک ہی تو شوق ہے، اچھا پہننا اور اچھا لگنا''۔

''تم بتاؤ تمہارا آئیڈیل بندہ کیسا ہوگا'' فارینہ نے نگار سے پوچھا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

''ہینڈسم ہو، ویل آف ہو، براڈ مائنڈڈ ہو، پڑھا لکھا ہو، بھئی میری فہرست تو بہت طویل ہے، مگر اصل بات تو یہ ہے کہ امی پاپا جو فیصلہ کریں گے، میرے لیے تو وہی قابلِ قبول ہوگا''۔ نگار نے فرماں برداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

''ان سے تو پوچھنا ہی بے کار ہے یہ تو سوچتی بھی اپنی ممی کے ذہن سے ہیں۔ جہاں ممی کہیں گی، ہماری مومو بیگم وہیں شادی کرلیں گی''۔ فارینہ نے مومو کی شان میں قصیدہ پڑھا تو وہ بُرا مانے بغیر بولی۔

''یار مسئلہ یہ ہے کہ مجھے صرف انگیجمنٹ کروانے کا شوق ہے، وہ بھی فرینڈز کے سامنے اترانے کے لیے، اس سے زیادہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ بس جلدی سے وہ مبارک موقع آئے جب میں پانچ چھ کلو مٹھائی بمعہ ڈائمنڈ رنگ کلاس میں پہنچوں اور نمرہ گروپ کو جا کر گلاب جامن کھلا کر یہ خبر سناؤں''۔ مومو تو ایسا لگ رہا تھا تصور میں نمرہ، عظمی اور سیما کو مٹھائی بھی کھلانے لگی تھی۔

''تم بہت چپ بیٹھی ہو، تمہارا مسٹر رائٹ کیسا ہوگا؟'' نگار نے میری طرف رُخ کیا تو میں جو بڑی دیر سے چپ بیٹھی، ان لوگوں کو بولتا سن رہی تھی جواباً بولی۔

''میرے ساتھ تم لوگوں والا مسئلہ نہیں ہے۔ ایسی شادیاں تو مجھے زہر لگتی ہیں جن میں لڑکی لڑکے نے تصویر کے علاوہ ایک دوسرے کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو۔ غیر متعلقہ افراد سارے فیصلے کرتے پھریں اور جن کی زندگی کا فیصلہ ہو رہا ہے، وہ خاموش تماشائی بنے سب کو دیکھتے رہیں۔ ایسے منگنی کروانے کا مجھے تو ہرگز کوئی شوق نہیں ہے۔ ساس نندیں آئیں انہوں نے پسند کر لیا۔ بات پکی ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر صلہ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ایسی شادی میں بھی کوئی تھرل ہے، نہ کوئی ظالم سماج نہ دیگر مسئلے مسائل۔'' اپنی اتنی پرانی دوستی میں یہ پہلا موقع تھا جب میں نے ان لوگوں کو اپنے دِل کی بات بتائی تھی۔

''یعنی یہ کہ تم پسند کی شادی کرنا چاہتی ہو''۔ مومو نے تصدیق چاہی تھی۔ میں نے گردن ہلا دی۔

''میرا دِل چاہتا ہے، وہ بہت بولڈ ہو، بہت کانفیڈنٹ۔ وہ آئے اور آ کر بڑے اعتماد کے ساتھ مجھے شادی کی آفر کرے۔ اس طرح جیسے انکار کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا خوب صورت سا بکے ہو۔ میں وہ بکے قبول کر لوں۔ کیا خوب ہو اگر وہ ویلنٹائن ڈے ہو''۔ میں نے بڑی سچائی سے اپنے دِل کی بات بتا دی تھی۔

''اوئے ہوئے بچی تو بڑے ہی رومینٹک قسم کے خیالات رکھتی ہے۔ چلو بھئی ہم سب مل کر دُعا کرتے ہیں کہ اگلا ویلنٹائن ہماری عینا کے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آئے''۔ نگار نے دعائیہ انداز میں کہا تو ہم سب ہی

ہنس پڑے تھے۔

☆

چھٹیاں ختم ہوئیں اور ہم لوگوں کی پرانی روٹین بحال ہوگئی۔ یعنی صبح اُٹھنا، کالج کی تیاری، بھیا کا مجھے اور مومو کو کالج چھوڑنا۔ کالج میں وہی ہماری ہنگامہ آرائیاں اور نمرہ وغیرہ کے ساتھ جنگ و جدل۔ واپسی میں مومو کی ممی ہم لوگوں کو پک کرتیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر سونا تو میرے لیے لازمی تھا، ورنہ تو سارا دن بوجھل گزرتا تھا۔ شام میں ٹی وی دیکھنا، ممی کے ساتھ گپیں مارنا۔ پھر جب بھیا اور پاپا گھر آجاتے تو ان کا دماغ چاٹنا۔ رات کے کھانے کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹہ اسٹڈیز کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ اپنی تمام تر شوخیوں، شرارتوں اور لاپرواہیوں کے باوجود میں نے ممی پاپا کو پڑھائی کے معاملے میں شکایت کا موقع کبھی بھی نہیں دیا تھا، بلکہ صرف میں ہی کیا ہمارا پورا ہی گروپ ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتا تھا۔

دن یونہی گزر رہے تھے۔ فائنل ایگزیمز میں صرف دو ماہ باقی تھے۔ ہم سب ہی بڑا دِل لگا کر امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ پڑھائی لکھائی کے ساتھ ساتھ فارینہ کا غم اپنی جگہ برقرار تھا۔ اسے اس بات کا بڑا شدید دکھ تھا کہ ہم چاروں کی چاروں بغیر منگنی کے کالج سے رخصت ہو جائیں گی۔ اس روز کلاسز آف ہونے کے بعد ہم چاروں لائبریری میں بیٹھ کر Organic Chemistry کے ایک دو ٹاپکس آپس میں کلیئر کر رہے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ نگار سے سمجھ رہے تھے۔ کیمسٹری اس کا فیورٹ مضمون تھا اور اتنے بور مضمون میں اس کی دلچسپی ہم لوگوں کے لیے یوں فائدہ مند تھی کہ ہماری پریشانی نگار ہی حل کیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ استانی صاحبہ بنی ہم لوگوں کو ڈانٹتی سمجھا رہی تھی۔ پڑھائی کی دھن میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ گھر میں تو آج کل ہم دیر ہو جانے کا کہہ کر ہی آتے تھے، اس لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ واپسی میں آج کل ہم چاروں ہی فارینہ کی گاڑی میں جایا کرتی تھیں۔ آج اس کے ڈرائیور نے چھٹی کرلی تھی، اس لیے ہم سب ہی کو بس سے جانا تھا۔

''تین بج رہے ہیں، آج گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے''۔ مومو نے ہم سب کی توجہ گھڑی کی طرف دلائی تو ہم چاروں جلدی جلدی اپنا ساز و سامان سمیٹ کر کھڑے ہو گئے۔ لائبریری میں اتنی دیر سے بند موسم کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ باہر نکل کر دیکھا تو ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔

''لو جی یہ تو بارش شروع ہوگئی۔ اب کیا بھیگتے ہوئے گھر جائیں گے۔ ایسا کرتے ہیں فون کر کے گاڑی منگوا لیتے ہیں''۔ مومو نے بارش کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم تو رہنا ہمیشہ ڈل اور بور...... بے وقوف یہی تو موسم ہے انجوائے کرنے کا۔ اتنی ہلکی بوندا باندی ہو رہی ہے۔ مزہ آئے گا ایسے موسم میں بھیگتے ہوئے اسٹاپ تک جائیں گے''۔ فارینہ نے اسے گھر کا۔ وہ مزید کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنے ہی والی تھی کہ میں نے فارینہ کی حمایت میں ایک عدد بیان جاری کر دیا۔

''صحیح تو کہہ رہی ہے فارینہ۔ ویسے بھی میرے گھر میں تو اس وقت ممی کے علاوہ کوئی ہوگا نہیں۔ نگار کے ہاں بھی کوئی نہیں ہوگا۔ رہ گئیں تمہاری ممی تو انہیں تکلیف دینے سے بہتر ہے کہ ہم لوگ خود ہی چلیں''۔ آخر کار مومو کو ہماری بات مانتے ہی بنی۔ نگار کو بھی یہ پروگرام پسند آیا تھا۔ باتیں کرتے ہم لوگ اسٹاپ تک پہنچ گئے اور کھڑے ہو کر اپنی

مطلوبہ بس کا انتظار کرنے لگے۔ نگار اور فارینہ کو الگ بس میں جانا تھا اور مجھے اور مومو کو الگ میں، مگر بس تھی کہ آ کر نہیں دے رہی تھی۔

''ابھی اگر یہ کوئی فلمی سین ہوتا، یا پھر کوئی ناول اور اس میں ہیروئن یوں درخت کے نیچے کھڑی اپنی بس کا انتظار کر رہی ہوتی تو فوراً ہی ایک عدد ہیرو کی انٹری ہو چکی ہوتی۔ ایک نہایت ہی قیمتی گاڑی آ کر ہیروئن کے پاس رُکتی وہ ایک لمحے کے لیے ڈر جاتی۔ غور سے دیکھتی تو گاڑی میں ایک نہایت ہی خوبرو بندہ بیٹھا نظر آتا۔ وہ اسے لفٹ کی پیش کش کرتا، پہلے وہ انکار کرتی، مگر پھر آخر کار اس کے اصرار کے آگے ہار مان کر گاڑی میں بیٹھ جاتی۔ بس پھر وہیں سے ہیروئن کی زندگی میں ٹرننگ پوائنٹ آتا۔ یار یہ ہم لوگوں کی زندگی میں اس طرح کا کوئی واقعہ کیوں پیش نہیں آتا''۔

اس قسم کی باتیں ظاہر ہے فارینہ ہی کر سکتی تھی۔ اس کے حسرت بھرے انداز پر ہم سب ہی ہنس پڑے تھے۔

''آپ کی زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ تو افسوس نہیں آیا۔ البتہ بس آتی مجھے دور سے نظر آ رہی ہے۔ ویسے عینا اب میری سمجھ میں آیا یہ ہماری فارینہ کو آج اچانک ہی موسم انجوائے کرنے کا خیال کیوں آیا۔ چہ چہ۔ بیچاری، میری جان وہ فلمیں اور ناول ہوتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ چلو''۔ نگار نے فارینہ کا مذاق اُڑایا تو وہ منہ بنا کر رہ گئی۔ ہم دونوں انہیں خدا حافظ کر کے اب اپنی بس کا انتظار کر رہے تھے۔

''اچھا خاصا میں فون کر رہی تھی۔ فارینہ صاحبہ کی بے وقوفانہ تھرل نے لے کر ہم سب کو مروا دیا۔ بھوک الگ اتنی شدید لگ رہی ہے''۔ مومو خاصا چڑ کر بولی۔ وہ تو یوں بھی بھوک کی بہت کچی تھی۔ میں ابھی اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک ایک گاڑی ہمارے بالکل قریب آ کر رُکی۔ کالج کی چھٹی ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی کہ اب اِردگرد بالکل سناٹا تھا۔ بارش بھی اب ہلکی ہلکی بوندا باندی سے بدل کر موسلا دھار برسات میں تبدیل ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جو باتیں ہم آپس میں تھرل کے طور پر کر رہے تھے، وہ جب اصل میں وقوع پذیر ہوئی تو ہم دونوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ مومو تو تھی ہی سدا کی ڈرپوک اور بزدل، فوراً ہی میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر ڈر کے مارے دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے وہ بے حد ہینڈسم بندہ بڑے ہی شائستہ اور مہذب لہجے میں بولا تھا۔

''کہاں جانا ہے آپ لوگوں کو۔ آیئے میں ڈراپ کر دوں''۔ ڈر تو میں بھی گئی تھی مگر اپنا ڈرنا اس کے سامنے ظاہر کیے بغیر مضبوط لہجے میں بولی۔

''شکریہ ہم لوگ چلے جائیں گے''۔

''آپ عباد کی بہن ہیں نا'' اس نے بھیا کا نام لیا تو میں ایک دم چونک گئی۔ مومو تو باقاعدہ کانپنا شروع ہو چکی تھی۔ اسے تو ویسے بھی روڈ پر چلتا ہر دوسرا بندہ چور اچکا اور بدمعاش نظر آتا تھا۔

''میں عباد کا دوست ہوں کامران۔ آپ کو پہچان کر ہی میں نے گاڑی روکی تھی''۔ اب کے اس نے تفصیلی تعارف کروایا تو مجھے بھی ایک دم اس کی شکل جانی پہچانی سی محسوس ہوئی۔ دو چار مرتبہ اسے بھیا کے ساتھ آتے جاتے میں دیکھ چکی تھی۔ اب جبکہ وہ بھیا کا دوست نکل آیا تھا اور ہم لوگوں کو بیٹھنے کی آفر کر رہا تھا تو انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے قدم آگے بڑھایا تو مومو کی منمناتی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''پاگل ہوگئی ہو۔ایسے ہی کوئی بھی بھیا کا دوست بن کر آجائے گا اور تم ساتھ چل دو گی۔ مجھے تو شکل ہی بدمعاش لگ رہا ہے''۔ اچھا خاصا ہینڈسم بندہ اس سے ہماری مومو کو بدمعاش نظر آنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ جو مجھے آگے بڑھتا دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا دروازہ کھول چکا تھا بولا۔

''کیا ہوا، آپ رُک کیوں گئیں۔دیکھیں پلیز، مجھے ایک جگہ پہنچنے کی بہت جلدی ہے۔وہ تو میں آپ کو دیکھ کر رُک گیا، ورنہ میں لیٹ ہو رہا ہوں''۔اس نے شائستہ انداز برقرار رکھتے ہوئے ہمیں ٹوکا تو مجھ سے پہلے ہی مومو بولی۔

''اتنی جلدی میں ہیں تو جائیے۔ہم نے آپ کو روکا تو نہیں''۔وہ پوری کی پوری میرے پیچھے یوں چھپی ہوئی تھی، جیسے مرغی کے بچے اپنی اماں کے پروں میں چھپتے ہیں۔ مجھے مومو کی بدتمیزی پر شدید غصہ آیا۔کیا سوچے گا وہ کہ عباد کی بہن اور اس کی فرینڈ اتنی ال مینرڈ ہیں۔

''مومو کیا بدتمیزی ہے''۔میں نے اپنی خفت چھپاتے ہوئے اسے ٹوکا تو وہ بدستور میرے پیچھے چھپی زور سے بولی۔

''ایسے کوئی بھی بھیا کا دوست بن کر آجائے گا اور تم یقین کر لوگی۔ پتا نہیں تمہیں کب عقل آئے گی۔ جائیے مسٹر اپنا راستہ ناپیے اور یہ مت سمجھیے گا کہ ہم آپ سے ڈر گئی ہیں۔ یہ عینا بلیک بیلٹ ہے اور میں بھی کوئی گئی گزری نہیں۔ خوامخواہ اکیلی لڑکیوں کو دیکھ کر ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں''۔

اس کی آواز کی کپکپاہٹ صاف محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے مومو کی بے وقوفی پر سر پیٹتے ہوئے سامنے دیکھا تو اتنی دیر سے سنجیدہ شکل بنائے بیٹھا بندہ اب بے ساختہ مُسکراتا نظر آیا۔اس کے چہرے کی شرارتی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ کسی بات کو بہت انجوائے کیا جا رہا ہے۔میری ہائٹ کیونکہ اپنی تمام فرینڈز میں سب سے زیادہ ہے، اسی لیے مومو صرف میرے کندھے تک آتی تھی اور اس وقت بھی میرے پیچھے چھپی کندھے پکڑ کر اچک کر سامنے دیکھ رہی تھی۔ میں مومو کی بدتمیزی پر شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

''اچھا جی، آپ لوگ نہیں جانا چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔ میں چلتا ہوں، بائے''۔وہ ہم لوگوں کو ہاتھ ہلاتا چلا گیا تھا۔دو چار منٹ بعد ہی ہماری مطلوبہ بس آگئی تھی۔ میں مومو سے شدید ناراض ہوگئی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ اب اس بات پر مجھے بھیا سے سخت سست سننا پڑیں گی، لاکھ وہ اس وقت بُرا مانے بغیر مُسکرا رہا تھا، مگر اسے مومو کی بات بری تو ضرور لگی ہوگی۔وہ تو اخلاقاً بھیا کی وجہ سے رُک گیا تھا اور مومو پاگل کہیں کی۔اب بھیا سے ڈانٹ کھانی پڑے گی۔

گھر آ کر کھانا کھانے کے بعد سونے کے لیے لیٹنے تک میں یہی سب سوچتی رہی تھی، مگر جب وہ دن اور پھر اگلے دو چار دن بھی خیریت سے گزر گئے تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ بھیا ویسے تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، مگر ان کا غصہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔مومو کی بعد میں، میں نے خوب کھنچائی کی تھی۔ نگار اور فارینہ نے اس قصے کو بڑے مزے لے لے کر سنا تھا۔ اس واقعے کو ہفتہ دس دن گزر رہے ہوں گے کہ اس رات بھیا میرے کمرے میں آئے۔

''کام[illegible] [illegible]ہاں ملا تھا؟'' بھیا نے دو چار ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب یہ بات کی تو میں چونک گئی۔ ان [illegible] پر تفصیلی نظریں دوڑائیں تو وہاں کسی ناراضی کی کوئی آثار نہ دیکھ کر سکون کا سانس لیا اور انہیں اس دن کا تمام ماجرا کہہ سنایا۔ [illegible]ری بات سن کر بھیا قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''اچھا تو مومو تمہارے ساتھ تھی۔ویسے اس قسم کی حرکتیں کر بھی صرف مومو ہی سکتی ہے''۔

''بھیا انہوں نے کیا آپ سے کوئی شکایت کی ہے؟''میں نے دریافت کیا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

''نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو یونہی ذکر نکل آیا تھا''بھیا شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے تو میں بھی دوبارہ سے کتابوں میں گم ہوگئی۔ ہوں ناں میں بے وقوف یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ بھیا یہ بات پوچھ کیوں رہے تھے۔قصہ کچھ یوں ہوا تھا کہ کامران صاحب ہماری مومو پر دِل و جان سے فریفتہ ہوگئے تھے۔انہوں نے ساری بات بھیا کو بتائی، کیونکہ مومو کے گھر تک پہنچنے کے لیے انہیں بہر حال میری مدد درکار تھی۔ بھیا نے ساری بات مجھ سے اس لیے کنفرم کی کہ آیا میرے ساتھ مومو ہی تھی۔کہیں ایسا تو نہیں کہ اس روز میرے ساتھ کوئی اور فرینڈ ہو۔ یہ ساری بات تو میری سمجھ میں اس وقت آئی جب کامران آفاق کی والدہ اور بہنیں مومو کے لیے باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں۔جیسے ہی یہ بات پتا چلی تو میں اُچھل پڑی۔فوراً فون کھڑکا کر یہ قصہ فارینہ اور نگار کے گوش گزار کیا گیا۔ہم فرینڈز میں سے کسی کی زندگی میں کچھ ڈفرنٹ ہو ہی گیا تھا۔ پروپوزل کا کیا جواب دیا جاتا ہے، یہ بعد کی بات تھی اور اس کا فیصلہ بڑوں کو کرنا تھا، مگر مومو کو چھیڑنا تو ہم لوگوں کا فرض تھا، سو وہ ہم پورا کر رہے تھے۔

مومو ٹپیکل افسانوی ہیروئنز کی طرح لال گلابی اور نیلی پیلی ہو رہی تھی۔ بھیا نے اپنے دوست کا مقدمہ بڑی کامیابی کے ساتھ لڑا تھا اور آخر کار آنٹی انکل نے کامران آفاق کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ کالج میں مٹھائی لے کر پہنچنے والا مومو کا سپنا سچ ہوگیا تھا۔رسمی طور پر بات چیت طے ہوئی تھی۔امتحانوں کے فوراً بعد مومو کی شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی اس لیے انگیجمنٹ وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں ہوا تھا۔

جس روز بات پکی ہوئی اور اگلے روز مومو مٹھائی لے کر کالج پہنچی تو مزہ ہی آگیا۔ بھیا سارے راستے مومو کو چھیڑتے رہے تھے کہ اتنا خوش تو کامران بھی نہیں ہے۔اس نے تو اپنے دوستوں کو ایک کینڈی تک نہیں کھلائی اور یہاں چار پانچ کلو مٹھائی جا رہی ہے۔بات پکی تو مومو کی ہوئی تھی مگر ہم تینوں یوں خوش تھے جیسے ہماری شادی طے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردنیں نیچی ہونے سے بچالی تھیں۔نمرہ کے کارٹون سے لاکھ گنا بہتر تھا کامران۔ بھیا کے ساتھ وہ ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا اور آگے ترقی کے روشن امکانات تھے۔نمرہ لوگوں کی جلن و حسد سے بھرپور شکلیں دیکھ کر ہم لوگوں کے کلیجوں میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

آنٹی کیونکہ پرانے خیالات کی مالک تھیں، اسی لیے مومو نہ تو کہیں باہر کامران سے مل سکتی تھی اور نہ ہی فون پر بات کر سکتی تھی۔اس بے وقوف کو ایسا کوئی شوق بھی نہیں تھا۔اس کا شوق تو کالج میں مٹھائی کھلانا تھا، سو وہ پورا ہوگیا تھا۔ امتحان شروع ہوئے تو ہم سب تو بری طرح پڑھائی میں مصروف ہوگئے۔مومو بے حد پریشان تھی کہ اپنی شادی کی تیاری کرے یا امتحانوں کی۔Theroy کے پیپرز سے فارغ ہوئے تو بڑی حد تک ٹینشن ختم ہوگئی۔پھر ہم سب ہی نے مل کر مومو کی تیاری میں بھرپور مدد کروائی۔

مومو کی شادی ہم لوگوں کی زندگی کا یادگار واقعہ رہے گی۔ مایوں، مہندی، شادی، ولیمہ ہم لوگوں نے ہر فنکشن بھرپور انجوائے کیا۔ہم لوگوں نے ہر دن کے لیے نئے کپڑے بنوائے تھے۔آخر یہ ہماری لاڈلی سہیلی کی شادی تھی۔مومو کی رخصتی پر سب سے زیادہ زور و شور سے میں روئی تھی۔شاید اس لیے کہ بچپن ہی سے ہم دونوں اتنے قریب رہے تھے کہ

ہر جگہ ساتھ جانا، ہر کام ساتھ کرنا۔ اس کی کمی سب سے زیادہ مجھے ہی محسوس ہو رہی تھی، مگر یہ اداسی زیادہ دن برقرار نہ رہ سکی اور ہم لوگوں کو انجوائے منٹ کے لیے ایک اور واقعہ ہاتھ لگ گیا۔

فارینہ جسے ہم سب میں سے انگیجمنٹ کروانے کا سب سے زیادہ شوق تھا، اس کا شوق آخر کار پورا ہو ہی گیا تھا۔ موموہی کی شادی کے فنکشن میں کامران بھائی کی خالہ کو فارینہ اتنی بھائی کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے فارینہ کا رشتہ لے آئیں اور یوں فارینہ کی نیا پار لگی۔ شادی اس کی چھ سات مہینے بعد ہونی تھی۔

B.S.C. کا رزلٹ ڈکلیئر ہوا اور ہم سب ہی اچھے مارکس کے ساتھ پاس ہو گئے تو صرف میں نے اور نگار نے آگے پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ موموتو ظاہر ہے اب پتی جی کی سیوا میں لگی تھیں اور فارینہ بھی اپنی عنقریب ہو جانے والی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ نگار نے اپنی دلچسپی کے پیش نظر کیمسٹری ہی میں ماسٹرز کرنے کی ٹھانی تھی۔ جبکہ میں بھیا کے مشورے پر MBA کے Aptitude ٹیسٹ میں شریک ہوئی۔ ٹیسٹ کی تیاری بھی مجھے بھیا ہی نے کروائی تھی۔ IBA کے Aptitude ٹیسٹ میں کامیاب ہو جانے کا مجھے ایک فی صد بھی یقین نہیں تھا، مگر یہ ناممکن کام میں نے سرانجام دے ہی لیا۔ مجھ سے زیادہ بھیا اور پاپا خوش تھے۔ انٹر میں کم پرسنٹیج آنے پر جب میرا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا تھا تو میں بہت ہی نا اُمید ہو گئی تھی۔ اس وقت پاپا نے مجھے بہت سمجھایا تھا۔

''چھوٹی موٹی ناکامیوں سے بددل نہیں ہونا چاہیے، جو چیز ہمیں نہیں ملتی تو یہ سوچ کر صبر کر لینا چاہیے کہ یہ ہمارے لیے تھی ہی نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ یقیناً کہیں اور اس سے بھی زیادہ نوازیں گے''۔ اس وقت میں نے پاپا کی باتوں کو اتنا سیریسلی نہیں لیا تھا مگر آج جب ٹیسٹ کا رزلٹ دیکھا اور وہاں اپنا نام بھی نظر آیا تو مجھے پاپا کی بات پر یقین آ گیا۔ پتا نہیں ہم انسان اتنی جلدی مایوس کیوں ہو جاتے ہیں۔ بھیا کے منہ سے IBA کے قصے سن سن کر مجھے وہ کوئی خوابوں کی نگری لگنے لگی تھی۔ بھیا نے BBA اور پھر MBA وہیں سے کیا تھا۔

پہلے روز یونیورسٹی گئی اور اپنے انسٹی ٹیوٹ پہنچی تو بڑا عجیب سا لگا۔ وہ جوان تینوں کی عادت تھی، اب ان کے بغیر بالکل مزہ نہیں آ رہا تھا۔ پتا نہیں ان لوگوں کو شادی کی اتنی جلدی کیا تھی۔ میں نے انتہائی بوریت سے سوچا تھا۔ میرے لیے نئے سرے سے کسی سے دوستی کرنا کارِ دشوار تھا۔ ہمیشہ ہی سے ہم چاروں ساتھ رہے تھے، ہم نے کبھی نئے دوست بنائے ہی نہیں تھے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ نئی دوستیاں کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پہلا دن تو بس انٹروڈکشن ہی میں گزر گیا۔ گھر آ کر اپنی پرابلم ممی سے ڈسکس کی تو وہ مجھے اطمینان دلانے لگیں کہ میں آہستہ آہستہ سیٹ ہو جاؤں گی اور نئی فرینڈز بھی بن جائیں گی۔ مجھے انسٹی ٹیوٹ جاتے ایک ماہ ہو چلا تھا، مگر ابھی تک بھی میری کسی سے سلام دُعا سے زیادہ دوستی نہیں ہو سکی تھی۔ ممی کہتی تھیں کہ ایسا نہیں کہ وہاں اچھے لوگ نہیں ہیں، بلکہ میں ہی کسی اور کو ایکسپٹ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں نئے دوست بنانا ہی نہیں چاہتی۔ شاید ممی ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ نگار کا کوئی پیریڈ فری ہوتا تو وہ مجھ سے ملنے آ جاتی۔ اسے دیکھ کر میں خوش ہوتی تھی، جیسے برسوں بعد ملے ہوں۔ کبھی اگر مجھے فارغ ٹائم ملتا تو میں اس کے پاس چلی جاتی تھی۔ اسے بھی میری طرح ایڈجسٹ کرنے میں مشکل ہو رہی تھی، مگر بہر حال وقت گزاری کے لیے اس نے دو تین لڑکیوں سے دوستی کر ہی لی تھی۔ اس روز Financial Accounting کی کلاس لے کر نکلی تو سامنے سے آتی نگار کو دیکھ کر میں بے اختیار پُر مسرت انداز میں چلائی تھی۔

''اوہ نگار شکر ہے، اس سڑے ہوئے ماحول میں کوئی تو اپنا نظر آیا۔ میں سخت بور ہو رہی تھی''۔

میری آواز شاید کچھ زیادہ ہی بلند تھی، تب ہی ہمارے پیچھے کھڑے لڑکوں کے گروپ نے بے ساختہ گردنیں گھما کر میری طرف دیکھا تھا۔ میں کیونکہ اس وقت نگار کے آنے کی خوشی میں مگن تھی، اس لیے ان کے دیکھنے کا نوٹس لیے بغیر اس سے بولی۔

''یہاں ایسی ایسی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔ IBA میں کیا آئے ہیں جیسے دُنیا فتح کر لی''۔ میری بات پر نگار ہنس پڑی تھی۔

''ایسے ہی تم Critisize مت کرو۔ دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں جا کر دیکھو IBA والوں کی ویلیو۔ یہاں کے لڑکوں کی مارکیٹ ویلیو کا تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے''۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آگے بڑھے اور ان لڑکوں کے گروپ کے پاس سے گزرے تو وہ لوگ ابھی تک بڑے غور سے ہمیں ہی دیکھ رہے تھے۔

''تم بھی کہیں مجھ سے ملنے کا بہانہ کر کے اسی لیے تو نہیں آتیں''۔ میں نے نگار کی نیت پر شبہ کیا تو وہ ہنس پڑی۔

''تم سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ دوستوں کے خلوص پر شک کرو''۔

''لگتا ہے اب کی بار تمہارا نمبر ہے۔ وہ بلیک شرٹ والے موصوف تمہیں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے''۔ ذرا آگے بڑھے تو میں نے نگار سے بولا۔

''مجھے نہیں، بلکہ وہ تمہیں دیکھ رہا تھا۔'' نگار نے میری غلط فہمی دور کی تو میں بڑے ہی غم زدہ انداز میں بولی۔

''آپ جیسی حسینہ عالم کے سامنے مشکل ہی ہے کہ کوئی مجھے گھاس ڈالے''۔ ویسے اس بات میں مبالغہ آرائی تھی بھی نہیں۔ ہم لوگوں کے گروپ میں نگار سب سے زیادہ خوب صورت تھی اور جو چیز اس کی خوب صورتی میں اضافے کا باعث بنتی تھی، وہ یہ تھی کہ اسے اپنی اس خوب صورتی کا بالکل بھی احساس نہیں تھا۔ دوسرے لوگ اس کی تعریفیں کرتے اسے سراہتے تھے، مگر وہ خود مست ملنگ تھی جو مل گیا پہن لیا۔ یہ اور بات کہ عام سے کپڑے بھی اس کے تن پر آ کر سج جاتے تھے۔

☆

میں تنہا کب تک رہتی، آخر کار مجھے بھی نئے ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کرنا ہی پڑ گیا تھا۔ مریم نے میری طرف دستی کا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اکیلے رہنے سے بہتر یہی سمجھا کہ اس سے دوستی کر لی جائے۔ اس کے ساتھ دوستی میں ظاہر ہے وہ بات تو کبھی پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی، جو فارینہ، موموا ور نگار کے ساتھ تھی، مگر بہر حال وقت گزاری کے لیے یہ ساتھ می بہت غنیمت تھا۔ فورتھ سمسٹر کے ذیشان حیدر کا گروپ پورے IBA میں بڑا ہی مشہور و معروف گروپ تھا۔ ان کے لروپ کو IBA کی کریم کہا جاتا تھا۔ اکثر پروفیسرز اور اسٹوڈنٹس کے منہ سے ان کے قصے سن سن کر مجھے انہیں دیکھنے کا مدید شوق پیدا ہو گیا تھا۔ ان کے بنائے اسائنمنٹ، ان کے نوٹس، ان کے لیکچرز، میں نے ان لوگوں کا ہر کسی سے اتنا ذکر نا تھا کہ میرا دِل چاہنے لگا تھا کہ جلد از جلد ان ذہین ترین افراد کو دیکھ سکوں۔ پھر آخر میرا یہ شوق پورا ہو ہی گیا۔ اس روز ریم کے ساتھ ریڈنگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے مجھے اشارے سے دکھا کر سرگوشی میں بتایا۔

''وہ رہا ذیشان حیدر کا گروپ''۔ میں نے جو سامنے دیکھا تو وہ وہی بندہ تھا جس کے بارے میں، میں نے اور

نگار نے آپس میں بحث کی تھی کہ وہ ہم میں سے کسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تینوں بڑی سنجیدگی سے کتابوں میں منہ دیئے بیٹھے تھے۔ ان لوگوں کی شان دار پرسنالٹی دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ لڑکیوں میں صحیح مقبول ہیں۔ مریم کی کزن بھی فائنل سمسٹر میں تھی۔ اسی کے توسط سے مریم ان لوگوں کے بارے میں بہت سی باتیں جانتی تھی۔

''تینوں کے تینوں بڑے پراؤڈ قسم کے ہیں۔ اپنے گروپ میں کبھی کسی چوتھے فرد کو شامل نہیں ہونے دیتے۔ اپنے اسائنمنٹ اور نوٹس کسی کو بھی نہیں دیتے۔ لڑکیوں سے دوستی کے معاملے میں تو انہیں بدتمیزی کی حد تک روڈ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ تینوں ویل آف فیملیز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے بھی لڑکیاں ان کے زیادہ ہی آگے پیچھے پھرتی ہیں، مگر مجال ہے جو یہ کسی کو گھاس ڈالیں۔ خصوصاً یہ ذیشان تو بڑا ہی نک چڑھا ہے۔ ہر سمسٹر میں ٹاپ کرتا ہے، اس کے ڈیڈی کا اپنا بزنس ہے۔ سارے ٹیچرز تک ان لوگوں کے گروپ سے خائف رہتے ہیں۔ سنا ہے کلاس میں یہ ٹیچرز سے مشکل سوالات کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے''۔ مریم نے میری معلومات میں گراں قدر اضافہ کیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بندہ واقعی ہینڈسم تھا، بلکہ بندہ کیا وہ تینوں ہی اچھی پرسنیلٹیز کے مالک تھے۔ اس سے زیادہ مجھے ان لوگوں میں دلچسپی لینے کی کیا ضرورت تھی۔ اس روز ریڈنگ روم میں جب مریم مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتارہی تھی، ایک لمحے کے لیے مجھے ایسا لگا جیسے اس بندے نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا ہو، مگر اگلے پل جب وہ دوبارہ کتاب میں غرق ہوگیا تو مجھے اپنا وہم نظر انداز کرنا پڑا۔

''میں لان میں اکیلی بیٹھی سرغوری کے اسائنمنٹ کو مکمل کرنے کی کوششیں کررہی تھی۔ مریم طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آئی نہیں تھی اور کل اسائنمنٹ جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی۔ Management of Principles کا یہ اسائنمنٹ مجھے حقیقی معنوں میں رلوا رہا تھا۔ اتنے مشکل اور پیچیدہ سوالات تھے کہ میں انہیں حل کرنے میں پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ ایک تو بھیا بھی آج کل کراچی میں نہیں تھے، ورنہ انہیں سے مدد لے لیتی۔ آفس کے کام سے وہ سنگاپور گئے ہوئے تھے۔ مریم خود مجھ پر تکیہ کیے گھر میں بیمار پڑی تھی۔

''کیا ہوا تمہارا اسائنمنٹ ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔ ہم لوگ تو ابھی ابھی اپنا اسائنمنٹ سب مِٹ کروا کر آرہے ہیں۔'' اسما کی آواز پر میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہ ترس کھاتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''اگر میرا فیانسی بھی یہاں تھرڈ یا فورتھ سمسٹر میں ہوتا تو میں بھی اپنا اسائنمنٹ آج کیا بلکہ کل یا پرسوں ہی سب مِٹ کروا چکی ہوتی۔'' ادھار رکھنا تو میں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ کوئی مجھ پر طنز کرے یہ تو مجھے برداشت ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں یہ نمرہ ٹائپ کی لڑکیاں مجھے ہر جگہ ہی مل کیوں جاتی ہیں۔ یہاں نمرہ لوگوں کی کمی پوری کرنے کے لیے اسما لوگوں کا گروپ موجود تھا۔ اپنے منگیتر کے اسائنمنٹس چھاپ چھاپ کر ٹیچرز کے سامنے واہ واہ کرواتی وہ، اور اس کا گروپ مجھے کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ میری بات ظاہر ہے اسے تیر کی طرح جا کر لگی تھی۔

''مطلب کیا ہے تمہارا، میں کیا فواد سے لے کر اسائنمنٹس اُتارتی ہوں''۔ وہ باقاعدہ مجھے گھورتی بڑے غصے سے بولی تھی۔

''تمہارا جو دل چاہے مطلب سمجھو اور اب پلیز مجھے میرا کام کمپلیٹ کرنے دو''۔ میں نے اس کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر اپنی توجہ بکس اور فائل پر مرکوز کردی تو وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس روز کلاسز آف ہونے کے بعد

بھی میں یونیورسٹی میں رُکی رہی۔ آج میں ہر قیمت پر اسائنمنٹ مکمل کرنا چاہتی تھی۔ لائبریری میں بیٹھ کر مختلف ریفرنس بک کھنگالتی میں تقریباً روہانسی ہوگئی تھی۔ مجھے مومو، فارینہ اور نگار کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے ہوتے ہوئے میں نے کب اکیلے ایسی فکریں پالی تھیں۔ ہم لوگ ہر کام مل جل کر کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نوٹس وغیرہ بھی مل کر بناتے تھے۔ بڑے انصاف کے ساتھ کام آپس میں بانٹ لیا جاتا اور ہر ایک اپنی ذمہ داری پوری دیانت داری سے نبھاتا اور یہاں اتنے مشکل مضامین اور پڑھائی کے ساتھ میں تنہا تھی۔

دو تین گھنٹے لائبریری میں گزار کر بھی میرا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔ کبھی میں ایک شیلف سے جا کر ایک بک نکالتی، کبھی دوسری زیادہ وقت گھن چکر بنی کتابیں نکالتی اور رکھتی ہی رہی تھی، مگر افسوس میری یہ خواری بھی میرے کام نہ آئی اور میں مایوس اور دل گرفتہ گھر لوٹ آئی۔

اپنے کمرے میں بیٹھی میں اپنی فائل کے صفحات پلٹتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ مجھے اتنی مشکل پڑھائی میں گھسنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا میں کسی آسان سے مضمون میں ماسٹرز نہیں کرسکتی تھی۔ خود کو کوستے کوستے جو اچانک میری نظر اپنے سامنے رکھے صفحے پر پڑی تو وہ ہرگز بھی میری رائٹنگ نہیں تھی۔ میری فائل میں کسی اور کے پیپرز کا کیا کام تھا۔ میں بے اختیار چونک گئی تھی۔ وہ تو سرغوری کے اسائنمنٹ سے ملتی جلتی ہی کوئی چیز تھی۔ میں نے وہ صفحات فائل میں سے نکالے اور اچھی طرح اُلٹ پلٹ کر ہر طرف سے دیکھا مگر ان پر کہیں بھی کسی کا نام نہیں لکھا تھا۔ باقاعدہ میری فائل میں اٹیچ کیے ہوئے وہ پیپرز آخر کس نے رکھے تھے۔ کیا کسی کے پیپرز غلطی سے میری فائل میں آگئے، میں نے خود سے پوچھا اور پھر آخر کار مجھے یہی بات ماننی پڑی کہ یہ کسی اور کے پیپرز شاید آج لائبریری میں کسی غلط فہمی کی بنا پر میری فائل میں آگئے ہیں۔ یہ تمام باتیں سوچنے کے بعد جو میں نے ذرا غور و فکر سے ان صفحات کا مطالعہ کیا تو میں مارے خوشی کے اُچھل پڑی۔

سرغوری کے اسائنمنٹ کے بارے میں بڑی مہارت کے ساتھ پوائنٹس درج تھے۔ جو جو باتیں مجھے کنفیوژ کر رہی تھی، وہ سب ایک ایک کر کے ان پوائنٹس کے ذریعے حل ہوتی چلی گئیں اور یہ اسائنمنٹ جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ میں اسے کبھی بنا ہی نہیں سکتی، محض ایک گھنٹے میں مکمل ہوگیا۔ کون ہوگا وہ جینئس جس نے اتنی عمدگی سے یہ پوائنٹس تیار کیے ہوں گے، اگر سر اتنے ڈھنگ سے یہ باتیں لیکچر میں سمجھا دیتے تو مجھے پریشانی کس بات کی تھی۔ میرا مسئلہ تو حل ہوگیا تھا مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ یہ پیپرز درحقیقت تھے کس کے۔ جس کسی کے بھی ہوں گے وہ بے چارہ انہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔ اگلے روز میں نے بڑی شان سے اسائنمنٹ سب مِٹ کروا دیا تھا۔ اس واقعے کا ذکر میں نے مریم سے نہیں کیا تھا۔

Executive Students Forum سے Per-budget Seminar کا انعقاد کروایا تھا۔ اپنی کلاس کے دیگر افراد کی طرح میں اور مریم بھی اس میں شرکت کے لیے آڈیٹوریم پہنچے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس سلسلے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ IBA کے اسٹوڈنٹس کی نمائندگی ذیشان حیدر نے کی تھی۔ اس کی اسپیچ شان دار تھی۔ میں اس بندے سے اچھی خاصی مرعوب ہوگئی تھی۔ اس بندے کے انداز میں کس قدر شان بے نیازی تھی۔ بلا کا اعتماد تھا، اس کے لہجے میں۔ سیمینار میں شرکت کے بعد جب ہم باہر نکلے تو میں اور مریم اسی کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔

''ٹھیک ہی پراؤڈ ہے یہ بندہ۔ میں بھی اگر اتنی ہی جینئس ہوتی پلس یہ کہ اتنی ہی پُر اعتماد اور شان دار شخصیت کی مالک ہوتی تو Proudness میں اس سے بھی دو جوتے آگے ہی ہوتی۔ میں تو کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہ کرتی''۔ میرے جملوں پر مریم ہنس پڑی تھی۔

''یار کتنی لکی ہوگی وہ لڑکی جسے اتنا شان دار بندہ پسند کرے گا''۔ میرے لہجے میں اچھا خاصا رشک بلکہ کسی حد تک حسد شامل تھا۔ اس سے پہلے کہ مریم میری بات کے جواب میں کچھ کہتی، ہمارے بالکل پاس سے انتہائی تیز قدموں سے ذیشان اور اس کے دونوں دوست گزرتے ہوئے آگے بڑھے تھے...... ایک لمحے کے لیے میں بُری طرح شرمندہ ہوگئی تھی۔ پتا نہیں ان لوگوں نے ہماری باتیں سنی تھیں کہ نہیں۔

انہیں دنوں فارینہ کی شادی کا ہنگامہ جاگا تو ہم چاروں دوستوں کو دوبارہ سے مل بیٹھنے کا موقع میسر آ گیا۔ اس کی شادی کے چکر میں یونیورسٹی کی بھی دو تین دن کی چھٹی ہوگئی۔ ورنہ اب تک میں بالکل ریگولر جا رہی تھی۔ تین دن کی چھٹیوں کے بعد یونیورسٹی پہنچی تو پتا چلا کہ ان تین دنوں میں میرا کتنا نقصان ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر عرفان نے ایک اسائنمنٹ دیا تھا، جس کی آج آخری ڈیٹ تھی۔ مجھے مریم پر شدید غصہ آیا۔ وہ کیا مجھے فون کر کے بتا نہیں سکتی تھی کہ اسائنمنٹ ملا ہے۔ میں نے اس سے شکوہ کیا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔

''سوری یار بس وہ میرے ذہن سے نکل گیا۔ تم ایسا کرو میرا اسائنمنٹ کاپی کرلو''۔ مریم کی اس خود غرضی پر مجھے بے اختیار فارینہ وغیرہ یاد آئی تھیں۔ اس کی خودغرضی اس سے پہلے بھی دو چار بار مجھے فیل ہوئی تھی، مگر میں نظر انداز کر گئی تھی، لیکن آج مجھے انتہائی غصہ آیا تھا۔ پتا نہیں یہ لڑکیاں ایک دوسرے سے باتیں چھپا کر کس قسم کا اطمینان حاصل کرتی ہیں۔ میں اس کی آفر نظر انداز کر کے کلاس سے نکل آئی۔ ڈاکٹر عرفان جیسے سخت گیر استاد سے کسی رحم کی اُمید کی ہی نہیں جاسکتی تھی، پھر بھی ایک کوشش کرنے میں کیا حرج ہے، یہ سوچتی میں ان کے آفس میں داخل ہوئی۔ وہ اپنی رعب دار شخصیت سمیت چہرے پر خشونت بھرے تاثرات لیے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ذیشان حیدر بیٹھا تھا۔ کسی اور کے سامنے ڈانٹ کھانے سے ڈر لگ رہا تھا، مگر اب اندر آ چکی تھی اور وہ مجھے گھور گھور کر دیکھ بھی رہے تھے تو میں چپ چاپ تو نہیں کھڑی رہ سکتی تھی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے جھجکتے اٹکتے اپنا مدعا بیان کیا، ظاہر ہے یہ تو کہہ نہیں سکتی تھی کہ میری سہیلی کی شادی تھی، عافیت اسی میں تھی کہ بیماری کا بہانہ کر دیا جائے، مگر وہ بھی ایک جلاد، بڑی بے رحمی سے گویا ہوئے۔

''دیکھیں بی بی اُصول، اصول ہوتا ہے۔ جب میں نے کہہ دیا کہ آج لاسٹ ڈیٹ ہے تو ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی''۔ میں ان کا ٹکا سا جواب سن کر منہ لٹکائے باہر نکلی۔ اب بیٹھ کر غم منانے کا تو ٹائم ہی نہیں تھا، اس لیے لائبریری چلی آئی۔ یہی سوچا کہ جیسا بھی بنے گا، جمع کروادوں گی۔ کم سے کم نہ سے ہاں تو ہو جائے گی۔ مجھے لائبریری میں بیٹھے آدھا گھنٹہ ہوگیا تھا اور میں سر جھکائے کام میں مگن بیٹھی تھی۔ ایک ریفرنس بک کی ضرورت پڑی اور میں وہ لانے کے لیے اُٹھ گئی۔ کتاب نکال کر واپس اپنی ٹیبل کی طرف آئی تو کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے سامنے دیکھا تو ذیشان نظر آیا۔ غلطی دونوں میں سے کسی کی بھی نہیں تھی، پھر بھی میں نے اخلاقاً سوری کہہ دیا، وہ بغیر میری سوری کا جواب دیئے آگے بڑھ گیا تھا۔ غصہ تو مجھے ویسے بھی آہی رہا تھا، مزید کسر اس بدتمیز نے پوری کردی تھی۔ پتا نہیں نواب کا بچہ خود کو سمجھتا کیا ہے۔ اپنی کرسی سنبھالتے میں اسے دل ہی دل میں گالیاں دے رہی تھی۔ گالیاں دے کر فارغ

ہوئی اور اپنی بکس اور فائل کی طرف نظر کرم کی تو میں بے اختیار اُچھل کر رہ گئی۔ میری بند فائل کے اوپر تین چار فل اسکیپ اسٹیپل ہوئے پیپرز رکھے ہوئے تھے۔ حسب سابق ان پیپرز میں میری ساری پریشانیوں کا علاج موجود تھا۔ میں بجائے خوش ہونے کے ڈر گئی۔ کیا کوئی جن بھوت میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ کون تھا جو اس طرح میری مدد کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ اس روز بھی وہ پیپرز اتفاقاً نہیں بلکہ جان بوجھ کر میری فائل میں رکھے گئے تھے۔

کافی دیر تک میں اپنے آپ سے بیٹھی اُلجھتی رہی، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا۔ اپنی کلاس کے ہر بندے اور بندی کے بارے میں سوچا مگر مجھے یہ اپنے کسی کلاس فیلو کی حرکت لگ نہیں رہی تھی۔ وہی اس دن کا انداز تھا۔ پورا اسائنمنٹ مختلف مثالوں اور خاص خاص پوائنٹس کے ذریعے واضح کیا گیا تھا۔ جو بھی تھا، یہ بات تو طے شدہ تھی کہ جو کوئی بھی تھا یا تھی آخر ہے تو میرا ہمدرد ہی۔ میں نے ان پیپرز کی مدد سے اسائنمنٹ مکمل کیا اور جمع بھی کروادیا۔ مریم نے مجھ سے سوری کرنے اور مختلف بہانے بازیاں کرنے کی بہت کوشش کی مگر میرا دل اس کی طرف سے کھٹا ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کی معذرتوں کا کوئی بھی جواب دیئے بغیر میں گھر چلی آئی۔ پتا نہیں مجھے لوگوں کو سمجھنا اور.......... کرنا کب آئے گا۔ کیا ہو جاتا جو میں بھی مریم کی طرح منافقت کا ثبوت دیتی اور دل میں اس کے لیے کینہ رکھنے کے باوجود بظاہر اس کی معذرت قبول کرلیتی۔ گھر میں تو کوئی ایسا تھا نہیں جس سے میں اپنی یہ پرابلم شیئر کرسکتی۔

آخر کار میں نے نگار کو فون کھڑکایا اور اسے اپنے گمنام ہمدرد کے بارے میں بتایا تو وہ میری پریشانیوں کے جواب میں بجائے پریشان ہونے کے قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''لگتا ہے، تجھ پر کوئی جن عاشق ہوگیا ہے۔'' میں جتنا پریشان تھی، وہ اتنا ہی اس بات کو انجوائے کر رہی تھی۔ آخر جب میں ناراض ہو کر فون بند کرنے لگی تو وہ سیریس ہوئی۔

''بھئی اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، جو بھی کوئی ہے، ہے تو تمہارا ویل وشر۔ چلو ایسا کرتے ہیں کل میں تمہارے ڈیپارٹمنٹ آؤں گی اور ہم دونوں مل کر غور کریں گے کہ وہ ہمدرد بندہ ہے کون'' اگلے روز نگار صبح صبح ہی ہمارے ڈیپارٹمنٹ آ گئی۔ پہلے تو اس نے کسی ماہر سراغ رساں کی طرح پہلے والے پیپرز اور بعد والے پیپرز میں موجود لکھائی کا تجزیہ کیا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں رائٹنگ ایک ہی بندے کی ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ یقیناً کسی لڑکے کی رائٹنگ ہے''۔

''بڑا کمال کیا۔ اتنی بات تو میں بھی سمجھ چکی ہوں''۔ میں نے جل کر کہا تو وہ بُرا مانے بغیر ہنس پڑی۔ پھر اس روز نگار نے سارا دن میرے ساتھ گزارا۔ میری کلاس کے ہر ہر بندے کو بڑے غور و فکر سے جانچا۔ کوریڈورز سے گزرتے، لان میں بیٹھے، کیفے ٹیریا میں کولڈ ڈرنک پیتے، وہ ہر بندے کو مشکوک نگاہوں سے گھورتی رہی۔ میں خاموشی سے اس کی جاسوسی ملاحظہ کر رہی تھی۔ سارا دن ساتھ گزار کر جب نگار نے کندھے اچکا کر یہ جملے کہے۔

''سوری یار! میں ناکام ہوگئی۔ مجھے تو کوئی ایک بندہ بھی ایسا نظر نہیں آیا جو تم میں انٹرسٹڈ محسوس ہوا ہو، بلکہ آئی ایم سوری ٹو سے کہ تمہیں لڑکوں کے حلقے میں کوئی اتنا خاص جانتا ہوا مجھے محسوس بھی نہیں ہوا''۔ تو میرا دل چاہا کہ اس کا سر پھاڑ دوں۔ سارا دن ریسرچ تو یوں کر رہی تھی جیسے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ کر ہی دم لے گی۔

نگار نے مدد تو کیا کرنی تھی بس یہ ہوا کہ ان محترمہ کے ہاتھ ایک ناپک لگ گیا تھا۔ فوراً ہی فارینہ اور مومو کے بھی گوش گزار کیا گیا۔

"عینا پر کوئی جن عاشق ہو گیا ہے۔ جو ہے بھی بڑا نیک دل اور پڑھاکو"۔ سب نے مل کر میرا اچھا خاصا ریکارڈ لگایا تھا۔ پھر ان دو واقعات پر ہی بس نہیں ہوا اس کے بعد بھی دو چار مرتبہ اسی قسم کے واقعات پیش آئے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میں لائبریری کوئی بک ایشو کرانے جاتی اور وہ مجھے وہاں نہیں ملتی۔ واپس کلاس میں پہنچتی تو وہ کتاب میری چیئر پر رکھی ہوتی۔ ڈرنا تو خیر میں نے اب چھوڑ دیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا، مجھے نقصان تو ہرگز نہیں پہنچا رہا تھا۔ مگر وہ تھا کون اور آخر سامنے کیوں نہیں آ رہا تھا۔ میں ان دنوں سخت اُلجھن کا شکار رہنے لگی تھی۔ پہلا سمسٹر ختم ہوا اور امتحانات سے فارغ ہو کر ہم لوگ سیکنڈ سمسٹر میں آ گئے۔

ذیشان حیدر کا گروپ یونیورسٹی سے رُخصت ہو چکا تھا۔ میں نے کتنی ہی لڑکیوں کو اس کے لیے آنسو بہاتے دیکھا اور ان کی عقلوں پر ماتم بھی کیا۔ جب وہ کسی کو لفٹ نہیں دیتا تھا تو ان لڑکیوں کا یہ حال تھا اگر جو وہ ذرا کسی سے بات کر لیتا تو پتا نہیں کتنی لڑکیاں اس کی جدائی میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی ہوتیں۔

ان گزرتے دنوں میں دو دو خوشی کی خبریں آگے پیچھے سننے کو ملی تھیں۔ پہلی خبر تو یہ تھی کہ ہماری مومو خیر سے اماں جان بن گئی تھیں۔ اس کی بیٹی اسی کی طرح کیوٹ تھی اور دوسری خوش خبری یہ تھی کہ نگار کی اپنے تایا زاد کے ساتھ بات طے ہو گئی تھی۔ شادی اس کے ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد ہونا قرار پائی تھی۔ ہم سب دوستیں بہت دنوں بعد مومو کی بیٹی کو دیکھنے کے بہانے جمع ہوئے تو وہاں سب ہی کو میری فکر تھی۔ یار اب عینا کے لیے کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔ مسٹر رائٹ کا تو کہیں پتا چل نہیں رہا۔ ایسا کرتے ہیں ہم ہی لوگ کوئی اچھا سا بندہ اپنی چندا کے لیے ڈھونڈتے ہیں۔" فارینہ نے میرے لیے فکر ظاہر کی تھی۔ میں نے جواباً ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو وہ سب کی سب مجھے ڈانٹنے بیٹھ گئیں۔

"چپ بیٹھو تم تو، گٹس خود میں کوئی ہیں نہیں اور شوق ہے پسند کی شادی کا۔ لڑکوں کو تو ایک طرف چھوڑو، اس کی تو وہاں کسی لڑکی تک سے دوستی نہیں ہے۔ ایسے کوئی نہیں تمہیں پسند کرے گا۔ بہتر ہے بڑوں کا کہنا مانو۔ اب دیکھنا میں اپنی عینا کے لیے کیسا شاندار بندہ ڈھونڈتی ہوں"۔ وہ سب کی سب اسی قسم کی باتیں کرتی رہی تھیں اور میں انہیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی رہی تھی۔

پتا نہیں کیا بات تھی، اب مجھے میری مطلوبہ کتاب چیئر پر رکھی نہیں ملتی تھی۔ اسائنمنٹس اور نوٹس میری فائلوں میں سے برآمد ہونا بند ہو گئے تھے۔ میں جو اس غیبی امداد کی بڑی حد تک عادی ہو گئی تھی، ایک دم پریشان ہو گئی۔ وہ میرا نادیدہ ہمدرد اور خیر خواہ پتا نہیں ایک دم کہاں غائب ہو گیا تھا۔ میں اس سے ملنا چاہتی تھی۔ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ میری مدد کیوں کرتا ہے۔ مگر وہ تو ایسا غائب ہوا تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ میرا دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ پڑھائی اور کتابیں بھی مجھے زہر لگنے لگی تھیں۔ یہ محبت کی کون سی قسم ہے، میں نہیں جانتی، مگر مجھے اتنا ضرور پتا ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے اور جیسا بھی ہے میرے لیے وہ دنیا کا سب سے پیارا انسان ہے، جسے میری پرواہ تھی، جو میرا خیال رکھتا تھا، مگر وہ ایک دم آخر چلا کہاں گیا۔

☆

میں ذیشان حیدر ہوں۔ اپنے والدین کا سب سے چھوٹا بیٹا۔ مجھ سے بڑے دونوں بھائیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ دونوں بھائی ڈیڈی کے ساتھ مل کر ہمارے بزنس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ میری ساری ایجوکیشن پاکستان سے باہر ہوئی ہے۔ لندن میں سنیئر کیمبرج کے بعد میں نے وہیں BBA میں داخلہ لے لیا۔ گریجویشن کے بعد میرا وہیں سے MBA کرنے کا پروگرام تھا مگر مما کو اچانک ہی میری یاد زیادہ ہی شدتوں سے آنے لگی تو مجھے ناچار پاکستان لوٹنا پڑا۔ ڈیڈی نے بھی مجھے یہی سمجھایا تھا کہ فی الحال مما کا دل رکھنے کی خاطر مجھے واپس آ جانا چاہیے۔ بعد میں سال دو سال بعد وہ مجھے دوبارہ میری پسند کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوا دیں گے۔

کراچی آ کر میں نے IBA میں ایڈمیشن لے لیا اور ساتھ ہی ساتھ ڈیڈی کے آفس بھی جانا شروع کر دیا، تاکہ مجھے یہاں کس طرح کام کیا جاتا ہے، وہ بھی سمجھ میں آ جائے۔ یہاں آنے کے بعد شروع شروع میں مجھے سخت بوریت محسوس ہوتی تھی۔ گو خاور اور اسد جو میرے فرسٹ کزنز اور بچپن کے دوست ہیں، بھرپور کمپنی دیتے تھے، مگر مجھے پھر بھی ایڈجسٹ کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ انہی بور دنوں میں اچانک مجھے وہ مل گئی۔

مجھے نہیں پتا میں اس کی کس بات سے متاثر ہو کر اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوا تھا، مگر یہ بات طے ہے کہ وہ لڑکی مجھے پہلی نظر ہی میں دل و جان سے پسند آ گئی تھی۔ اس روز میں خاور کے ہاں گیا تھا۔ آنٹی سے پتا چلا کہ وہ گھر پر نہیں ہے تو میں سخت بوریت اور ڈپریشن محسوس کرتا وہیں خاور کے گھر کے قریب موجود پارک میں چلا آیا۔ یونہی بینچ پر بیٹھا میں وقت گزاری کر رہا تھا کہ کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی بے فکری سے قہقہہ لگاتی لڑکیوں نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ وہ چار لڑکیوں کا گروپ تھا۔ میں یونہی اپنی بوریت دور کرنے کے لیے ان لوگوں کی باتیں سننے لگا۔ اس کے لیے مجھے کوئی خاص کوشش بھی نہیں کرنی پڑی، وہ لوگ اتنا زور زور سے بول رہی تھیں کہ میں کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بھی ان کی گفتگو سن سکتا تھا۔ وہ سب ہی کچھ نہ کچھ بول رہی تھیں، مگر ان کے درمیان بیٹھی وہ ہرے کپڑوں میں ملبوس لڑکی بڑی خاموش بیٹھی تھی۔ پتا نہیں اسے دیکھ کر بے اختیار میرا دل یہ کیوں چاہا کہ وہ بھی کچھ بولے۔ پھر اس کی کسی دوست نے براہِ راست اسے مخاطب کر کے کچھ پوچھا تو وہ اپنی اتنی دیر کی خاموشی توڑ کر بڑی ہی مدھر آواز میں انہیں اپنی پسند ناپسند سے آگاہ کرنے لگی۔ وہ اچھی خوش شکل لڑکی تھی۔ کندھوں سے نیچے آتے سلکی بال جنہیں وہ لاپرواہی سے بار بار پیچھے کر رہی تھی، اس کی شخصیت میں چار چاند لگا رہے تھے۔ اس کی آواز بے حد خوب صورت تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ وہ میری زندگی میں آنے والی پہلی خوب صورت لڑکی تھی۔ بے شمار لڑکیاں میرے آگے پیچھے منڈلاتی ہیں، مگر میں نے کبھی بھی تفریحاً کسی لڑکی کے ساتھ وقت نہیں گزارا۔

میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔ ایسی لڑکیوں پر مجھے صرف اور صرف ترس آتا ہے جو خود کو اتنا حقیر کر دیتی ہیں اور مردوں کے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ خیر بات ہو رہی تھی اس لڑکی کی جس کا نام تھا عینا۔ اس کی دوستوں ہی کے ذریعے مجھے اس کا نام پتا چلا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے وہ بہت بولڈ ہو، بہت کانفیڈنٹ۔ وہ آئے اور آ کر بڑے اعتماد کے ساتھ مجھے شادی کی آفر کرے۔ اس طرح جیسے انکار کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا خوب صورت سا بکے ہو۔ میں وہ بکے قبول کر لوں۔ کیا خوب ہو اگر وہ ویلنٹائن ڈے ہو"۔ وہ اتنے جذب سے اور اتنی سچائی سے بول رہی تھی

کہ میں ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا ہی رہا۔ ایک لمحے کے لیے تو میرا دِل چاہا کہ ابھی اس کے سامنے جاؤں اور جا کر اسے پروپوز کردوں، مگر پھر فوراً ہی خود کو ایسا کرنے سے روکا۔ جب تک وہ لوگ چلی نہیں گئیں میں وہیں بیٹھا رہا۔ زندگی میں پہلی بار تھا کہ مجھے کسی لڑکی نے اتنا متاثر کیا تھا۔ میں اپنی فیلنگ کو خود ہی اچھی طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس روز گھر آ کر یہاں تک کہ رات میں سونے سے پہلے بھی مجھے وقفے وقفے سے اسی کا خیال آتا رہا تو میں خود کو قصداً دوسرے کاموں میں مصروف کر کے اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کرنے لگا، مگر پھر صرف اسی دن نہیں بلکہ اس کے بعد بھی جب کئی دن گزرنے پر بھی میں اس کے خیال کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پایا تو پہلے پہل تو خود پر ہی بہت جھلایا، غصہ آیا۔ آخر ایسا اس لڑکی میں غیر معمولی تھا ہی کیا کہ میں یوں اس کے بارے میں سوچنے بیٹھ جاؤں۔ اس سے کہیں حسین لڑکیاں میرے خاندان اور فیملی فرینڈز میں موجود تھیں۔ میں تو اس کے بارے میں ڈھنگ سے کچھ جانتا تک نہیں تھا۔ وہ کون تھی، کہاں رہتی تھی، کس فیملی سے تعلق رکھتی تھی، اس کے عادتیں، پسند ناپسند، مجھے کبھی بھی تو معلوم نہیں تھا۔

اپنا یہ عشق مجھے انتہائی احمقانہ محسوس ہو رہا تھا۔ خود سے لڑتے جھگڑتے آخر کار میں نے ہار مان لی تھی اور تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھی اور جیسی بھی تھی اس نے مجھے فتح کر لیا تھا۔ خود سے یہ بات تسلیم کرنے کی دیر تھی، میں فوراً ہی دوبارہ پارک پہنچ گیا۔ اس اُمید پر کہ شاید وہ اس روز کی طرح آج بھی مجھے وہیں پارک میں مل جائے گی، مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے خود ہی اندازہ لگایا کہ اس کا گھر شاید پارک کے قریب ہی کہیں موجود ہوگا، یہ سوچ کر احمقوں کی طرح وہاں پارک کے پاس کی تمام گلیاں چھان ماریں، مگر اسے نہیں ملنا تھا سو نہیں ملی۔ پھر اسی ایک دن پر موقوف نہیں میں اس کے بعد بھی اکثر شام میں آفس سے واپسی میں پارک کا ایک چکر لگاتا، اس آس پر کہ آج شاید وہ نظر آ جائے۔ شکر ہے خاور نے کبھی مجھے یہ بے وقوفانہ کام کرتے رنگے ہاتھوں نہیں پکڑا، ورنہ وہ میرا خوب ہی مذاق اُڑاتا۔ میں نے یہ بات کسی سے بھی شیئر نہیں کی تھی۔ اپنا یہ قبل مسیح کے زمانے کا عشق کسی اور سے بیان کر کے مجھے اپنا مذاق اُڑوانے کا ہرگز کوئی شوق نہیں تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ کوئی اس طرح اچھا لگا تھا اور میں نے اسے کھو دیا تھا، پھر جب میں اس کی تلاش میں ناکام ہو کر مایوس ہونے ہی لگا تھا کہ وہ مجھے دوبارہ مل گئی۔ میں، خاور، اسد اور سلمان کوریڈور میں کھڑے باتیں کر رہے تھے، جب میں نے اپنی پشت پر ایک چہکتی، زندگی سے بھرپور آواز سنی۔ میں نے بے اختیار گردن گھما کر پیچھے دیکھا تھا اور میرا دِل چاہا تھا کہ اُچھل اُچھل کر اپنی خوشی کا اظہار کروں۔ وہ جسے میں نے کھو دیا تھا، اچانک ہی دوبارہ مل گئی تھی۔ وہ اپنی دوست کے ساتھ مگن باتیں کرتی ہوئی ہمارے پاس سے گزر گئی تھی۔

اس روز یونیورسٹی سے لوٹتے وقت میرے پاس اس کے بارے میں تمام ضروری معلومات موجود تھیں۔ اب مجھے اس کے کھو جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اس کا پورا بائیو ڈیٹا میں نے انتہائی خفیہ ذرائع سے حاصل کیا تھا اور اس بات کی بھنک اپنے جگری یاروں کو بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ مجھے یونیورسٹی کے اندر پروان چڑھنے والے عشق و عاشقی کے سلسلے کبھی بھی پسند نہیں آئے۔ اسی لیے خاموشی اختیار کیے رکھنے کو ترجیح دی۔ اس کے سامنے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے مجھے کچھ عرصہ اور صبر سے گزارنا تھا۔ میں اپنے فائنل سمسٹر کے ختم ہو جانے کا منتظر تھا۔ یوں بھی اب اس کے کھو جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ روزانہ صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے میں کسی نہ کسی بہانے اس کی کلاس کے پاس سے گزرا کرتا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں ہوگا کہ کوئی اس طرح اس کے پیچھے خوار ہوتا پھر رہا ہے۔ خود سے کیے اس عہد سے کہ جب

تک میں یہاں سے MBA کر کے فارغ نہیں ہو جاتا، اس سے کسی قسم کا تعلق استوار نہیں کروں گا، مجھے خود ہی پھر جانا پڑا۔ اس روز وہ لان میں اتنی معصوم سی شکل بنائے بیٹھی تھی کہ مجھے بے اختیار اس پر ترس آ گیا۔ ہم لوگ اس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے آج کے لیکچرز ڈسکس کر رہے تھے۔

''اگر میرا فیانسی بھی تھرڈ یا فورتھ سمسٹر میں ہوتا تو میں بھی اپنا اسائنمنٹ آج نہیں بلکہ کل یا پرسوں ہی سب مٹ کروا چکی ہوتی''۔ اپنی کسی کلاس فیلو سے بڑا جل کر بولی تھی اور اس کی یہ بات سیدھی جا کر میرے دل پر لگی تھی۔ وہ پریشان تھی، مشکل میں تھی اور میں کیا اس قابل بھی نہیں تھا کہ اس کی پریشانی دور کر سکوں۔ خاور اور اسد نے دو تین مرتبہ مجھے میری بے توجہی پر ٹوکا تو میں نے ان سے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے معذرت کی اور کھڑا ہو گیا۔ میری وجہ سے وہ لوگ بھی اُٹھ گئے اور گھر جانے کے لیے ہم تینوں ہی پارکنگ کی طرف آ گئے۔ گاڑی کا لاک کھولتے میں نے ایک دم سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

''دیکھو ذرا مجھے یاد ہی نہیں رہا، ڈاکٹر شیراز نے مجھے اپنے آفس میں بلایا تھا۔ ایسا کرو تم لوگ نکلو، میں بعد میں آ جاؤں گا''۔ ان لوگوں کو رخصت کر کے میں لائبریری چلا آیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مصیبت کی ماری، دکھیاری خاتون یہیں پائی جاتی ہوں گی۔ نوٹس بورڈ سے اسائنمنٹ کے سوالات تو میں پہلے ہی اُتار چکا تھا، جس کام کے لیے محترمہ کبھی ایک کتاب اُٹھا رہی تھیں، کبھی دوسری، وہ بھی کوئی کام تھا۔ میں نے دس پندرہ منٹ میں اسائنمنٹ میں موجود تمام حل طلب باتوں کو واضح کیا۔ میں چاہتا تو پورا کا پورا ابھی حل کر سکتا تھا، مگر یہ بات مجھے پسند نہیں تھی اور جو بات مجھے ناپسند ہو، وہ میں کسی کے مجبور کرنے پر بھی نہیں کرتا۔ وہ ادھر سے اُدھر لائبریری میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ اس لیے مجھے وہ صفحات اس کی فائل کے اندر رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہ ہوئی ہوگی۔ اگلے روز اس کی ہنستی مسکراتی شکل دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا۔ ویسے اتنی ذرا سی بات پر اس کا یوں ٹینس ہونا مجھے اچھا نہیں لگا تھا، جب بھی کبھی زندگی میں موقع آیا اور ہم ساتھ بیٹھے تو میں اسے اس بات پر ضرور ٹوکوں گا۔ ایک اسائنمنٹ کے پیچھے جو اپنا حشر کر لے اسے اگر کبھی زندگی میں کسی سنگین اُلجھن کا سامنا کرنا پڑے تو وہ تو پتا نہیں کیا کر ڈالے گی۔ غوری صاحب کے آفس میں اسائنمنٹ جمع کروا کر وہ بڑی خوش اور گردن اکڑائے نکل رہی تھی اور اسے خوش دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ پھر اس روز سیمینار والے دن تو مجھے مزہ ہی آ گیا۔ آخر کار میں محترمہ کو امپریس کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ گو میں نے ایسی کوئی شعوری کوشش نہیں کی تھی۔ شاید مجھے خود پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا۔ مجھے کبھی بھی اس بات کی فکر نہیں ہوئی تھی کہ آیا وہ مجھے پسند کرے گی یا نہیں۔ مجھے اپنی تعریف سن کر کبھی بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی، جتنی اس روز اس کے منہ سے اپنے لیے توصیفی کلمات سن کر ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہی تو پراؤڈ ہے یہ بندہ۔ میں بھی اگر اتنی ہی جینئس ہوتی پلس یہ کہ اتنی ہی پُراعتماد اور شان دار شخصیت کی مالک ہوتی تو پراؤڈنس میں اس سے دو جوتے آگے ہی ہوتی۔ میں تو کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہ کرتی''۔ دوسری بہت سی لڑکیوں کی طرح وہ بھی مجھے مغرور سمجھتی تھی۔

''یار کتنی لکی ہوگی وہ لڑکی جسے اتنا شان دار بندہ پسند کرے گا''۔ اس کے اس جملے پر میں جو خاور وغیرہ کے ساتھ اس سے چند قدم پیچھے ہی چل رہا تھا، بے اختیار مسکرا دیا۔ میرا دِل چاہا کہ اس سے کہوں۔

"وہ کلی لڑکی تم ہی ہو جسے اس اتنے شان دار بندے نے پسند کیا ہے"۔ مگر خود پر ضبط کرتا میں خاموشی سے اس کے پاس سے گزر گیا۔ اگلی بار وہ ڈاکٹر عرفان کے کمرے میں حسب معمول پریشان حال داخل ہوئی۔ میں جو اس کی اتنے دنوں کی غیر حاضری پر تشویش میں مبتلا ہونے لگا تھا، اسے سامنے دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ اس کے ساتھ پھر وہی پرانا مسئلہ تھا۔ پتا نہیں اس لڑکی کو بات بے بات پریشان ہونے کا اس قدر شوق کیوں ہے۔

ڈاکٹر عرفان نے ظاہر ہے اسے صاف انکار کر دیا تھا اور وہ منہ لٹکائے وہاں سے چلی گئی تھی۔ میں نے وہیں ڈاکٹر صاحب سے اسائنمنٹ کے سوالات معلوم کیے اور اُٹھ آیا۔ لائبریری میں آیا تو وہ اسی روز کی طرح پریشان حال ہونق نظر آئی۔ میں اس سے کافی فاصلے پر دوسری ٹیبل پر بیٹھ گیا اور جلدی جلدی اس کے مسائل کا حل نکالنے لگا۔ وہ جیسے ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی میں بھی جلدی سے اُٹھ گیا اور تیزی سے لا کر وہ صفحات اس کی فائل کے اوپر رکھ دیئے۔ میں صفحات رکھ کر ہٹا ہی تھا کہ وہ ایک دم واپس آ گئی۔ شکر تھا کہ اس نے مجھے یہ حرکت کرتے دیکھا نہیں تھا۔ میں جلدی سے لائبریری سے باہر نکل گیا۔ اس کے ایکسپریشن میں نے دور ہی سے دیکھ لیے تھے۔ وہ آنکھوں میں حیرانی بھرے ان پیپرز کو تک رہی تھی۔ میں نے اسے حیران پریشان چھوڑ کر اپنی راہ لی تھی۔

اس روز کے بعد میں ہر وقت اس کی آنکھوں میں اُلجھن اور حیرانی دیکھا کرتا تھا۔ پہلے پہل تو میں نے صرف اس کی مدد کے خیال سے ایسا کیا تھا مگر اب میں صرف اس کی وہ اُلجھی ہوئی حیران شکل دیکھنے کے لیے کبھی اس کی فائل میں اسائنمنٹ، کبھی نوٹس اور کبھی اس کی مطلوبہ کتب رکھنے لگا۔ یہ تمام کام میں اتنی چالاکی سے کرتا تھا کہ کسی کو بھی اس کا پتا نہیں چلتا تھا۔ میں نے سوچا تھا جس روز لاسٹ پیپر دے کر فارغ ہوں گا، اس دن محترمہ سے دو بدو گفتگو ہو گی۔ مگر ہوا یہ کہ ڈیڈی نے اچانک ہی مجھ سے بزنس کے کام سے ٹیکساس جانے کے لیے کہا۔ جس دن میرا آخری پیپر تھا، اسی روز میری روانگی تھی۔ جانے کی افراتفری اس قدر مچی تھی کہ میں پیپر دے کر سیدھا گھر آ گیا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ میں جاتے جاتے ایک بہت ہی ضروری کام ادھورا چھوڑ کر جا رہا ہوں، مگر کیا کرتا ڈیڈی نے سارا پروگرام اتنا اچانک بنایا تھا کہ میں کچھ کر ہی نہیں پایا تھا۔ پھر بھی جانے سے پہلے میں نے مما کے گوش گزار کر دیا تھا کہ انہیں اپنی بہو ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ کام خود ہی سرانجام دے چکا ہوں۔ ٹیکساس میں، مجھے میری توقع کے برخلاف زیادہ ہی وقت لگ گیا۔

پورا ڈیڑھ مہینہ وہاں آفس کے کاموں میں مصروف رہ کر جب میں واپس کراچی آیا تو مجھ سے زیادہ مما اس بارے میں ایکسائیٹڈ تھیں۔ وہ فوراً سے بیشتر عینا کے گھر جانا چاہتی تھیں، میں نے انہیں بڑی مشکلوں سے چند دن رکنے کے لیے آمادہ کیا۔ وہ حیران تھیں کہ مجھے آخر انتظار کس چیز کا ہے۔ اب میں اپنی بھولی بھالی مما کو یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ آپ کی ہونے والی بہو سے اپنی پسندیدگی کا اظہار مجھے خود کرنا ہے اور وہ بھی ویلنٹائن ڈے پر۔ اٹھائیس جنوری کو میں واپس آیا تھا اور اب چودہ فروری کا انتہائی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

☆

لائبریری میں بیٹھ کر کل ہونے والے ٹیسٹ کی تیاری کرتی میں ہمیشہ ہی کی طرح اِرد گرد سے بے نیاز بیٹھی تھی۔ میں تو شاید یونہی پڑھتی رہتی اگر جو اچانک ہی شدید قسم کی بھوک لگنی نہ شروع ہو گئی ہوتی۔ کیفے ٹیریا جانے سے بہتر

میں نے یہی سمجھا کہ گھر جا کر ممی کے ہاتھ کے بنے مزے دار کھانے کھائے جائیں۔ اس لیے اپنی چیزیں سمیٹ کر اور بیگ کندھے پر ڈال کر لائبریری سے نکل آئی۔ آج یونیورسٹی میں بسنت میلہ تھا، اس لیے ہمارا ڈیپارٹمنٹ تقریباً خالی ہی تھا۔ زیادہ تر اسٹوڈنٹس بسنت منانے پہنچے ہوئے تھے۔ کوریڈور میں سامنے سے آتے ذیشان حیدر کو دیکھ کر میں ایک لمحے کے لیے چونکی تھی۔ چونکی اس لیے تھی کہ وہ وہاں ہاتھ میں بڑا خوب صورت سا بکے اُٹھائے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پھول دیکھ کر مجھے ایک دم یاد آیا کہ آج کیا تاریخ ہے اور تاریخ یاد آتے ہی خوامخواہ میرے ہونٹوں سے ایک سرد آہ برآمد ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے چلتی اس کے سامنے سے گزر جانا چاہتی تھی کہ اس نے مجھے آواز دے کر روک لیا۔

"عینا!" میں ایک دم چونک کر رُک گئی تھی۔ اسے میرا نام کیسے معلوم ہوا۔ میں اس کی طرح ڈیپارٹمنٹ کی کریم تو تھی نہیں کہ ہر کوئی مجھے جانتا ہو۔ وہ میری طرف مُسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے تو سنا تھا وہ کسی لڑکی سے بات نہیں کرتا اور خود دیکھا بھی تھا، اسے مغرورانہ انداز میں چلتے پھرتے۔ پھر وہ مجھ سے کیوں مخاطب تھا۔

"کیسی ہو عینا!" اس سوال پر میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ میری خیریت یوں دریافت کی جا رہی تھی جیسے کب کے بچھڑے دوست اچانک مل گئے ہوں۔ مارے حیرانی کے میں کوئی جواب بھی نہ دے سکی، صرف اسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ وہ میری حیرانی سے قطع نظر گہری مسکراہٹ سمیت مجھے دیکھ رہا تھا۔

"میں ذیشان حیدر، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ بولو قبول ہے"۔ اس کے اس جملے پر میں ہونق بنی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ یہ ہو کیا رہا تھا میرے ساتھ، میں سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ وہ گلدستہ میری طرف بڑھائے اس طرح کھڑا تھا جیسے مجھے اسے قبول کرنے میں ہرگز کوئی عار نہ ہو گی۔

آپ کا مطلب کیا ہے اس بات سے"۔ مجھے اس کی بے باکی پر ایک دم ہی شدید قسم کا غصہ آیا تھا۔ کیا میں ایسی گئی گزری تھی کہ کوئی بھی راہ چلتا مجھے شادی کی آفر کرتا پھرے۔

"میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے"۔ وہ جواباً قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ اس طرح جیسے میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے۔

"آپ نے تو کہا تھا کہ آپ وہ بکے قبول کر لیں گی۔ آج پتا چلا کہ کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دیکھ لیں بندہ بولڈ بھی ہے، کانفیڈنٹ بھی اور آج ویلنٹائن ڈے بھی ہے۔ اب آپ خود ہی اپنی کہی بات سے مکر جائیں گی یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا"۔ وہ کتنی عجیب سے باتیں کر رہا تھا جس شخص سے میری کبھی سلام دعا بھی نہ ہوئی ہو وہ آئے اور آ کر میری ہی کہی کسی بہت پرانی بات کا حوالہ دے تو ظاہر ہے میں ڈروں گی ہی۔

"ڈرو نہیں، میں کوئی جن بھوت نہیں ہوں"۔ اس نے میری شکل سے شاید میرے ڈرنے کا پتا چلا لیا تھا۔ اس لیے ہنس کر بولا۔

"ویسے آج کل تمہارے اسائنمنٹ پایہ تکمیل تک کس طرح پہنچتے ہیں۔ سنا ہے کوئی جن تم پر عاشق ہو گیا تھا"۔ وہ بڑے شرارتی انداز میں بولا تھا اور اچانک ہی میرے اتنے دنوں کی الجھنوں کا خاتمہ بھی ہو گیا تھا۔ تو وہ گمنام ہمدرد ذیشان تھا، مگر تعجب کی بات یہ تھی کہ مجھے کبھی ایسا فیل کیوں نہیں ہوا کہ وہ شخص ذیشان ہے۔ کیا میں اتنی خوش قسمت تھی کہ جس شخص کے پیچھے ایک زمانہ پڑا تھا، وہ میرے بارے میں سوچتا تھا۔ وہ مجھے مزید حیران ہونے کا موقع دیئے بغیر بولا۔

''کب سے ہاتھ بڑھائے کھڑا ہوں۔ اب تو اسے ایکسیپٹ کرلو''۔ اور میں نے بلا تامل وہ بکے پکڑ لیا تھا اپنی اس بے اختیاری پر اگلے ہی پل میں سخت شرمندہ ہوئی تھی اور میرا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا میں اس سے بہت سی باتوں کی وضاحت چاہتی تھی مگر اس وقت سوائے بے وقوفوں کی طرح شرمانے کے اور کچھ کیا ہی نہیں جارہا تھا۔

''مجھے پتا ہے تم مجھ سے بہت سی باتیں جاننا چاہتی ہو۔ انشاء اللہ وقت آنے پر وہ ساری باتیں کریں گے۔ اس وقت تو میں صرف یہ پھول تمہیں دینے آیا تھا۔ آج شام میں میری مما اور ڈیڈی تمہارے گھر آئیں گے۔ اوکے بائے۔'' وہ مجھے مزید کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر جاچکا تھا اور اب ان سرخ گلابوں کو ہاتھ میں تھامے جیسے میں کسی اور ہی دُنیا میں پہنچ گئی تھی۔ آج صبح میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آج کا دن میری زندگی میں خوشیوں کے انمول خزانے لانے والا ہے۔ کیا واقعی بعض لمحے قبولیت کے ہوتے ہیں۔ ان میں جو مانگا جائے وہ ضرور ملتا ہے۔ میری زندگی میں بھی وہ لمحہ شاید قبولیت ہی کا تھا۔ جو کچھ میں چاہتی تھی، وہ سب مجھے میرے رب نے دے دیا تھا۔ میں جیسے زمین پر نہیں چل رہی تھی، بلکہ ہواؤں میں اُڑ رہی تھی۔ اپنا آپ بڑا پیارا لگ رہا تھا۔ اب کا موسم بہار واقعی میری زندگی میں بہاریں لے آیا تھا۔ مجھے گھر پہنچنے کی ایک دم جلدی تھی۔ ابھی گھر جاکر مومو، فارینہ اور نگار کو آج کا یہ اہم ترین واقعہ سنانا ہے..........اور سب سے اہم بات شام میں آنے والے مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں بھی تو کرنی ہیں